سلسلہ اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن نمبر ۵۴

فہرست مضامین حقیقۃ الفقہ حصہ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنْ

اما بعد اب تھوڑا سا حال فقہ حنفیہ کی تدوین اور اُسکی شہرت اور مقبولیت اور اُسپر اجماع ہونے کا بھی سُن لیجئے امام صاحب کی پیدائش سنہ ۸۰ اسّی ہجری میں ہے جو صحابہ کی موجودگی اور اعلیٰ درجہ کی برکت کا زمانہ تھا۔ اور انتقال سنہ ۱۵۰ ایک سو پچاس ہجری میں ہوا اس ستر سال کی عمر کا ایک بڑا حصہ آپنے تحصیل علم میں صرف کیا اُس کے بعد حماد بن سلیمان کے حلقہ میں فقہ حاصل کرنے کی غرض سے گئے۔ چنانچہ تبییض الصحیفہ میں امام سیوطی رح نے لکھا ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ہر روز میں اُن کے حلقہ میں جایا کرتا اور جو کچھ اُن سے سُنتا یاد رکھتا جب دوسرے روز وہ پڑھے ہوے سبق کا اعادہ کراتے تو دوسرے ہمدرس

اکثر خطا کرتے اور میں بے کم و کاست بیان کر دیتا اس وجہ سے حماد رح نے حکم دیا
کہ صدر حلقہ میں سوائے ابوحنیفہ کے کوئی نہ بیٹھے دس سال تک یہ حاضر باشی
اور استفادہ رہا ایک روز میرے نفس نے خواہش کی کہ تفقہ بہرہ کافی حاصل ہوگیا
ہے اسلئے اپنا حلقہ علیحدہ بنا لیا جائے۔ چنانچہ اس ارادہ سے میں نکلا۔
جب مسجد میں داخل ہوا اور حماد کو دیکھا تو جرأت نہ ہوئی کہ استاد کے مقابلہ میں
خود سری کا دعوی کروں چنانچہ حسب عادت شیخ کے حلقہ میں بیٹھ گیا۔ قضارا
اُسی رات اُن کو خبر پہونچی کہ بصرہ میں اُن کے کوئی قرابتدار تھے اُنکا انتقال ہوا
اور سوائے اُن کے کوئی دوسرا وارث نہیں یہ سُنتے ہی مجھے اپنا جانشین
کر کے وہ روانہ ہوگئے اور دو مہینے تک میں اُن کی خدمت کو انجام دیتا رہا۔
اس عرصہ میں ساٹھ مسئلے ایسے پیش ہوے کہ اُن کا حکم میں نے سُنا نہ تھا۔
اُن کا جواب تو دیدیا مگر وہ لکھ رکھا۔ جب وہ واپس تشریف لائے میں نے
وہ مسائل اور اپنے جوابات پیش کئے انہوں نے چالیس مسئلوں میں اتفاق کیا
اور بیس مسئلوں میں مخالفت کی اُس کے بعد میں نے قسم کہائی کہ اب اُن کے حلقہ کو کبھی
نہ چھوڑوں گا۔

اب غور کیجئے کہ تفقہ کیسی چیز ہے کہ امام صاحب کا وہ تبحر علمی اور اُسپر وہ خدا داد طبیعت
اور حافظہ فہم و فراست جسپر اکابر محدثین رشک کرتے تھے۔ باوجود اس کے دس
برس تک ایک محقق شفیق استاد سے سیکھتے رہے مگر ہنوز ایک ثلث کی کسر باقی
رہگئی پھر استاد کے انتقال تک اُنہی کی خدمت میں رہے اور اُن کے انتقال
کے بعد جب مسلمانوں کو ضرورت ہوئی تو جب بھی فتویٰ دینے پر جرأت نہیں کی

چنانچہ امام موفق رح نے لکھا ہے کہ جب حماد رح کا انتقال ہوا اور ان کے اصحاب
نے امام صاحب کو اُن کی جانشینی پر مجبور کیا تو امام صاحب نے قبول نہ کیا آخر
اس بات پر فیصلہ ہوا کہ اُن میں سے دس صاحب ایک سال تک امام صاحب
کے ساتھ رہ کر ہر مسئلہ کے فتویٰ میں تائید دیا کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا اس کے
بعد تدوین فقہ کی بنیاد ڈالی اور ایک مجلس ایسی قائم کی جس کے ارکین اہل حدیث تھے
رد المحتار میں لکھا ہے کہ تدوین فقہ کے وقت امام صاحب کے یہاں ایکہزار
علما کا مجمع تھا جن میں چالیس علما اس پایہ کے تھے کہ درجہ اجتہاد کو پہونچ گئے
تھے اُن سے آپ نے فرمایا دیکھو فقہ کو میں نے لگام تو لگادی ہے اور تمہارے
لئے زین بھی کس دی ہے اب تم میری مدد کرو پھر جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو اُن
سے مشورت کرتے اور جو کچھ اخبار و آثار اُن کو یاد ہوتے سُنتے۔ اور جو خود کو یاد
ہوتے بیان کرتے۔ پھر بعضے مسائل میں ایک ایک مہینے تک مناظرہ ہوتا۔
جب بالاتفاق وہ مسئلہ طے ہوجاتا تو ابو یوسف رح سے اُسکے لکھنے کو فرمادیتے
اس طرح اصول مدوّن ہوئے انتہیٰ۔

اب غور کیجئے کہ جو مسئلہ اتنی تحقیقات سے اور صدہا محدثین کے اتفاق سے
طے ہوتا تھا تو کیا ممکن ہے کہ مخالف قرآن و حدیث ہوتا ہوگا۔

سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے وکیع بن الجراح کے
حال میں لکھا ہے کہ ایک موقع پر وکیع کے پاس چند اہل علم جمع تھے کسی نے
کہا کہ اس مسئلہ میں ابو حنیفہ نے غلطی کی ہے وکیع بولے کہ ابو حنیفہ کیونکر غلطی کرسکتے ہیں
ابو یوسف و زفر قیاس میں یحیی بن زائدہ حفص بن غیاث۔ حبان۔ مندل حدیث

قاسم بن معن لغت و عربیت میں داؤد طائی فضیل بن عیاض زہد و تقوی میں۔ اس رتبہ کے لوگ جس شخص کے ساتھ ہوں وہ کہیں غلطی کر سکتا ہے اور اگر کرتا بھی تو یہ لوگ اُس کو کب غلطی پر رہنے دیتے۔

خ۔ ایک شخص نے وکیع سے کہا کہ ابو حنیفہ نے خطا کی انہوں نے جھڑک کر کہا جو شخص ایسی بات کہے وہ مثل جانوروں کے ہے بلکہ اُن سے بھی گمراہ تر اُن کے نزدیک ابو یوسف اور محمد جیسے آئمۂ فقہ تھے اور بہت سے آئمۂ حدیث اور بہت سارے آئمۂ لغت و عربیت اور فضیل اور داؤد طائی جیسے ائمہ زہد و ورع موجود تھے جس کے اصحاب ایسے ہوں وہ کبھی خطا نہیں کرتا اور اگر کی بھی تو اُس کو حق کی طرف وہ لوگ پھیر دیتے ہیں انتہی۔

کردری رہ نے اسی قسم کا قول ابن عکرمہ رض کا نقل کیا ہے "چند ماہرین فن حدیث و لغت وغیرہ کے نام جو لکھے ہیں صرف تمثیل کے طور پر ہیں ورنہ وہاں تو صدہا علماء کا مجمع ہمیشہ رہا کرتا تھا جس کا حال اوپر معلوم ہوا۔

یہ روایت اوپر لکھی گئی ہے کہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ میں ابو حنیفہ کی مجلس میں صبح و شام جایا کرتا تھا۔ ایک بار حیض کے مسئلہ میں گفتگو شروع ہوئی اور تین روز تک صبح و شام ہوا کی آخر تیسرے روز قریب شام اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا جس سے تمام اہل حلقہ کی مسرت اُس مسئلے کے طے ہونے پر سمجھی جاتی تھی" اس سے ظاہر ہے کہ جب تک اہل حلقہ کے دلوں میں اذعانی اور انشراحی کیفیت پیدا نہیں ہوتی تھی کوئی مسئلہ کتاب میں نہیں لکھا جاتا تھا۔

یہ روایت بھی اوپر لکھی گئی کہ ایک رات زفر رح نے بعد نماز عشا کسی مسئلہ میں اپنا شک

ظاہر کیا - امام صاحب نے جواب دیا مگر اُن کی تسکین نہ ہوئی اور مناظرہ طول کھینچا
یہاں تک کہ رات بھر مناظرہ ہوتا رہا آخر صبح امام صاحب ہی کے قول پر فیصلہ ہوا
اس سے ظاہر ہے کہ شاگردوں کو عام اجازت تھی کہ وقت بے وقت اپنے
شبہات رفع کرلیا کریں - اب غور کیا جائے کہ جب امام صاحب نے نہ صرف
خارج وقت درس بلکہ ایسے وقت میں کہ دنیا میں کوئی استاد شاگردوں
کے رفع شبہات کے لئے وہ وقت نہ دیگا - اُن کے شبہات کو رفع کیا تو خاص
وقت میں کس قدر وہ اس کام کی طرف متوجہ ہوتے ہوں گے اور کون شاگرد
ہوگا کہ ایسے شفیق استاد سے اپنے شبہات صاف نہ کرلیتا ہوگا - اس سے
صاف طور پر ظاہر ہے کہ مسائل فقہیہ میں جو جو شبہات مخالف حدیث کے محدثین کو ہونا
چاہئیے وہ سب امام صاحب کے حلقۂ درس میں پیش ہو چکے - اور اُن کے
جوابات معلوم ہونے کے بعد صدہا محدثین نے اُن کو مدوّن کرنیکی اجازت
دی ہے جس سے ثابت ہے کہ فقہ کا ہر ایک مسئلہ صدہا اساتذہ محدثین کے
اتفاق سے طے ہو چکا ہے -

م - امام مالک رح فرماتے ہیں کہ اسلام میں ابو حنیفہ کے ساٹھ ہزار قول ہیں انتہی
یعنی اتنے مسئلہ فقہ کے آپ نے لکھے ہیں یہ روایت نقل کرکے امام موفق رح
نے ایک ثقہ کا قول ذکر کیا ہے کہ تراسی ہزار مسئلے امام صاحب نے لکھے
ہیں جن میں اڑتیس ہزار عبادات میں ہیں - اور پینتالیس ہزار معاملات میں چونکہ
امام مالک رح امام وقت اور مرجع اہل حدیث تھے اور علاوہ اس کے آپ کی اقامت
مدینہ طیبہ میں تھی جہاں محدثین اور علما کا آنا ضروری ہے اسلئے امام صاحب کے

حلقۂ درس میں جو محدثین شریک رہتے تھے انسے بھی ملاقات ہوا کرتی تھی اُن کی زبانی مسائل فقہ کی تعداد جو بتواتر معلوم ہوئی اُس کی انہوں نے خبر دی اسی وجہ سے کوئی شک کا لفظ نہیں فرمایا اور نہ اس امر سے انکار او نفرت ظاہر کی۔ یہ بات قابل تصدیق ہے کہ اگر یہ مسائل فقہیہ جس کی خبر امام مالک رح نے دی ہے اگر خلاف قرآن وحدیث ہوتے تو ان کا فرض تھا کہ کھلے طور پر کہدیتے کہ وہ سب خلاف قرآن وحدیث ہیں اور کم سے کم اپنی نارضامندی تو اُس سے ظاہر کرتے۔ مگر نارضامندی کیسی وہ تو امام صاحب کے اقوال کو نہایت قدرت کی نظر سے دیکھتے تھے چنانچہ امام موفق رح نے مناقب میں لکھا ہے کہ محمد بن عمر الواقدی کہتے ہیں کہ امام مالک رح اکثر ابو حنیفہ رح کے اقوال کی تلاش کیا کرتے اگرچہ ظاہراً بیان نہ کرتے مگر اکثر اُن اقوال کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے" انتہیٰ۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر اُن کے اور امام صاحب کے اقوال میں مطابقت یا مناسبت ہوا کرتی ہے جیسا کہ کتب فقہ سے ظاہر ہے۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ امام صاحب کے تلامذہ نے امام صاحب سے جو اختلاف کیا ہے اُس کی کیا وجہ اُس کا جواب موفق رح نے مناقب میں لکھا ہے کہ سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ جن مسائل میں ابو یوسف رح نے امام صاحب کا خلاف کیا ہے اُس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے امام صاحب کے اقوال کی وجہیں نہیں سمجھی انتہیٰ۔ فی الحقیقت امام صاحب کی نظر نہایت غامض تھی۔ چنانچہ پیشتر اس کا حال معلوم ہوا۔ اور امام ابو یوسف رح خود بھی کہتے ہیں کہ جس مسئلہ میں میرا

اور امام صاحب کا قول موافق ہوگیا تو میرے دل میں قوت اور نور پیدا ہوتا تھا اور جس مسئلہ میں اُن کے قول کو چھوڑ دیا تو دل میں ضعف اور شک پہاڑ و نکے برابر رہتا تھا۔ خالد بن صبیح رح کہتے ہیں کہ یہ بات میں نے خود ابو یوسف رح سے سُنی ہے ذکرہ الامام الموفق فی المناقب۔

قرائن پر غور کرنے سے اس اختلاف کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ جن مسائل کی تحقیق کے وقت وہ غیر حاضر رہے اور امام صاحب کی تقریر اُن مسائل میں نہیں سُنی اُن میں غور اور اجتہاد کرنے کی اُن کو ضرورت ہوئی ورنہ تقریر اگر سُن لیتے تو خود حالت اذعانی اور انکشافی پیدا ہو جاتی۔ جس کے بعد اجتہاد کرنیکی ضرورت ہی نہ رہتی۔ کیونکہ وہاں یہ قاعدہ ٹھہرا ہوا تھا کہ جب تک کوئی مسئلہ پورے طور پر طے نہ ہو جاتا لکھنے کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے بعض مسائل میں ایک ایک مہینے تک مناظرے ہوتے رہتے۔ اور اثنائے مناظرہ میں کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ امام صاحب اپنے قول سے رجوع کر جاتے تھے مگر آخری تقریر جس پر فیصلہ کا انحصار تھا ایسی ہوا کرتی تھی کہ اُس کے مقابلہ میں کوئی سر اُٹھا سکتا۔ بلکہ سب کے دلوں میں اُس سے ایک انبساطی کیفیت پیدا ہوتی جس کے بے اختیار نعرۂ اللہ اکبر بلند ہوتا تھا۔

الغرض جب تمام اہل حلقہ اُس کو تسلیم کر لیتے اُسوقت امام صاحب اُس کو لکھنے کا حکم دیتے۔ یہ بات ہرگز قرین قیاس نہیں کہ امام ابو یوسف رح جیسے شخص کسی مسئلہ میں اپنا شک بیان کرتے رہیں اور امام صاحب اُسپر توجہ نہ کرکے اُس مشکوک مسئلہ کو طے شدہ مسئلوں میں تصور کر لیتے ہوں گے۔ پھر طرفہ یہ کہ امام صاحب

ابو یوسف رح ہی کو طے شدہ مسائل لکھنے کو کہا کرتے تھے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اگر اُن کو کسی مسئلہ میں شک رہجاتا تو کہدیتے کہ حضرت خود مجھی کو ابھی اب تک شک باقی ہے پھر اُس کو طے شدہ مسائل میں کیونکر لکھوں۔ بہرحال یہ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ ابو یوسف رح کسی مسئلہ کی تحقیق میں شریک رہے ہوں اور اُن کو شک رہ گیا ہو ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض مسائل کی تحقیق میں وہ شریک نہ ہو سکے کیونکہ تدوین فقہ سالہاسال ہوتی رہی اس مدت مدیدمیں باالتزام ہر روز صبح سے شام تک حاضر رہنا تقریباً ناممکن تھا۔ اس غیر حاضری کے زمانہ میں جو مسائل طے ہو گئے تھے اُن میں اُن کو اجتہاد کرنے کی ضرورت تھی کیونکہ وہ بھی آخر مجتہد تھے پھر امام صاحب کے جن اقوال کی وجہ اُن کی سمجھ میں نہ آئی مجبوراً انہوں نے اُن میں خلاف کیا۔

اگرچہ مقتضائے قیاس یہ تھا کہ حنفی المذہب کو صرف ابو حنیفہ رح کی اتباع چاہئے ابو یوسف رح کا قول ماننے کی کوئی ضرورت نہیں مگر چونکہ ابو یوسف رح امام صاحب کے اعلیٰ درجہ کے شاگرد ہیں۔ اور انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ اپنا ذاتی کوئی قول نہیں بلکہ امام صاحب کے کسی قول کو اختیار کر لیتے ہیں اسلئے اُن کی اتباع بھی امام صاحب ہی کی اتباع ہے چنانچہ ردالمختار میں لکھا ہے۔ وفی اٰخر الحاوی القدسی واذا اخذ بقول واحد منہم یعلم قطعاً انہ یکون اخذ بقول ابی حنیفہ فانہ روی عن جمیع اصحابہ من الکبار کابی یوسف وزفر والحسن انہم قالوا ما قلنا فی مسئلۃ قولا الا وہو روایتنا عن ابی حنیفہ واقسموا علیہ ایماناً غلاظاً۔ دیکھئے جب ابو یوسف رح وغیرہ تلامذۂ امام صاحب سخت سخت قسمیں کہا کر کہتے ہیں کہ

کوئی قول اُن کا ذاتی نہیں بلکہ وہ بھی امام صاحب ہی کے قول ہیں تو ان حضرات کی اتباع سے حنفی شخص حنیفیت سے خارج نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ جو قول امام صاحب کی طرف منسوب ہے وہ مرجوع عنہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ جب ایک مسئلہ میں متعدد قول امام صاحب کے مروی ہوں تو قطعی طور پر مفتیٰ بہ قول معلوم کرنا ہر شخص کا کام نہیں اسلئے فقہائے حنفیہ میں جو اصحاب الترجیح سمجھے گئے ہیں انہوں نے جس روایت کو مفتیٰ بہ کہدیا وہی امام صاحب کا مفتیٰ بہ قول سمجھا جائیگا جس سے تقلید شخصی امام صاحب کی ثابت ہو گی۔ اس مقام میں صاحب ردالمحتار نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جو قول امام صاحب کا ظاہر الروایہ سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہے اسلئے ابو یوسف وغیرہ کے اقوال پر عمل جائز نہ ہونا چاہئے اسلئے کہ ہم حنفی ہیں یوسفی وغیرہ نہیں پھر اُس کا یہ جواب دیا ہے کہ امام صاحب نے اُن صاحبوں کو اجازت دی تھی کہ جو قول اپنی دانست میں سوجہ پائیں اُسی پر عمل کریں۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اذا صح الحدیث فہو مذہبی اس وجہ سے ان حضرات نے جس قول کو مطابق حدیث پایا اُسپر عمل کیا اس صورت میں ظاہر الروایہ سے خارج اقوال بھی من جمیع الوجوہ مرجوع عنہ نہ ہوئے اور اُن کی اتباع سے ہماری حنفیت میں فرق نہ آئیگا انتہیٰ ملخصًا۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ظاہر الروایہ کے کسی قول سے امام صاحب نے رجوع کیا ہی نہیں۔ ابو یوسف رح صاحب نے ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے تو بھی ابو یوسف رح حنفیت سے خارج نہیں ہو سکتے اسلئے کہ اگرچہ مجتہد بھی ہیں تو مجتہد فی المذہب ہیں مجتہد مطلق نہیں۔ کیونکہ جو قواعد اجتہاد امام صاحب نے

قرار دیئے ہیں وہ اُن سے خارج نہیں ہو سکتے تھے اسلئے اصحاب الترجیح اگر امام ابو یوسف کے قول پر مثلاً فتوی دیں تو وہ بھی دراصل امام صاحب ہی کا قول سمجھا جائیگا۔

یہ بات یاد رہے کہ اذا صح الحدیث فہو مذہبی کا مطلب یہہ نہیں ہے کہ صرف اسناد کی صحت کافی بلکہ کسی حدیث پر عمل کرنیکے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ وہ حدیث منسوخ نہ ہو حالانکہ منسوخ حدیث کی اسناد صحیح بھی ہوا کرتی ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ قرآن کے یا قیاس صحیح کے معارض نہ ہو جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیث من قال لا الہ الا اللہ پر عمل نہیں کیا اسوجہ سے کہ قیاس صحیح کے معارض تھی۔

غرضکہ آخری زمانہ والے امام صاحب کے اس قول سے نفع نہیں اُٹھا سکتے اسلئے کہ جب تک آدمی مجتہد نہ ہو تمامی ضروری امور کی پابندی کر کے حدیث سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں کر سکتا۔

تقریر بالا سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امام صاحب نے صدہا محدثین کے مجمع میں ہزارہا مسئلہ فقہ کے قرآن و حدیث سے استنباط کئے اور اُن کے اتفاق آرا سے فن فقہ کو مدوّن کیا۔ اب ہم چند اقوال اکابر محدثین کے نقل کرتے ہیں جو فقہ حنفیہ کے باب میں وارد ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ محدثین رحمہم اللہ کتب فقہ کو کس وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

توقیر کتب فقہ

ھک عبداللہ بن داؤد الخریبی کہتے ہیں کہ جو شخص چاہے کہ جہل کی ذلت سے نکل کر فقہ حاصل کرے اُس کو چاہیئے کہ ابو حنیفہ کی کتابوں کو دیکھے۔

دیکھئے انہوں نے فقہ حنفیہ کو علم اور اس کے نہ جاننے کو جہل قرار دیا۔

ک حرملہ کہتے ہیں کہ امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ جو شخص ابوحنیفہ کی کتابیں نہ دیکھے اس کو فقہ میں تبحر نہیں ہو سکتا۔

سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ امام شافعی رح ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں نے امام محمد رح سے ایک بار شتر علم حاصل کیا ہے" اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے کم نظروں کو اس روایت سے تعجب ہوگا اور وہ اسکو حنفیوں کی من گھڑت سمجھیں گے مگر ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ علامہ نووی نے جو مشہور محدث ہیں اس روایت کی تصدیق کی ہے دیکھو تہذیب الاسما واللغات نووی ترجمہ امام محمد کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ ابی عبید قاسم بن سلام امام شافعی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جو فقہ سیکھنا چاہئے تو ابوحنیفہ کے اصحاب کی صحبت اختیار کرے خدا کی قسم میں صرف ابوحنیفہ کی کتابوں کے مطالعہ سے فقیہ ہوا۔ اگر ان کا زمانہ میں پاتا تو ان کی مجلس کو کبھی نہ چھوڑتا

م ص۔ عبداللہ بن مبارک نے ایک روز یہ روایت بیان کی حدثنا زائدۃ عن ہشام عن الحسن قال انظروا ممن تاخذون ہذا الحدیث فانہ دینکم یعنی حسن بصری نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ حدیث کو دیکھ سمجھ کے لیا کرو کیونکہ وہ تمہارا دین ہے۔ ابن مبارک یہ روایت بیان کر کے کہا کہ جب حدیث کو ثقہ سے لینے کی ضرورت ہے تو رائے تو بطریق اولیٰ ثقہ سے لیجائے۔ پھر کہا جب کوئی ثقہ تم سے ابوحنیفہ کا قول بیان کرے تو اس کو معتبر سمجھو۔

دیکھئے ابن مبارک رح نے فقہ کو کس قدر مہتم بالشان سمجھا کہ اس کو بھی مثل حدیث کے

ثقہ سے لینے کی ضرورت بیان کی۔

ص ابواسحٰق کہتے ہیں کہ مجھے اُن لوگوں پر رحم آتا ہے جنکو ابوحنیفہ کے علم سے کچھ نصیب نہ ہوا۔ یہ وہی لوگ ہیں جو فقہ سے عاری ہیں۔

م عبدالعزیز بن خالد الصفانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ کی کتابیں اُن سے پڑھیں اور بعد فراغت میں اُنسے پوچھا کیا ان کتابوں کی روایت آپ سے کروں آپ نے اُس کی اجازت دی میں نے کہا کیا سمعت کا لفظ بھی کہوں فرمایا سمعت اور حدثنی اور اخبرنی سب کے ایک معنی ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ فقہ کی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھی جاتی تھیں اور مثل حدیث انکی روایت کی جاتی تھی۔

م حفص بن غیاث کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ سے اُن کی کتابیں پڑھیں۔ اور آثار سنے کسی شخص کو اُنسے زیادہ ذکی پایا نہ اُن امور کا عالم جو احکام کے باب میں فاسد اور صحیح ہیں۔

م ک یحیٰی بن اکثم کہتے ہیں کہ وہب بن جریر سے میں نے سُنا ہے وہ کہتے تھے کہ میرے والد جریر بن حازم ابوحنیفہ کی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب مجھے دیا کرتے اور وہ اُن لوگوں میں ہیں جو امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھا کرتے تھے۔

جریر بن حازم کا حال تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ تابعی ہیں۔ حماد بن سلمہ جن کی جلالت شان محدثین پر پوشیدہ نہیں سب سے زیادہ اُن کی تعظیم کرتے تھے اور شعبہ استفادہ کی غرض سے اُن کے یہاں آیا کرتے۔ امام احمد کہتے

ہیں کہ وہ صاحب سُنّت تھے۔

اب غور کیجئے کہ ایسے جلیل القدر امام صاحبِ سنّت جب خود امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھتے ہوں اور اپنے فرزند کو اُن کی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہوں تو فقہ حنفیہ کو کس قدر موثق کہنا چاہئے۔ اور یہ بات مکرر معلوم ہو چکی کہ امام صاحب کا استدلال قرآن وحدیث سے ہوتا تھا اسلئے کسی کو چوں وچرا کی گنجایش نہ ہوتی بلکہ اُس سے ایک اذعانی اور انشراحی کیفیت دلوں میں پیدا ہوتی تھی اس قرینہ سے اگر جریر کو حنفی المذہب کہیں تو بھی بے اصل و بیموقع نہ ہوگا۔

اب اگر جریر جیسے جلیل القدر تابعی کا قول وفعل بھی قابل اعتبار نہ سمجھا جاے تو اُس کا علاج نہیں۔

ک محمد بن داؤد کہتے ہیں کہ میں ایک بار عیسٰی بن یونس کے پاس گیا دیکھا کہ ابوحنیفہ کی کتابیں اُنکی روبرو رکھی ہیں اور وہ پڑھ رہے ہیں میں نے کہا کیا آپ اُن سے روایت کرتے ہیں کہا میں اُن کی زندگی میں اُن سے راضی تھا کیا انتقال کے بعد ناراض ہوجاؤں۔

مک معروف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار علی بن عاصم کے یہاں تھا انہوں نے اپنے شاگردوں سے کہا تم لوگ علم اور فقہ سیکھو ہم نے کہا کیا آپ سے جو ہم سیکھتے ہیں وہ علم نہیں فرمایا اگر علم پوچھو تو ابوحنیفہ کا علم ہے۔ اور لکھا ہے کہ علی بن عاصم کو امام صاحب کے ساتھ ایسا خلوص تھا کہ طالبعلموں کو جب منظور ہوتا کہ اُن کو خوش کریں۔ تو امام صاحب کا ذکر چھیڑ دیتے وہ نہایت خوشی سے بہت سے حالات اور واقعات امام صاحب کے بیان کرتے

اُن کا قول ہے کہ اگر ابوحنیفہ کے علم کے ساتھ اُن کے تمام زمانہ والوں کا علم تولا جائے تو انہی کا علم وزن میں غالب ہوگا" اور یہ بھی فرماتے کہ جو شخص ابوحنیفہ کے اقوال کو نہ دیکھے وہ جہل کی وجہ سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیگا۔ اور گمراہ ہو جائے گا" انتہیٰ۔

تذکرۃ الحفاظ میں علی بن عاصم کی تعریف میں لکھا ہے "الامام الحافظ کان من اہل الدین والصلاح والخیر البارع شدید التقویٰ۔

دیکھئے ایسے دیندار متقی امام المحدثین جب یہ فرمارہے ہیں کہ العلم علم ابی حنیفہ اور جو شخص فقہ نہ پڑھے وہ گمراہ ہے تو فقہ حنفیہ کس قدر قابل وثوق ہوئی کیا ممکن ہے کہ ایسے متقی حضرات ایسی چیز کی تعریف کئے ہوں جو خلاف قرآن وحدیث ہو پھر جب فقہ حنفیہ کے ترک کرنے کو وہ باعث ضلالت کہتے ہیں۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام صاحب کے مقلد تھے۔

م ک محمد ابن سعدان کہتے ہیں کہ میں اور یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی اور احمد بن حنبل اور زہیر بن حرب وغیرہ محدثین یزید بن ہارون کے یہاں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے اُن سے کوئی مسئلہ پوچھا انہوں نے فرمایا کہ اہل علم کے یہاں جاؤ علی بن مدینی نے کہا کیا وہ آپ کے پاس نہیں آئے یعنی آپ خود اہل علم میں ہیں فرمایا اہل علم اصحاب ابی حنیفہ ہیں اور تم لوگ عطار ہو" اس سے ظاہر ہے کہ عمل کرنے کے لئے وہ فقہ ہی کو خصوصاً فقہ حنفیہ کو ضروری سمجھتے تھے اور حدیث کا کتنا ہی سرمایہ ہو اُن کی دانست میں فتویٰ کے لئے کافی نہ تھا۔

م۔ ابو مسلم نے یزید بن ہرون سے پوچھا کہ ابو حنیفہ اور اُن کی کتابوں کے باب میں آپ کیا فرماتے ہو۔ کہا اگر تم چاہتے ہو کہ فقاہت اور سمجھ حاصل ہو تو اُن کی کتابوں کو دیکھو میں نے کسی فقیہ کو نہیں دیکھا کہ اُن کے اقوال کے دیکھنے کو مکروہ سمجھا ہو سفیان ثوری نے اُن کی کتاب الرہن کو تدبیر سے حاصل کرکے اسکی نقل لی۔

دیکھئے اُس زمانہ کے فقہا جو اعلیٰ درجہ کے محدث ہوا کرتے تھے جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ وغیرہ کتب رجال سے ظاہر ہے اگر فقہ حنفیہ کو مخالف احادیث پاتے تو اُسکے مطالعہ سے روکنا اُن کا فرض تھا حالانکہ بجائے روکنے کے اُس کے مطالعہ کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

م ک ص یزید بن ہارون سے کسی نے پوچھا آدمی کب فتویٰ دینے کے لایق ہوتا ہے کہا جب ابو حنیفہ کے جیسا ہو پھر فرمایا کہ اُن کی کتابوں اور علم سے آدمی مستغنی نہیں ہوسکتا۔ اُنسے آدمی کو سمجھ پیدا ہوتی ہے"

سابقاً یہ معلوم ہوا کہ یزید بن ہارون کو حدیثیں اس کثرت سے یاد تھیں کہ اس باب میں وہ ضرب المثل تھے اُن کے تلامذہ کی یہ کثرت تھی کہ اُن کا شمار نہیں ہوسکتا اُن کے حلقۂ درس میں کم و بیش ستر ہزار طالبین حدیث جمع رہتے تھے۔ اور اُن کے تدین کی یہ کیفیت تھی کہ خلیفہ وقت اُن کے خوف سے ایک بات خلاف حدیث شائع نہ کرسکا۔ اب غور کیا جاے کیا ممکن ہے ایسے جلیل القدر راست باز مرجع خلایق امام المحدثین نے امام صاحب کے علم یعنی فقہ کی تعریف کسی کے خوف یا رعایت سے کی ہوگی۔ خلیفہ وقت نے

تو انہوں نے صاف کہلا دیا کہ غیر معروف بات کو رواج دینا جائز نہیں جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ میں ہے اور فقہ کی نسبت فرما رہے ہیں کہ علم پوچھو تو وہی ہے اور محدثین کو اُس سے بہرہ نہیں اور فقہ کی کتابیں دیکھنے کی ترغیب دے رہے ہیں اور کسی نے پوچھا تک نہیں کہ حضرت فقہ تو بدعت اور ابو حنیفہ کی رائے ہے جس پر عمل کرنے سے آدمی مشرک بنجاتا ہے اُسی کو آپ علم کہہ رہے ہو۔ پھر یحییٰ بن معین رح جیسے محدث کو جو جرح و تعدیل میں نہایت متشدد شخص ہیں صاف کہدیا کہ تم لوگ عطار ہو اور وہ دم نہ مار سکے بلکہ وہ بھی ہمیشہ امام صاحب کے مداح ہی رہے یہاں تک کہ اُن کے اقوال کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفی المذہب تھے کیا اتنے قراین کے بعد بھی کوئی منصف مزاج کہہ سکتا ہے کہ فقہ حنفیہ مخالف قرآن و حدیث ہے

ک محمد بن یزید کہتے ہیں کہ میں عامر رح کے یہاں اکثر جایا کرتا تھا ایکبار انہوں نے کہا کیا تم نے ابو حنیفہ کی کتابیں بھی دیکھی ہیں میں نے کہا میں حدیث طلب کر رہا ہوں مجھے اُن کی کتابوں سے کیا مطلب فرمایا میں ستر سال آثار طلب کرتا رہا مگر جب تک ابو حنیفہ کی کتابیں نہیں دیکھیں اچھی طرح استنجا کرنے کا طریقہ بھی مجھے معلوم نہ ہوا۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اکابر محدثین فقہ حنفیہ کو کس قدر ضروری سمجھتے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ امام صاحب کے مقلد تھے۔

ک عطیہ بن اسباط کہتے ہیں کہ ابن مبارک جب کوفہ کو آتے تو زفر رح سے امام صاحب کی کتابیں مستعار لیکر اُن کی نقل لیتے ایسا کئی بار اتفاق ہوا۔

اُن سے پوچھا گیا کہ امام مالک افقہ ہیں یا ابو حنیفہ فرمایا ابو حنیفہ تمام روے زمین کے لوگوں سے افقہ ہیں انتہی۔

ابن مبارک رح جو بار بار امام صاحب رح کی کتابوں کی نقل لیا کرتے تھے اِس سے ظاہر ہے کہ اُس زمانہ میں فقہ کی کتابیں بڑی وقعت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تہیں۔ اور باوجودیکہ وہ مدتوں امام صاحب کی صحبت میں رہ چکے تھے مگر امام صاحب کے علوم سے اُن کو سیری نہ ہوئی اور فقہ کی کتابوں کے شیدا تھے۔

م۔ عبدالرحمن بن مہدی رح کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ علما میں قاضی القضاۃ ہیں۔ عبدالرحمن بن مہدی وہ شخص ہیں کہ امام ذہبی رح نے اُن کو حافظ الکبیر و العلم الشہیر لکھا ہے اور امام احمد رح کا قول نقل کیا ہے کہ وہ یحیٰی بن قطان سے بہی افقہ ہیں۔ اور لکھا ہے کہ ابن مدینی قسم کہا کر کہا کرتے تھے کہ اُن کا مثل میں نے نہیں دیکھا جب ایسے جلیل القدر محدث نے امام صاحب کو قاضی القضاۃ علما کے زمرہ میں قرار دیا تو علما کے اختلافی مسائل میں اُن کا فیصلہ قابل نفاذ سمجھا جائیگا۔ اسی فیصلہ کو حنفیہ نے اپنا دستور العمل قرار دیا اب اِس فیصلہ پر طعن کرنا اہل حدیث کی شان سے بعید ہے۔

م۔ یحیٰی بن آدم کہتے ہیں کہ حسن بن صالح ابن حی الہمدانی کے روبرو ابو حنیفہ کے واقعات اور مسائل فقہیہ بیان کئے جاتے تو وہ اُن کی تحسین کیا کرتے تھے **تہذیب التہذیب** میں لکھا ہے کہ حسن بن صالح بڑے متقی اور فقیہ اور زاہد شخص تھے اُن کے مزاج میں اس شدت کی احتیاط تھی کہ حکام کے

فسق و فجور کی وجہ سے جمعہ کی نماز درست نہیں سمجھتے تھے۔ عبداللہ بن داود الخریبی کہتے ہیں کہ کسی مسجد میں میں امامت کیا کرتا تھا ایک روز میں نے ابو حنیفہ کی تعریف کی جب نماز کے لئے کھڑا ہوا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کے مصلّے سے ہٹا دیا۔ لکھا ہے کہ اس واقعہ سے پیشتر خریبی رح حسن بن صباح کی تعریف کیا کرتے تھے اور اس کے بعد نہ انہوں نے اُن کی تعریف کی نہ اُن سے روایت کی بلکہ بدعا کیا کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں وہ مخالفوں کے کہنے سننے سے امام صاحب کے سخت مخالف تھے پھر جب واقعی حالات امام صاحب کے اُن کو معلوم ہو گئے تو بجائے مخالفت فقہ حنفیہ کی تحسین کرنے لگے جس کی گواہی یحیٰی بن آدم دے رہے ہیں۔ کیوں نہ ہو وہ خود فقیہ اور مجتہد تھے جیسا کہ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے التعلیق المجد میں مولانا عبدالحی رح نے انساب سمعانی سے امام احمد بن حنبل رح کا قول نقل کیا ہے کہ جس مسئلہ میں تین شخصوں کا اتفاق ہو تو اُن کی مخالفت سننے کے قابل نہیں کسی نے پوچھا تین شخص کون فرمایا ابو حنیفہ اور ابو یوسف اور محمد بن الحسن رح "

م - ابو نمیلہ کہتے ہیں کہ محمد بن طلحہ نے مجھ سے کہا کہ جب تم ابو حنیفہ کا قول کسی ثقہ سے پاؤ تو اُس پر اعتماد کرو کیونکہ اُن کا جو قول ہوتا ہے وہ نہایت پختہ ہوتا ہے۔ یہ کتب فقہ جو ہمارے ہاتوں میں ہیں امام صاحب ہی کے پختہ اقوال ہیں جو ثقات کے ذریعہ سے ہم تک پہونچے ہیں

م ص یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کا مثل اُن کے فن یعنی فقہ میں

متقدمین میں بھی کوئی سنا نہیں گیا اُن کے اقوال کو وہی شخص دوست رکھتا ہے جو ذکی ہو اور وہی اُن کو ضبط کرتا ہے جو ذی فہم ہو۔"

فقہاے حنفیہ کا ذکی اور ذی فہم ہونا اور فقہ حنفیہ محبوب القلوب ہونا ایسے جلیل القدر امام المحدثین کے ارشاد سے ثابت ہوا ان روایتوں سے فقہ حنفیہ کی توثیق صراحۃً ثابت ہے ان کے سوا جتنی روایتیں امام صاحب کی تفقہ کی تعریف وتوصیف میں وارد ہے جو بکثرت منقول ہیں جن میں سے اکثر لکھی گئیں وہ سب کتب فقہ کی توثیق پر دال ہیں کیونکہ اس تفقہ کا نتیجہ علم فقہ اور کتب فقہیہ ہیں۔

م ک۔ ابو عبدالرحمن مقری کہتے ہیں کہ جو لوگ فقہ اور اس کی فضیلت اور تقدم کو نہیں جانتے وہ زندہ نہیں بلکہ مردے ہیں۔"

غرضکہ اکابر محدثین نے فقہ حنفیہ کی توثیق وتحسین کی اور اُسکو سبقاً سبقاً پڑھا اور اُسکے مطالعہ کی ترغیبیں دیں۔ اور فرمایا گئے کہ اگر علم ہے تو وہی فقہ ہے جہل سے نکلنے کے لئے اُس کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اُسکے بغیر تبحر حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ اُس سے کوئی مستغنی نہیں ہو سکتا۔ بغیر اسکے کوئی مسئلہ پورے طور پر معلوم نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ استنجا کرنا۔ اور نہ حلال وحرام اور حق وباطل میں بغیر اُسکے آدمی تمیز کر سکتا ہے اور اُسی کو اختلافی مسائل میں قول فیصل قرار دیا اور اُسپر اجماع ہونے کی خبریں دیں۔

اب غور کیجئے کہ ایسے مُستند چیز کی نسبت آخری زمانہ والوں کا یہ کہنا کہ فقہ مخالف حدیث ہے کس قدر بے باکی ہے۔ یہ بات ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتی ہے

کہ مخالفت حدیث تو وہ شخص جانے جس کو احادیث کا مطلب اور مواقع استدلال معلوم ہوں۔ اور جب اعمش اور اوزاعی جیسے اکابر شیوخ محدثین نے اپنے قصور فہم کا اعتراف کرکے امام صاحب سے صاف کہدیا کہ یہ آپ ہی کا کام ہے ہم سے نہیں ہو سکتا۔ تو آخری زمانہ کے مولوی چند کتابیں پڑھ کر اور اُن کا لفظی ترجمہ کرکے فقہ کو مخالف حدیث بتائیں تو یہ کس قسم کی بات ہوگی امیر المومنین فی الحدیث تو فرما رہے ہیں کہ احادیث کے لئے ابوحنیفہ کی ضرورت ہے یعنی فقہ کی اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ فقہ کے لئے ہماری ضرورت ہے کہ کونسا مسئلہ موافق حدیث ہے اور کونسا مخالف تاکہ اُسکی تنقید کریں۔

اگر اہل انصاف غور فرمائیں تو بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ جب اکابر محدثین نے رد و قدح تحقیق و تنقید کے بعد فقہ کو تسلیم کرلیا تو اب از سرنو اس امر کی تحقیق کہ کونسا مسئلہ موافق حدیث ہے اور کونسا مخالف،، تکلیف مالا یطاق ہے۔ اِسلئے کہ ہر مسئلہ کی تحقیق امام صاحب نے محدثین کے ایسے مجمع میں کی کہ جسمیں تمام روے زمین کے محدثین کا سرمایہ حدیث موجود تھا اور ایک ایک مسئلہ میں کئی کئی روز بحث ہوتی رہی جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ اب وہ سرمایہ حدیث کہاں۔ اُس کو تو خود محدثین نے کھو دیا۔ اور موقع استدلال اور طریقہ استخراج جو خاصہ امام صاحب کا تھا اُس کو جاننے والا کون ہے۔ اور ہر مسئلہ میں جو مناظرہ ہوتا تھا وہ قلمبند تو ہوا ہی نہیں جس سے تمام دلیلیں بالتفصیل معلوم ہوں بلکہ طے ہونے کے بعد صرف حکم لکھدیا جاتا تھا۔

پھر ہر مسئلہ کی دلیلیں معلوم ہونے کی کیا صورت۔ مقلدوں سے اس وقت دلائل
طلب کرنا انکو مجتہد قرار دینا ہی ظلم اور تکلیف مالا یطاق ہے۔ اگر اسوقت مخالفین
اسلام مسلمانوں سے کہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کے
ثابت کرنیکی غرض سے شق القمر وغیرہ معجزے دکھلائے ہیں تو تم بھی وہی
معجزے دکھلاؤ تاکہ ہم بھی ایمان لائیں تو کیا اُن کا یہ قول قرین انصاف ہوگا۔
ہرگز نہیں۔ ہم اُن کے جواب میں یہی کہیں گے کہ معجزے دکھانا نبی کا کام
ہے سو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزارہا معجزے دکھلاکر ایک لاکھ
سے زیادہ کافروں کو مسلمان بنایا ہمارے لئے یہی حجت کافی ہے کہ اُن
لاکھ مسلمانوں سے کروڑہا مسلمانوں نے اسلام حاصل کیا جو ہم تک بتواتر
پہونچا ہے۔ اسیطرح فقہی مسائل کی دلائل طلب کرنے والوں سے ہم یہی
کہیں گے کہ دلائل قائم کرنا امام مجتہد کا کام ہے سو ہمارے امام نے
بفضلہ تعالیٰ اکابر محدثین کے مجمع میں دلائل قائم کرکے اُن کو سنوادیا۔ اور
احکام خدا و رسول پہونچا کر راہی ملک بقا ہوئے۔ اب ہمارا کام یہی ہے
کہ جو احکام بتواتر ہم تک پہونچے ہیں یعنی ہزارہا کتب فقہ گواہی دے رہے
ہیں کہ وہ امام صاحب کے اقوال ہیں اُن کو تقلیداً مان لیں ہم امتی مقلدوں
کو نہ معجزے دکھلانے کی ضرورت ہے نہ دلائل قائم کرنے کی احتیاج
اسپر بھی فقہانے رہی سہی حدیثوں سے بہت کچھ استدلال پیش کردئے
ہیں۔ جو مقلدوں کے مزید اطمینان کیلئے کافی ہیں۔
الحاصل امام صاحب کا تبحر علمی اور قوت اجتہادی۔ اور سب سے زیادہ

احادیث احکام کو جاننا اور محدثین کے مقابلہ میں مسائل کا طے ہونا۔ اور ان کے اقوال میں احادیث کے مضامین محفوظ ہوجانا۔ اور ان کا قول پختہ اور قابل قبول ہونا جب اکابر محدثین کی شہادتوں سے ثابت ہوگیا تو ان حضرات کے صدق بیانی کے اعتماد پر ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ امام صاحب کا کوئی قول مخالف حدیث نہیں اور بعضے اقوال جو ظاہراً مخالف حدیث معلوم ہوتے ہیں وہ دراصل مخالف نہیں۔

اب اور سنئے تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رح نے ابن المدینی رح کا قول نقل کیا ہے کہ اکثر احادیث صحیحہ کے اسنادوں کا مدار ابن شہاب اور عمرو بن دینار اور قتادہ۔ اور یحییٰ بن کثیر۔ ابو اسحٰق اور اعمش رحمہم اللہ پر ہے پھر اِن حضرات کا علم امام مالک۔ اور ابن اسحٰق اور ابن جریج اور ابن عیینہ اور سعید بن عروبہ۔ اور حماد بن سلمہ۔ اور ابو عوانہ۔ اور شعبہ۔ اور سفیان ثوری۔ اور اوزاعی۔ اور ہشیم رحمہم اللہ کی طرف منتقل ہوا۔ پھر اونکا علم یحییٰ بن قطان اور یحییٰ بن ذکریا۔ اور ابی زائدہ اور وکیع رحمہم اللہ کی طرف منتقل ہوا۔ پھر اونکا علم ابن مبارک اور ابن مہدی اور یحییٰ ابن آدم میں آیا حاصل یہ کہ ہر طبقہ کا علم یعنی صحیح صحیح حدیثیں منتقل ہوتی ہوئی۔ ابن مبارک۔ اور یحییٰ ابن ادم اور ابن مہدی رح کو پہونچیں۔ اور آپ نے دیکھ لیا کہ ان تینوں حضرات نے امام صاحب کی کیسی کیسی تعریفیں کر کے فقہ کی توثیق کی اور علاوہ اونکے مذکورہ طبقات کے اساتذہ بھی امام صاحب کے مداح اور اُن کے اجتہاد اور تفقہ کو مانتے رہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب صحیح روایتوں کا مدار انہی حضرات پر ہے تو صحاح ستہ کا مدار انہی کی

روایتوں پر ہوا۔

غرضکہ ان حضرات کی گواہیوں سے یہ تو یقیناً ثابت ہوگیا کہ فقہ احادیث کے بڑے حصہ کے تو مخالف نہیں ورنہ یہ حضرات بجائے تعریف امام صاحب کی شکایت کرتے
اب رہا صحیح حدیثوں کا چھوٹا جو حصہ صحاح ستہ کے سوا دوسری کتابوں میں منقول ہے سو دوسرے محدثین کی گواہی سے یہ ثابت ہے کہ فقہ اُسکے بھی مخالف نہیں ورنہ وہ حضرات جن کے اسمائے گرامی کی فہرست لکھی گئی بجائے تعریف شکایت کرتے۔ ان محدثین کی توثیق سے بھی فقہ کا موافق احادیث ہونا ثابت ہوگیا۔

تلقیح میں ابن جوزی رح نے لکھا ہے کہ خزان علم یعنی حدیث کے خزانہ دار چھ شخص ہیں۔ اعمش۔ امام مالک۔ اوزاعی۔ مسعر بن کدام۔ شعبہ اور ثوری رحمہم اللہ اور ابھی معلوم ہوا کہ یہ تمام حضرات امام صاحب کے تفقہ کے قائل اور مداح اور بعض تو مقلد رہے ہے جس سے فقہ کی توثیق بخوبی ہوگئی اسلئے کہ ان خزانہ داران حدیث کی جانچ میں جب تک فقہ موافق حدیث ثابت نہ ہوئی ہو ممکن نہیں کہ خلاف واقع اس کی تعریف و توصیف کرکے صرافان حدیث کی نظر میں اپنے آپکو بے اعتبار بنا دیتے یہ تو ان حضرات کے کمال مرتبت اور علو شان پر دلیل ہے کہ باوجود امام صاحب کی مدح سرائی اور فقہ کی قدر افزائی کے اور محدثوں کی حملوں سے بچگئے۔ ورنہ میزان الاعتدال وغیرہ سے تو ظاہر ہے کہ بہت سے محدث صرف اسی جرم میں دائرۂ عدالت سے خارج کردئے گئے۔ کہ وہ امام صاحب کے مقلد یا مدّاح تھے۔

یحیٰی ابن معین رح نے جو امام صاحب کی اور فقہ حنفیہ کی تعریفیں کیں اوپر مذکور ہوئیں یہاں قابل بحث یہ بات ہے کہ اگر بالفرض کوئی محدث فقہ کی تعریف کرتا اور صرف ابن معین رح اُس کی تعریف و توثیق کرتے کافی تھا اسلئے کہ اُن کی نظر تمام حدیثوں پر تھی جیسا کہ ابن المدینی کے قول سے ظاہر ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک کسی نے یحیٰی ابن معین کے برابر حدیثوں کی روایت کی ہو۔ اور کہا کہ تمام آدمیوں کا علم اُن کو پہونچا ہے اور امام احمد رح کے اس قول سے بھی یہی ثابت ہے جو فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو یحیٰی نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔ کما فی التذکرہ والخلاصہ غرضکہ اکابر محدثین کی گواہی سے ثابت ہے کہ یحیٰی ابن معین کی نظر کل حدیثوں پر تھی۔

اب غور کیجئے کہ امام صاحب کا کوئی قول اُن کل حدیثوں کے مخالف ہوتا جو اس باب میں وارد ہیں تو وہ کبھی فقہ کی تعریف و توصیف نہ کرتے بلکہ توہین کرنا اُن کا فرض تھا۔

اس سے امیر المومنین فی الحدیث ابن المبارک رح کے اُس قول کی تائید ہو گئی جو فرماتے ہیں کہ جو شخص امام صاحب کی بدگوئی کرتا ہے اسکا سبب تنگی علم ہے۔ اسلئے کہ یحیٰی ابن معین رح کا سا وسیع علم ہو تو معلوم ہو کہ جو قول بظاہر کسی حدیث کے مخالف ہے دوسری حدیثوں کے موافق ہے جو اس باب میں وارد ہیں۔ اور جسکو دوسری حدیثیں معلوم ہی نہ ہوں تو وہ چند مخالف حدیثوں کو دیکھ کر ضرور بدگوئی پر آمادہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اُس کی دانست میں تو یہی ہو گا

کہ امام صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی پھر کون مسلمان ہوگا کہ ایسے مخالف شخص کو برا نہ کہے اس سے ظاہر ہے کہ جو بعد والے بعض محدثین امام صاحب کے اقوال کو مخالف حدیث کہتے ہیں انکو وہ حدیثیں پہونچی ہی نہیں جن کے موافق وہ اقوال ہیں اور اگر پہونچی بھی تو اُن کا مطلب نہیں سمجھا۔ کیونکہ احادیث کا مطلب سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں اس کا تصفیہ شیخ الشیوخ اعمش اور اوزاعی رحمہم اللہ نے کردیا کہ محدثین عطار ہیں اور امام صاحب طبیب اور امیر المومنین فی الحدیث نے صاف کہدیا کہ حدیث فہمی کے لئے ابو حنیفہ کی ضرورت ہے۔

اب دیکھئے کہ جو لوگ بڑے غصہ سے کہتے ہیں کہ فقہ کے مسئلوں کو ماننا کھلا نفاق اور حماقت ہے۔ کس قدر زیادتی ہے۔ انصاف تو یہ تھا کہ یہ حضرات اپنی تنگی علم اور کم فہمی پر افسوس کرتے مگر افسوس ہے کہ تنگی حوصلہ سے اپنا قصور نہیں دیکھتے۔ اور اکابر محدثین پر نفاق اور بیعلمی کا الزام لگاتے ہیں یہ بات اوپر معلوم ہوچکی ہے کہ پوری حدیثوں کا سرمایہ کم از کم ایک کرور حدیث چاہیئے جس کی خبر امام احمد بن حنبل رح نے دی ہے اور اگر صحیح سات لاکھ حدیثیں جو امام احمد کو یاد تھیں یا ایک ہی لاکھ جو امام بخاری رح کو یاد تھیں۔ موجود ہوتیں تو کسی قدر معلوم ہوسکتا کہ فقہ موافق حدیث ہے۔ یا مخالف بخلاف اسکے جن حدیثوں پر اعتماد کرکے مخالفت بیان کی جاتی ہے وہ تو بہت تھوڑی ہیں جواہر الاصول میں ابو الفیض محمد بن علی الفارسی رح نے لکھا ہے کہ بخاری و مسلم میں بحذف مکررات صرف چار ہزار حدیثیں ہیں وہ بھی فقط احادیث

مرفوعہ نہیں اُن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال و افعال وغیرہ بھی شامل ہیں پھر وہ بھی صرف احکام ہی سے متعلق نہیں بلکہ اُن میں فضائل اور قصص و حکایات وغیرہ بھی شریک ہیں اب صرف ان چند حدیثوں کو دیکھ کر فقہ کو مخالف حدیث قرار دینا جس کی توثیق اکابر محدثین نے کی ہے کس قدر ظلم و بیداد ہے اور طرفہ یہ کہ لوگوں کے بہکانے کی غرض سے کہا جاتا ہے کہ جب کوئی حدیث مخالف مذہب پہونچی تو اُس کو چھوڑ کر کسی امام غیر معصوم کی تقلید کریں تو قیامت میں خدا کو کیا جواب دیں گے۔ درست ہے خدائے تعالیٰ کے روبرو جوابدہی مشکل ہے خدا کرے کہ محاسبہ کی نوبت نہ آئے۔ ورنہ اس کا بھی جواب دینا ہمیں مشکل ہوگا۔ کہ صدہا محدثین میں سے بخاری کو کیوں مثل معصوم بنالیا جن کی کتاب کو مثل کتاب آسمانی قرار دے کر دوسری کتابوں کو اس کے مقابلہ میں ساقط الاعتبار کر دیا گیا کوئی آیت قرآنی یا حدیث متواتر اس باب میں پہونچی تھی مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری کو دین میں وجاہت حاصل ہے اور اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ کے محبوب ہیں تو ہمیں اُمید قوی ہے کہ اگر یہ ہمارا خیال جرم اور قابل بازپرس بھی ہو تو ہماری خوش اعتقادی کے باعث ہماری شفاعت وہ کریں گے۔ اسی طرح امام اعظم کو اکابر محدثین کے کہنے پر اپنے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان میں جو واسطہ قرار دیا اُس میں بھی ہمیں بڑی بڑی اُمیدیں ہیں اور بڑا عذر تو ہمارا یہ ہوگا کہ امام بخاری رح نے کل صحیح حدیثوں کو جمع کر کے ہم تک پہونچایا ہی نہیں انہوں نے بلکہ کل محدثین نے لاکھوں صحیح حدیثوں کو تلف کر دیا اور محدثین

ہی کی گواہیوں سے ہمیں ظن غالب ہوگیا تھا کہ امام صاحب نے حدیثوں کی مخالفت نہیں کی بلکہ اُن کے مضامین کو فقہ میں ہمارے لئے محفوظ کردیا تھا اس لئے ہم نے اُن کی تقلید کی۔

اور چونکہ امام صاحب کو دین میں اعلیٰ درجہ کی وجاہیت حاصل ہے اور خدا تعالیٰ کے محبوب ہیں یقین ہے کہ ہماری خوش اعتقادی سے ہماری شفاعت ضرور کریں گے۔ اور ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ بمقتضاے انا عند ظن عبدی بی حق تعالیٰ اُن کی شفاعت کو قبول بھی فرمائیگا۔ واللہ ذوالفضل العظیم۔

اب غور کیجئے کہ جب خزان حدیث اور جامع کل احادیث اور وہ حضرات جن پر احادیث صحیحہ کا مدار ہے اور دوسرے صدہا شیوخ محدثین اپنے اپنے شاگردوں سے فقہ حنفیہ کی تعریف وتوثیق بیان کرتے ہونگے تو کس سرعت سے وہ بلاد اسلامیہ میں پہونچگئی ہوگی۔ کیونکہ اسلامی شہروں میں کوئی شہر ایسا خیال نہیں کیا جاسکتا جسکے سربرآوردہ محدثین ان حضرات کے فیض صحبت سے محروم رہ گئے ہوں گے۔ کیا اتنی کھلی دلیل اور واضح قرینہ کے بعد بھی یہ کہنا صحیح ہوگا کہ فقہ حنفیہ ابو یوسف کی قضارت کے باعث مشہور ہوئی جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے

م ک ۔سفیان بن عیینہ رح کہتے ہیں کہ اوائل میں خیال کیا جاتا تھا کہ ابوحنیفہ کی راے کوفہ کے پل سے تجاوز نہ کرے گی۔ مگر تھوڑی مدت میں آفاق میں پہونچگئی۔

سفیان بن عیینہ رحمۃ وہ شخص ہیں کہ تذکرۃ الحفاظ میں اُن کو العلامۃ الحافظ الامام الحجۃ واسع العلم کثیر القدر لکھا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے ستر حج کئے اکثر لوگ انہی کے ملاقات کے خیال سے حج کو جایا کرتے اُنکے پاس خلق کا ہجوم رہتا تھا۔ امام احمد رحمۃ کہتے ہیں کہ اُن سے زیادہ حدیث جاننیوالا میں نے نہیں دیکھا" فقہ کی غیر معمولی شہرت جو ابن عیینہ بیان فرما رہے ہیں کوئی قابل تعجب بات نہیں۔ اِسلئے کہ قطع نظر اور اسباب شہرت کے صرف ایسے جلیل القدر امام مرجع انام کا فقہ کی توثیق کرنا ایک قوی ذریعہ ہے۔ دیکھئے جب محدثین صرف اُن کی ملاقات کے لئے حج کو جایا کرتے تھے تو اور حجاج اور محدثین اُن کی ملاقات کو کیسی نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہونگے۔ اور ظاہر ہے کہ بلاد اسلامیہ میں کوئی شہر ایسا نہ ہوگا جسکے لوگ جوق جوق نہ جاتے ہوں گے۔ پھر جب وہ امام صاحب کے اعلیٰ درجہ کے مداح تھے چنانچہ سابقًا معلوم ہوا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ امام صاحب اپنے زمانہ میں بےنظیر شخص تھے اور جس کو فقہ کی ضرورت ہو امام صاحب کے اصحاب کی صحبت اختیار کرے تو غور کیجئے کہ کس سرعت سے فقہ حنفیہ کی شہرت بلاد اسلامیہ میں ہوئی ہوگی بہرحال مختلف ذرائع سے تھوڑے سے عرصہ میں فقہ حنفیہ کو وہ شہرت ہوئی کہ محدثین کو رشک ہونے لگا چنانچہ صرف اِس غرض سے کہ فقہ کی طرف سے لوگوں کی توجہ پھیر دیں بعض محدثین نے حدیثیں بنا ڈالیں جس کا حال اوپر معلوم ہوا۔ ابو نعیم رحمۃ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کی مجلس میں دن بھر اور رات کے

ایک حصہ میں طلبہ کا ہجوم رہتا تھا اور لوگ طوعًا و کرہًا اُن کے منقاد ہوتے جاتے تھے
ابو نعیم رح کے ترجمہ میں تذکرۃ الحفاظ میں امام احمد رح کا قول نقل کیا ہے کہ وہ
شیوخ اور انساب اور رجال کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ ابن معین رح
کہتے ہیں کہ اُنسے اور عفان سے افضل شخص میں نے نہیں دیکھا۔ احمد بن
صالح کہتے ہیں کہ اُن سے اصدق میں نے نہیں دیکھا۔
اب غور کیجئے کہ ایسے جلیل القدر اصدق محدث کی گواہی سے ثابت ہے
کہ لوگ طوعًا و کرہًا امام صاحب کے منقاد ہوتے جاتے تھے جس کی
وجہ بھی انہوں نے اشارۃً بیان کردی کہ ہر وقت لوگوں کا ہجوم اُنکے ہاں
رہا کرتا تھا۔ کیونکہ امام صاحب کی تقریر سُننے کے بعد اہل انصاف کے
دلوں میں ضرور اذعانی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جس سے وہ منقاد ہو جاتے
اور کثرت کی بھی یہی وجہ ہے اس انقیاد کا مفہوم سوائے تقلید کے
اور کیا ہو سکتا ہے۔ رہا طوعًا و کرہًا منقاد ہونا سو اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا
کہ امام صاحب زبردستی سے اُن کو اپنے مقلد بناتے تھے کیونکہ امام صاحبکو
کسی قسم کی حکومت نہ تھی۔ بلکہ اُس کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کے
دلائل ایسے مستحکم ہوتے تھے کہ کسی کو انکار کرنے کی مجال نہ تھی اس لئے
قوت دلائل کے مقابلہ میں مجبور ہو کر امام صاحب کے قول کو تسلیم کرنا پڑتا تھا
مک۔ یحیٰی بن آدم کہتے ہیں کہ اگر ابو حنیفہ کو دنیا کا کوئی لگاؤ ہوتا تو باوجود
حاسدوں کی کثرت کے اُن کا کلام آفاق میں پورے طور پر نافذ نہ ہوتا۔"
اس سے بھی ثابت ہے کہ تمام آفاق یعنی بلاد اسلامیہ میں فقہ حنفیہ ہی کی

تقلید کیجاتی تھی۔

یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ امام صاحب کا مذہب منتہائے بلاد اسلامیہ تک کیونکر شائع ہوا اور اکابر محدثین نے کیوں اُن کی تقلید کی نہ امام صاحب کا ذاتی تسلط تھا نہ سلطنت کی طرف سے اُن کو کسی قسم کی مدد ملی بلکہ حکومت اُن کی دشمن تھی جس کی وجہ سے وہ قید ہوئے اور فتوے دینے سے روک دیئے گئے تھے۔ ایسی بیکسی کی حالت میں اُن کے فتوے اور فقہ کو فروغ ہونے کی کیا صورت تھی بجز اِسکے کوئی بات نہیں تھی کہ اُن کے صدق و اخلاص و قوت دلائل نے اکابر دین کی حق پسند طبیعتوں میں پورا اثر کیا جس سے وہ بغیر فرمایش و درخواست کے اُن کی تقلید کی۔

م یحیٰی بن سعید قطان کہتے ہیں کہ جن مسائل کی ضرورت لوگوں کو ہر وقت پڑتی ہے اُن کو بیان کرنے والا سوائے ابوحنیفہ رح کے کوئی دوسرا شخص نہیں اوائل میں اُن کی یہ حالت نہ تھی۔ لیکن بہت جلد اُن کا معاملہ اس درجہ تک پہونچگیا اور سرعت سے ترقی ہوئی۔

مک یحیٰی ابن آدم کہتے ہیں کہ کوفہ کی مسجد فقہ سے بھری ہوئی تھی ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ اور حسن بن صالح اور شریک جیسے فقہا کثرت سے تھے لیکن ابوحنیفہ کے مقابلہ میں اُن کی کساد بازاری ہوئی اور اُن ہی کے اقوال پر خلفا اور حکام اور امرا فیصلہ کرنے لگے۔ اور تمام بلاد میں اُن کے اقوال دائر سائر ہوئے اور اُسی پر عمل قرار پایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسیوقت تمام بلاد اسلامیہ میں عموماً امام صاحب کی تقلید اور فقہ حنفیہ پر عمل تھا
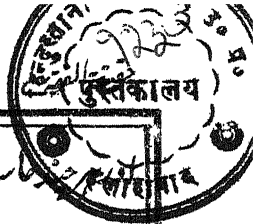
[illegible] حاسدوں نے فکریں کیں کہ فقہ حنفیہ کو ضرر پہونچائیں مگر نہ ہوسکا چنانچہ
کردری اور موفق رح نے لکھا ہے کہ فتح بن عمرو الوراق رح کہتے ہیں کہ
جس زمانہ میں نضر بن شمیل رح مرو میں تھے میں بھی وہاں تھا وہاں کے
بعض محدثین نے کمال تعصب سے امام صاحب کی کتابیں نہر جاری میں
دھلوا ڈالیں۔ یہ خبر خالد بن صبیح قاضی مرو کو پہونچی اور وہ اُنکے قرابت دار
جن میں پچاس سے زیادہ ایسے ممتاز اشخاص تھے کہ خدمت قضا کی
لیاقت رکھتے تھے سوار ہو کر فضل بن سہل کے یہاں گئے اور اُنکے
ساتھ ابراہیم بن رستم اور سہل بن مزاحم بھی تھے سب نے فضل سے اِس باب میں
استغاثہ کیا انہوں نے خلیفہ مامون کی خدمت میں عرض حال کی۔
مامون نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے یہ تعدّی کی۔ کہا کم عمر لوگ
ہیں جن میں اسحٰق بن راہویہ۔ احمد بن زہیر۔ اور فضل ہیں مگر نضر بن شمیل بھی
اُن کے ساتھ ہیں۔ حکم ہوا کہ کل دونوں جماعتوں کے لوگوں کو مناظرہ
کے لئے دربار میں حاضر رکھو میں خود دیکھوں گا کہ کس کی حجت قوی ہے
اور خود میں فیصلہ کروں گا۔ یہ خبر اسحٰق اور اُن کی جماعت کو پہونچی انہوں نے
مشورت کی کہ گفتگو کون کریگا نضر بن شمیل تو خلیفۃ المسلمین کے مقابلہ میں نہ کلام
میں تاب لا سکتے ہیں نہ حدیث میں آخر یہ رائے قرار پائی کہ احمد ابن زہیر گفتگو
کریں وقت مقرر پر جب دونوں جماعتیں حاضر دربار ہوئیں خلیفۃ المسلمین
برآمد ہوئے اور سب پر سلام کر کے نضر بن شمیل کی طرف متوجہ ہوئے
اور پوچھا آپ لوگوں نے ابو حنیفہ کی کتابوں کو کیوں دھلوا دیا۔ نضر نے

اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ احمد بن زبیر نے کہا۔ امیر المومنین کیا مجھے بات کرنیکی اجازت ہے۔ فرمایا ہاں اگر عمدگی سے بات کر سکتے ہو تو کرو۔
کہا ہم نے اُن کتابوں کو قرآن و حدیث کے مخالف پایا۔ فرمایا کس مسئلہ میں احمد بن زبیر نے خالد بن صبیح سے ایک مسئلہ پوچھا کہ ابو حنیفہؒ کا اس میں کیا قول ہے انہوں نے بیان کیا احمد نے اُسکے خلاف میں ایک حدیث پڑھی۔ یہ سُنکر خود مامون نے امام صاحب کے قول کی تائید میں کئی حدیثیں پڑھیں جن کو وہ لوگ جانتے بھی نہ تھے۔ جب بہت دیر تک مناظرہ ہوا اور وہ ساکت ہو گئے تو مامون نے کہا اگر فقہ کو ہم مخالف کتاب اللہ اور سُنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاتے تو اُسپر عمل کرنے کی اجازت نہ دیتے۔ پھر فرمایا خبردار آئندہ کبھی اس قسم کی حرکت نہ کرنا اگر تم میں یہ بزرگ نہ ہوتے تو تم لوگوں کو میں ایسی سخت سزا دیتا کہ کبھی نہ بھولی جاتی۔
اُسکے بعد خلیفۃ المسلمین مامون نے ایک مجلس کی جس میں دو سو فقیہ رہا کرتے اگر کوئی اُن میں سے مرجاتا تو تکمیل کیجاتی اس مجلس کے کل ارکان اجلاس شاہی میں ہمیشہ حاضر رہا کرتے تھے انتہیٰ۔
معلوم نہیں نضر بن شمیل رح کو حاسدوں نے کس تدبیر سے اپنے ساتھ کرلیا تھا ورنہ وہ تو امام صاحب کے مداحوں میں ہیں۔ بہرحال اس موقع میں بھی منجانب اللہ فقہ کی تائید ہوئی۔ اور خود خلیفۃ المسلمین کو وہ حدیثیں یاد آگئیں جن کی اس معرکہ میں ضرورت تھی۔ اہل انصاف اکابر محدثین کے اقوال و افعال کو جو امام صاحب سے متعلق بیان کیے گئے ہیں پیش نظر رکھ کر

غور کریں تو یہ بات مبرہن ہو جاوے گی کہ ان حضرات کی خوش اعتقادی کا اثر اُن کے اتباع اور احباب میں ضرور ہوا جس سے امام صاحب کو انہوں نے مُقتدا مان لیا۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مولٰنا شاہ ولی اللہ صاحب جس کی تعریف یا شکایت کرتے ہونگے تقریباً کل ہندوستان میں وہ بات مسلّم ہو جاتی ہو گی اسی طرح ابن تیمیہ رح کے اقوال کا ایک جماعت پر یہ اثر ہے کہ ولی کو شیطان بنا دینا ایک ادنیٰ سی بات ہے کیا اعمش اوزاعی وکیع اور ابن مبارک رحمہم اللہ وغیرہ صدہا محدّثین کے اقوال کا اثر ان صاحبوں کے اقوال کے برابر بھی نہ ہو گا حالانکہ اُن حضرات کے اقوال پر تمام اہل سُنّت وجماعت کے اعتقادات کا مدار ہے۔

غرضکہ اہل حق نے جس طرح احادیث کو انہی حضرات کے اعتبار پر مان لیا تھا امام صاحب کے مُقتدا ہونے کو بھی اُنہی حضرات کے اقوال سے تسلیم کر لیا یہی وجہ ہے کہ اُس زمانہ سے آج تک قرناً بعد قرن لاکھوں علما اور صلحا امام صاحب کی تقلید کرتے آئے اور اس تواتر سے وہ مسلّم مذہب ہم تک پہونچا۔

اب دیکھئے جو کہا جاتا ہے کہ مذہب حنفیہ ابو یوسف رح صاحب کی خدمت قضاء کے دباؤ سے شائع ہوا اس میں کس قدر اکابر محدّثین کی در پردہ بیقدری ہے۔ ادنیٰ تامل سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ قول ایسا ہے جیسے بعضے کہا کرتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا معاذ اللہ اسلام فی نفسہ ایسا پُر زور

دین ہے کہ جس کو عقل سلیم ہو اور اصول دین سے واقف ہو جائے ممکن نہیں کہ اسلام کو قبول نہ کرے۔

غرضکہ بہت سی روایتوں سے ثابت ہے کہ مخالف فقہ مخذول ہوتے گئے اور فقہ حنفیہ کی شہرت جمیع بلاد اسلامیہ میں بہت جلد بلکہ امام صاحب ہی کے زمانہ میں ہوگئی۔ اور اُسکے اسباب مختلف ہوے ایک سبب یہ تھا کہ نئی بات ہونیکی وجہ سے اکابر محدثین اُس کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوے اور بعد تحقیق جب اُس کی توثیق کی تو اوساط الناس اور عوام نے اُسکو قبول کرلیا۔

دوسرے حاسدوں نے اس خیال سے کہ لوگ بدظن ہوں نئی نئی فقہ کی باتیں پہونچانے میں کوششیں کیں جن کو جانچ کر محدثین نے مان لیا غرض دوست دشمن نے نہایت سرگرمی سے ہاتوں ہاتھ تمامی بلاد اسلامیہ میں فقہ حنفیہ کو پہونچا دیا۔

تیسرے اکابر محدثین نے امام صاحب کے اقوال پر فتوی دیئے اور تقلید کی جن میں سے چند محدثین کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اب یہاں قابل توجہ یہ بات ہے کہ فقہ جس پر تمام اقسام کے اعتراض کئے جاتے ہیں کوئی نئی چیز نہیں بلکہ یہ وہی فقہ ہے جو امام صاحب ہی کے زمانہ میں علمار کے جلسوں میں پیش ہوگئی تھی اس کو دیکھکر ہر طرف چہ میگوئیاں ہورہی تھیں۔ اسی کو حاسدوں نے امام صاحب کی بدنامی کا ذریعہ بنا رکھا تھا اسی کو دیکھکر کوئی کہتا تھا کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں۔

کوئی کہتا تھا وہ حدیث جانتے ہی نہیں اس وجہ قیاس کیا کرتے ہیں اسی کو
پیش کر کے طالبین حق کو اُن کی صحبت سے روکتے تھے کوئی انکو بدعتی کہتا
کوئی مرجی قرار دیتا۔ اور خدا جانے اسکے سوا کیا کیا الزام لگاتے تھے
مگر الحمدللہ اُسی زمانہ کے متدین اہل حدیث نے جو تقریباً کل بعد والے محدثین
کے اساتذہ اور معتمد علیہ جمیع اہل سنت وجماعت کے ہیں تمام اُن افتراؤں
کو رد کر کے اُس مطعون فقہ کو مستند اور قابل اعتماد بنا دیا۔ اور معترضین کی
نسبت صاف کہدیا کہ وہ حاسد اور کم علم اور بے سمجھ لوگ ہیں اور صرف
زبانی گفتگو نہیں بلکہ تقلید کر کے عملاً ثابت کردیا کہ فقہ حنفیہ قابل تقلید ہے۔
یہ بات اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ وکیع رح اوائل میں امام صاحب کے سخت
مخالف تھے۔ یہاں تک کہ محدثین سے کہا کرتے تھے کہ اگر تم لوگ
فقہ حدیث سیکھ لوگے تو اصحاب الرائے تم پر غالب نہ آئینگے۔ مولانا
شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ سائب کہتے ہیں
کہ ہم ایک بار وکیع رح کے پاس بیٹھے تھے اور اصحاب الرائے سے
بھی ایک شخص موجود تھے وکیع رح نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اشعار کیا ہے اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ وہ مثلہ ہے۔ اُس شخص نے کہا
ابو حنیفہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ اشعار مثلہ ہے۔ سائب
کہتے ہیں کہ وکیع یہ سُنتے ہی غضبناک ہو گئے اور کہا میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا قول بیان کرتا ہوں اور تم کہتے ہو کہ ابراہیم نے کہا۔ تم اس
قابل ہو کہ قید کر دئے جائیں۔ اور جب تک اس اعتقاد سے توبہ نہ کریں

رہا نہ کئے جائیں۔

دیکھیے ایسی حرارت والے محدث جب امام صاحب کے حالات اور طریقہ اجتہاد پر مطلع ہوئے تو اس قدر اُن کے معتقد ہو گئے کہ یہ آرزو کرنے لگے کہ امام صاحب کے تفقہ کا عشر بھی اپنے کو حاصل ہو جائے اور اہلحدیث سے کہا کرتے تھے کہ جب تک تم اصحاب ابو حنیفہ رح کے ساتھ نہ بیٹھو اور اُن کے اقوال کی تفسیر نہ بیان کریں تم میں سمجھ نہ پیدا ہو گی۔ اور حدیث کا سُننا کچھ نفع نہ دیگا اور خود بھی امام صاحب ہی کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے جیسا تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے۔

اب غور کیجیے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینے کے معنی سوائے اسکے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ جس طرح علمائے حنفیہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں وہ بھی دیتے تھے اور اُن کے جیسے مقلد تھے۔

تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں لکھا ہے کہ **یحییٰ قطان** ابو حنیفہ رح کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے یحییٰ وہ شخص تھے کہ جب گفتگو کسی مسئلہ میں کرتے تو فقہا کو ساکت کر دیتے تھے۔

ک علی بن مدینی کہتے ہیں کہ **یحییٰ بن آدم** جو فن رجال کے عالم اور اُن کے اقوال کو خوب جانتے تھے فقہ اور حدیث سے بہت واقف تھے اُن کا میلان ابو حنیفہ رح کی طرف شدت سے تھا۔ میلان سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیتے ہونگے۔

ک **حسن بن عرفہ** کہتے ہیں کہ ہم جھوٹ نہ کہیں گے فقہ میں ہمارے امام

ابو حنیفہ رح ہیں"

تھذیب التھذیب میں حسن بن عرفہ کا حال لکھا ہے کہ وہ ابو داؤد و ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ کے استاد تھے یحییٰ بن معین وغیرہ نے اُن کو صدوق کہا ہے دیکھئے ایسے مستند شیخ کی نسبت جھوٹ کا خیال کیونکر ہو سکتا تھا مگر انہوں نے دیکھا کہ محدثین جو امام صاحب سے بدگمان ہیں کہیں مبالغہ پر اپنا کلام محمول نہ کریں اس لئے تصریح کر دی کہ امام صاحب کو جو ہم امام کہتے ہیں وہ جھوٹ نہیں ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی امام صاحب کے مقلد تھے

ک مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ میں نے تابعین اور اُن کے بعد لوگوں کو دیکھا مگر ابو حنیفہ کے جیسا شخص نہیں دیکھا جس کو انکی سی کی بصیرت اور ادراک غوامض ہو۔ وہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیتے اور کہتے کہ یہ شیخ کوفی کا قول ہے۔

م عبد العزیز رواد پر کوئی مسئلہ مشتبہ ہوتا تو امام صاحب سے لکھ کر پوچھ لیا کرتے۔

تھذیب التھذیب میں عبد العزیز رح کے حال میں لکھا ہے کہ ابن مبارک رح کہتے کہ خوف الٰہی کا اُنپر یہ غلبہ تھا کہ وہ باتیں کرتے اور اشک اُن کے رخساروں پر جاری رہتے تھے۔ اشعث بن حرب کہتے ہیں کہ اُن کی حالت سے یہ نمایاں تھا کہ قیامت اُنکے پیش نظر ہے۔

اب قیاس کیجئے کہ دین میں اُن کو کس قدر احتیاط ہو گی ایسے محتاط شخص جب ہر بات میں امام صاحب کے قول پر عمل کرتے تھے تو غور کیجئے کہ

فقہ حنفیہ میں کس قدر احتیاط ملحوظ ہے اس کا انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ اُس زمانہ میں بڑے بڑے محدثین اور فقہا مثل امام مالک و ثوری رح وغیرہ موجود تھے مگر اُن کو امام صاحب ہی کے علم پر اعتماد تھا۔ اِس وجہ سے وہ ہر مسئلہ امام صاحب سے پوچھکر اُس پر عمل کرتے تھے اسی کا نام تقلید شخصی ہے جسکو آخری زمانہ والے شرک بتاتے ہیں۔

م جریر بن عبد الحمید کہتے ہیں مغیرہ نے کسی مسئلہ میں فتویٰ دیکر کہا کہ یہ بات مجھے پہونچی ہے کہ وہ جوان خزاز جو دار عمر بن حرث میں رہتا ہے یعنی ابوحنیفہ اُس کا بھی یہی قول ہے۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ جب مغیرہ کوئی فتویٰ دیتے اور لوگ اُنسے جھگڑتے تو وہ کہدیتے کہ یہ قول ابوحنیفہ کا ہے" انتہیٰ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نام سنکر جھگڑنیوالے خاموش ہوجاتے تھے کیونکہ امام صاحب کی شہرت ہوگئی تھی اور محدثین کہا کرتے تھے کہ اُن کی جو بات ہوتی ہے پختہ ہوتی ہے اِس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مغیرہ رح امام صاحب کے مقلد تھے۔

م ابومعاویہ کہتے ہیں کہ ہمارے شیوخ فتویٰ تو دیتے مگر اُن پر ہیبت طاری رہتی تھی پھر جب سنتے کہ ابوحنیفہ رح نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ تو خوش ہوجاتے راوی نے اُنسے پوچھا وہ کون لوگ ہیں کہا اُن میں سے ایک ابن ابی لیلیٰ ہیں۔

دیکھئے ابن ابی لیلیٰ باوجودیکہ امام صاحب کے سخت مخالف تھے۔

مگراُن کی بھی نظر امام صاحب ہی کے فتوی کیطرف لگی رہتی تھی۔ ورنہ بجائے اسکے کہ مخالفت کا اثر کوئی اُسپر ڈالیں اُس سے مستفید ہوتے تھے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ امام صاحب کا قول کس قدر مستحکم ہوتا ہے۔

م ص ایک بار ابو امیہ جزری جو امام صاحب کے زمانہ میں اہل جزیرہ کے امام تھے اُنسے کسی نے فتوی پوچھا انہوں نے اپنے اجتہاد سے جواب دیا کہیں اُس جلسہ میں ابو حمزہ بھی بیٹھے تھے جو امام صاحب کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے کہا حضرت اس کا یہ جواب نہیں بلکہ امام صاحب نے یہ جواب دیا ہے یہ سُنتے ہی انہوں نے مستفتی کو بلوایا۔ اور اپنا فتوی واپس لیکر امام صاحب کے قول پر فتوی دیا اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے امام صاحب کی تقلید کی۔

ص ک علیسی بن یونس رح امام صاحب کے قول پر فتوی دیا کرتے تھے" عیسیٰ بن یونس وہ شخص ہیں کہ حماد اور ابن مدینی جیسے اکابر محدثین اُن کے شاگرد ہیں اور کل صحاح ستہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں۔ کما فی الخلاصہ۔

ایسے جلیل القدر امام المحدثین امام صاحب کے مقلد ہیں۔

ک عبداللہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مسجد الحرام میں ایک مسافر شخص سے مناظرہ کیا جس کے ساتھ بہت سے لوگ تھے پھر پوچھا تم کس شہر کے ہو کہا طنجہ کے جو بلاد مغرب کی انتہا پر ہے اور اُسکے پرے اسلام نہیں یہاں سے وہ مقام تخمیناً ڈیڑھ ہزار فرسخ پر

واقع ہے۔ کہا یہ دقیق مسائل تمہارے یہاں کہاں سے آ گئے۔ کہا ابو حنیفہ رح کی کتابیں ہمارے یہاں پہونچ گئی ہیں اور امام مالک اور اوزاعی کے اقوال بھی وہاں بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن فتویٰ ابو حنیفہ رح کی رائے پر دیا جاتا ہے۔

اسکو تائید منجانب اللہ کہتے ہیں دیکھئے باوجودیکہ امام مالک اور اوزاعی رح کی جلالت شان پوشیدہ نہیں اور اسی زمانہ میں وہ استاذ الاساتذہ مانے جاتے تھے۔ اور امام صاحب کی کتابوں کے ساتھ اُنکے اقوال بھی وہاں پہونچگئے تھے مگر تقلید امام صاحب ہی کی گئی۔ اس کا وہی سبب تھا جس کی تشخیص یحییٰ بن آدم رح نے کی۔ کہ امام صاحب کے خلوص نے اُنکے کلام کو آفاق میں پورے طور نافذ کر دیا ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

یہ روایت اوپر لکھی گئی ہے کہ اعمش رح جب حج کو گئے اور امام صاحب بھی وہاں موجود تھے تو انہوں نے امام صاحب پر فرمایش کی کہ مناسک حج کے مسائل عمل کرنے کے لئے لکھدیں اور اپنے شاگردوں سے بھی فرمایا کہ وہ مسائل لکھ لیں۔

دیکھئے اعمش رح طبقہ تابعین میں سر برآوردہ شخص ہیں امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کان الاعمش احفظھم للحدیث و اعلمھم بالفرائض ورءاسا فی العلم النافع والعمل الصالح ایسے جلیل القدر تابعی نے جنکو تمام محدثین سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں۔

اور فرائض سب سے زیادہ جانتے تھے اسلامی ایک فرض اور رکن اعظم یعنی حج کے تمامی مسائل میں امام صاحب کی تقلید کی تو اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ امام صاحب کی نظر فن حدیث میں کیسی وسیع اور قوت اجتہادی کس درجہ قابل وثوق تھی۔

اعمش رح کی اس تقلید سے علاوہ اسکے کہ امام صاحب کی جلالت شان ظاہر ہو حضرات حنفیہ کو یہ افتخار حاصل ہے کہ وہ ایسے امام کے مقلد ہیں جن کی تقلید کو ایک جلیل القدر تابعی شیخ الشیوخ نے ضروری سمجھا۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث فہمی کوئی اور ہی چیز ہے جس کیطرف اکابر محدثین محتاج تھے۔ اسی وجہ سے ابن مبارک رح نے فرمایا ہے کہ آثار و حدیث تو ضروری ہیں مگر اُن کے لئے ابو حنیفہ کی ضرورت ہے یحیٰی بن معین رح کا قول ابھی نقل کیا گیا لا الفقہ فقہ ابی حنیفۃ علیہ ادرکت الناس یعنی معتبر فقہ ابو حنیفہ رح کی ہے اُسی پر میں نے لوگوں کو پایا ہے یحیٰی بن مُعین وہ شخص ہیں کہ امام احمد بن حنبل رح اُن کی نسبت فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو یحیٰی نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی نہیں اسکے سوا اور بھی اقوال مذکور ہو چکے ہیں۔

اب غور کیا جائے کہ جب تمام دنیا کی حدیثیں اُن کو یاد تھیں تو تمام نہیں تو اکثر علماء سے تو اُن کو ملاقات ضرور تھی۔ کیونکہ اُس زمانہ میں حدیثیں رجال ہی سے لیجاتی تھیں پھر جب وہ ادرکت علیہ الناس کہہ رہے ہیں تو اُس کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ جاہلوں کو انہوں نے فقہ پڑھتے پڑھاتے دیکھا تھا

کیونکہ وہ فقہ کی تعریف میں یہ جملہ کہہ رہے ہیں۔ ایسے موقع میں جاہلوں کے
قول و فعل سے استدلال کرنا عقل کے بالکل مخالف ہے جاہلوں کی
طرف وہ امر منسوب کئے جاتے ہیں جن کی توہین مقصود ہوتی ہے اس
دلیل سے یہ ماننا پڑیگا کہ علیہ ادرکت الناس سے اُن کی مراد اُن کے
اساتذہ اور علما ہیں جن سے اُن کو ملاقات تھی اور اُن کے پورے
کلام کا مطلب یہ ہوا کہ یوں تو فقہ اوروں کی بھی ہے مگر معتبر فقہ پوچھو تو ابوحنیفہ
کی ہے اور یہ فقط میری رائے نہیں بلکہ علما اور شیوخ کے ایک جم غفیر کو
میں نے اسی فقہ پر پایا ہے۔
اب غور کیجئے کہ جب اُس زمانہ کے عموماً اہل علم فقہ حنفیہ پر عمل کرتے تھے
تو اگر یہ کہا جائے کہ اسی زمانہ میں اجماع ہو گیا تھا کہ فقہ حنفیہ موافق حدیث
ہے تو کیا نقصان۔ یہاں شاید یہ شبہ ہو گا کہ اُس زمانہ میں بعض علما
فقہ حنفیہ کے مخالف بھی تھے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ مخالف یا حاسد تھے
یا کم فہم جیسا کہ ابن مبارک رح وغیرہ محدثین رحمہم اللہ کی تصریح سے ثابت ہے
اور ابراہیم بن رستم نے تصریح کی ہے کہ جو شخص گمان کرے کہ میں
ابوحنیفہ رح سے مستغنی ہوں وہ جاہل ہے۔ غرضکہ جہال کم فہم اور حاسدوں
کے قول قابل اعتبار نہیں ہو سکتے۔ اِس وجہ سے ابن معین رح نے
علیہ ادرکت الناس مطلقاً کہدیا۔ اور قطع نظر اِس کے امام صاحب کے
مخالف بھی آپ کے اقوال کا انکار نہیں کر سکتے تھے جیسا کہ ابونعیم رح
کے قول سے معلوم ہوا کہ لوگ طوعاً و کرہاً اُن کے منقاد ہوتے جاتے

تھے چنانچہ الانتصار میں یحییٰ بن آدم کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کے بہت سارے مسائل ہیں نے شریک سے سُنے ہیں۔ جو اُنسے روایت کیا کرتے تھے کسی نے کہا اُن کو تو ابو حنیفہ رح کے اقوال پسند نہ تھے کہا پسند تھے۔ اور سُنا ہی کرتے تھے لیکن حسد کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ انتہیٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ گو وہ مخالف تھے مگر امام صاحب کے اقوال کو مانتے ضرور تھے۔ غرضکہ موافق مخالف سب فقہ حنفیہ کو تسلیم کر رہے ہیں یہاں تک کہ اقصائے بلاد مغرب تک فقہ حنفیہ شائع ہو گئی۔

اہل انصاف یہاں غور فرماویں کہ فقہ حنفیہ کی نسبت جو یحییٰ بن مُعین رح نے علیہ ادرکت الناس کہا اور یحییٰ بن آدم نے کہا "علیہ استقر الامر" جو سابقاً نقل کیا گیا۔ اِن اقوال کا مطلب سوائے اِسکے اور کیا ہوگا کہ اُس زمانہ میں فقہ حنفیہ پر اجماع ہو گیا تھا پھر جو بات ایسے دو گواہ عادل کی گواہی سے ثابت ہو کیا وہ قابل اعتماد نہ ہوگی۔ جب ہمارے زمانہ میں معمولی دو گواہوں کی گواہی سے قصاص ثابت ہو جاتا ہے تو اُن اکابر شیوخ محدثین کی گواہی سے اتنی بات بھی ثابت نہوگی کہ اُس زمانہ میں فقہ حنفیہ پر اجماع ہو گیا تھا ہم یہ نہیں کہتے کہ فقہ حنفیہ پر اجماع ہونیکے بعد فقہ شافعیہ وغیرہ قابل اعتبار نہیں کیونکہ وہ دوسرا مسئلہ ہے بلکہ ہمارا مطلب صرف یہاں اسی قدر ہے کہ ایک ایسے زمانہ میں کہ محدثین کے شیوخ بکثرت موجود تھے اور احادیث کی تحقیق و تنقید کا بازار گرم تھا۔ کوئی بے اصل بات رواج نہیں پا سکتی تھی

ایسے شباب علم حدیث کے زمانہ میں فقہ حنفیہ پر محدثین وغیرہ علماء کا اجماع ہونا اس بات پر دلیل بیّن ہے کہ وہ مخالف حدیث نہیں۔

تہذیب التہذیب میں حماد بن دلیل ابو زید مدائنی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ اصحاب ابو حنیفہؒ میں سے تھے۔

اگرچہ اُسی میں امام احمد رح کا قول نقل کیا ہے "کہ وہ صاحب رائے ہیں صاحب حدیث نہیں مگر یہ بھی لکھا ہے کہ ابن معین اور ابن حبان وغیرہ نے اُن کی توثیق کی ہے۔ اور ابو داؤد میں اُن کی روایت موجود ہے

م ک خلف ابن ایوب رح سے کسی نے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے کہا ابو حنیفہ رح اور ابو یوسف کا اُس میں یہ قول ہے اُسنے کہا پھر آپ کیا فرماتے ہیں کہا میں ایسے دو شخصوں کا قول کہہ رہا ہوں جو لوہے کے پہاڑ ہیں اور تو میرا قول پوچھتا ہے۔

امام صاحب کی کس قدر عظمت اُن کے دل میں تھی۔ کہ اُن کے قول کے مقابل اپنا قول بیان کرنا ہی ناگوار تھا اور اسی پر فتویٰ دیا۔ اُن کی اس تقریر مبالغہ آمیز سے صاف ظاہر ہے کہ وہ امام صاحب کے مقلد ضرور تھے

تہذیب التہذیب میں شعیب بن اسحٰق کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے مقلد تھے۔ شعیب وہ شخص ہیں کہ اسحٰق ابن راہویہ اور لیث ابن سعد جیسے اُن کے شاگرد ہیں۔ اکابر محدثین نے اُن کی توثیق کی ہے۔ اوزاعی اُن کو اپنے نزدیک جگہ دیا کرتے تھے بخاری مسلم وغیرہ میں اُن کی روایتیں موجود ہیں کما فی تہذ التہذیب۔

اب انصاف کیجیے کہ حنفی مذہب بے اصل ہوتا جیسا کہ اس زمانہ کے بعضے مولوی کہتے ہیں۔ توکیا ایسے جلیل القدر محدّث یہ مذہب اختیار کرتے

یہ روایت اور لکھی گئی کہ مکی ابن ابراہیم حدیث اور فقہ میں امام صاحب کے شاگرد تھے اور حنفی مذہب میں نہایت متعصب تھے" ایسے جلیل القدر محدّث جن کی شاگردی پر امام بخاری رح کو ناز ہے جب حنفیت میں متعصب ہوں تو ہم لوگ کیوں مورد طعن بنائے جاتے ہیں۔

یہ روایت بھی اوپر لکھی گئی کہ ثوبہ بن سعد امام صاحب کے قول کے مطابق فیصلے کیا کرتے اور کہتے کہ وہ میرے اور میرے آپکے درمیان ہیں۔ ثوبہ وہ شخص ہیں کہ امام مالک رح آرزو کرتے تھے کہ اُن کے جیسا کوئی ایک شخص اپنے یہاں ہوتا۔

یہ روایت بھی اوپر لکھی گئی کہ سفیان ثوری رح اکثر امام صاحب کے اقوال اُنکے شاگردوں سے دریافت کرتے اور اسی کے مطابق فتوٰی دیا کرتے تھے۔

تاریخ ابن خلّکان میں لکھا ہے کہ لیث بن سعد رح حنفی المذہب تھے۔ اور قسطلانی نے بھی شرح بخاری میں یہی بات لکھی ہے۔ لیث بن سعد وہ شخص ہیں کہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رح نے اُنکے مناقب میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جسکا نام الرحمۃ الغیثیہ بالترجمۃ اللیثیہ ہے اُسی میں لکھا ہے کہ کسی نے لیث رح سے پوچھا کہ آپسے بہت ساری حدیثیں ہم سنتے ہیں جو آپ کی کتابوں میں نہیں ہیں فرمایا اگر وہ حدیثیں

یں لکھتا جو میرے سینہ میں ہیں تو یہ مرکب اُس کی گنجایش نہ کرسکتا اُسی میں لکھا ہے کہ امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ لیث امام مالک رح سے بھی افقہ تھے سعید بن ابی ایّوب کہتے ہیں کہ اگر امام مالک اور لیث کسی مقام میں جمع ہوتے تو امام مالک اُن کے روبرو گنگے ہوتے یعنی بات نہ کرسکتے۔ کیوں نہ ہو وہ امام صاحب کے فیض یافتہ اور حنفی المذہب تھے۔ اُسی میں لکھا ہے کہ خلیلی کہتے ہیں کہ وہ بالاتفاق اپنے وقت کے امام تھے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ فقہ اور علم اور حفظ اور فضل و کرم میں اپنے زمانہ کے سادات میں تھے۔ نووی رح نے تہذیب میں لکھا ہے کہ اُن کی جلالت اور امانت اور فقہ اور حدیث میں اُنکے علو مرتبت پر اجماع ہو گیا"

اگر بالفرض سوائے ان کے کوئی محدّث حنفی المذہب نہ ہوتا تو بھی ایسے جلیل القدر امام المحدثین کا حنفی المذہب ہونا حنیفہ کے افتخار اور اطمینان کے لیے کافی تھا۔

م۔ کاوح بن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کسی نے امام مالک رح سے پوچھا کہ کسی کے پاس دو کپڑے ہوں ایک نجس اور ایک پاک اور معلوم نہ ہو کہ پاک کونسا ہے۔ تو نماز کس طرح پڑھے فرمایا تحری کرے۔

کاوح کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ابوحنیفہ رح تو کہتے تھے کہ ہر ایک کپڑے میں ایک بار نماز پڑھے" انہوں نے سائل کو بلوا کر ابوحنیفہ رح کے قول پر فتویٰ دیا۔

م ص۔ محمد بن عمر الواقدی رح کہتے ہیں کہ امام مالک رح اکثر ابوحنیفہ رح کے

اقوال کی تلاش کرتے اور انہی کے مطابق فتوی دیا کرتے۔ اگرچہ اس بات کو ظاہر کرتے نہ تھے۔ انتہی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ امام مالک رح نے کسی مسئلہ میں امام صاحب کی تقلید کی کیونکہ وہ خود مجتہد تھے۔ اسی وجہ سے امام صاحب کی طرف کسی قول کا منسوب کرنا اُن کو جائز نہ تھا بخلاف مقلد کے کہ اُس کو منسوب کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر اس سے امام صاحب کے اجتہاد کی قوت تو ضرور ثابت ہے کہ امام مالک رح جیسے شخص اُن کے اقوال کی تلاش کرتے اور انہیں کے مطابق فتوی دیتے تھے۔

م ک ص ح ف ۔ مسعر رح کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان میں ابوحنیفہ رح کو قرار دے تو مجھے امید ہے کہ اُسکو کوئی خوف نہیں اور یہ نہ سمجھا جائیگا کہ اُسنے احتیاط میں کمی کی اس مقام میں اگر مسعر رح کا بھی خیال کر لیا جاوے کہ وہ کیسے شخص تھے تو مناسب ہوگا۔ پیشتر اُن کے بعض حالات معلوم ہو چکے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ شعبہ اور اُن کے معاصر اُن کو مصحف ناطق کہا کرتے تھے۔ دیکھئے جب مصحف ناطق فرمارہے ہیں کہ ابوحنیفہ رح کی تقلید میں نہایت احتیاط ہے تو طالب حق کے لئے اور کیا چاہئیے۔ خدا کے اور اپنے درمیان انکو قرار دینے کا مطلب اِسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ جس راہ سے وہ لیجائیں بے چون وچرا اُن کے پیچھے پیچھے بارگاہ کبریائی میں جانا باعث نجات ہے اسی کا نام تقلید شخصی ہے۔

ک فضل بن موسیٰ سینانی رح لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ ابوحنیفہ رح کی اتباع کریں"۔ ایسے جلیل القدر محدث (جن کی جلالت شان پر وکیع ابن مبارک اور اسحٰق بن راہویہ رحمہم اللہ جیسے اکابر محدثین گواہی دے رہے ہیں جیسا کہ اوپر لکھا گیا) جب امام صاحب کی تقلید کرنے کی ترغیب دیتے ہونگے تو کس سرگرمی سے مذہب حنفی ترقی پذیر اور شائع ہوتا جاتا ہوگا۔

م ص ابوتمیلہ یحییٰ بن واضح کہتے ہیں کہ ایک بار ہم اور محمد بن طلحہ ابوحنیفہ رح کا تذکرہ کر رہے تھے انہوں نے کہا اے ابوتمیلہ اگر تمہیں کسی ثقہ کے ذریعہ سے ابوحنیفہ رح کا کوئی قول پہونچ جاوے تو اسکو قبول کرلو اُن کا جو قول ہوتا ہے پختہ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ انہوں نے فقہ کی تقلید کی ترغیب دی اسلئے کہ امام صاحب کے اقوال کو قبول کرنا بلا دلیل مان لینا ہے جسکو اصطلاح میں تقلید کہتے ہیں۔

خ ۔عبداللہ بن مبارک رح نے ایک روز معترضین کے جواب میں فرمایا تم نہیں جانتے کہ ابوحنیفہ رح سے زیادہ کوئی مستحق اقتدا نہیں وہ متقی سراپا مغز پارسا اور فقیہ تھے۔ انتہیٰ ملخصاً۔ جب امیر المومنین فی الحدیث نے تمام محدثین میں سے امام صاحب کو منتخب کرکے اس بات کے مستحق قرار دیا کہ اُنہی کی اقتدا کیجاوے تو اب کسی عامی کو تو کیا محدث کو بھی حق نہیں کہ انکی تقلید سے روکے۔

م ابویوسف رح کہتے ہیں کہ امام صاحب ایک بار مسجد الحرام میں بیٹھے تھے لوگ آتے اور مسائل پوچھتے اور آپ جواب دیتے جاتے تھے۔

استنے میں امام جعفر صادق رح وہاں تشریف لائے اور یہ حالت کھڑے دیکھ رہے تھے کہ امام صاحب کی نظر آپ پر پڑھی اور فراست سے دریافت کر کے کھڑے ہو گئے اور کہا یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر پہلے سے مجھے معلوم ہوتا کہ کھڑے ہوے ہیں خداے تعالے مجھے اِس حالت میں نہ دیکھتا کہ میں بیٹھا رہوں اور آپ کھڑے ہوں۔ آپنے فرمایا اے ابو حنیفہ بیٹھ جاؤ اور لوگوں کو جواب دو میں نے اپنے آباو اجداد کو بھی اسی حالت پر پایا ہے۔ دیکھئے امام صاحب جو جواب دیتے جاتے تھے وہ سب مسائل فقہیہ تھے جنکو تقلیداً سب مان رہے تھے اور امام جعفر صادق رح نے بھی اُس کی تحسین کی۔

درمختار میں لکھا ہے کہ بہت سے اولیائے کرام نے امام صاحب کی تقلید کی چنانچہ اُن میں سے چند حضرات یہ ہیں۔ ابراہیم ادہم شقیق بلخی معروف کرخی۔ بایزید بسطامی۔ فضیل بن عیاض۔ داؤد طائی۔ احمد بن خضرو ابوبکر وراق۔ وغیرہم۔ شامی رح نے وغیرہم کی شرح میں لکھا ہے جیسے حاتم اصم اور محمد شاذلی قدست اسرارہم۔ حدایق الحنفیہ میں مولوی فقیر محمد صاحب جہلمی نے اور بہت سے اولیاے کرام کے نام لکھے ہیں جو حنفی المذہب اور امام صاحب کے مقلد ہیں منجملہ اُن کے چند حضرات یہ ہیں۔ داتا گنج بخش۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا رح۔ خواجہ محمد پارسا رح مجدد الف ثانی رح ملا قطب الدین سہالوی شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی قدست اسرارھم۔

حدایق الحنفیہ میں اور بہت سے اسماے گرامی احناف کے لکھے
ہیں فی الحقیقت یہ کتاب قابل دید ہے اور یہ حدایق قابل تفرج ہیں۔
بہت بڑا سرمایۂ معلومات اس میں مخزون ہے یہ بات قابل تصدیق ہے
کہ جب کسی قوم کے سر برآوردہ اور معتمد علیہ کوئی کام کرتے ہیں تو
اُنکی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی وہ کام کرنے لگتے ہیں اور چند
روز میں وہ کام اُس قوم کی ضروریات میں داخل ہوجاتا ہے اب دیکھئے
کہ جب نامی گرامی مرجع خلایق محدثین واولیاے کرام نے امام صاحب
کی تقلید کی تو اُنکے شاگرد اور معتقد کس کثرت سے امام صاحب کے مقلد ہوگئے
ہونگے۔

مابعد کی صدیوں میں جو حنفیہ کی کثرت ہوتی گئی جسپر حالت موجودہ شاہد عدل
ہے اُسی ابتدائی کثرت کا اثر ہے۔غرضکہ علمار کا کثرت سے امام صاحب
کے مقلد ہونا اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ متدین علما نے ایسے زمانہ
میں آپ کو مجتہد مطلق مان لیا تھا جو شباب علم کا زمانہ تھا۔اہل انصاف
سمجھ سکتے ہیں کہ جب خیر القرون میں امام صاحب کی تقلید نہایت سرگرمی
سے ہوئی اور اُس زمانہ کے اہل احتیاط محدثوں نے اُس کو جائز رکھا
اور خود بھی کرتے رہے تو اس بے علمی کے زمانہ میں جس کی خبر احادیث
میں دی گئی ہے کس قدر اُس کی ضرورت ہے۔آخری زمانہ کی نسبت
احادیث میں مصرح ہے کہ اُس میں دین عجائز اختیار کیا جاوے اور ظاہر
ہے کہ دین عجائز صرف تقلید ہی ہوا کرتا ہے اُنکی جبلت میں یہ بات ہوتی ہے

کرنی بات کے سخت دشمن ہوتے ہیں۔

چونکہ تقلید کا ذکر آگیا ہے اسلئے مختصر سی بحث اُس کی بھی بیان کرنا مناسب ہے۔ اگر تفصیلی مبسوط بحث دیکھنا منظور ہو تو اور رسالوں میں ملاحظہ فرماویں جو کثرت سے چھپ چکے ہیں۔ تقلید کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کو معتبر سمجھکر اُسکے قول و فعل کی پیروی بغیر طلب دلیل کیجائے۔ تقلید انسان کی فطرتی صفت ہے اور تمام کمالات کی تحصیل کا مبدا بھی یہی صفت ہے جس انسان میں یہ صفت کمی کے ساتھ ہوگی اُسکے کمالات میں نقص ضرور ہوگا۔ دیکھئے جب لڑکا کسی قدر سمجھنا شروع کرتا ہے تو ایک ایک چیز کا نام پوچھتا ہے اور اُسکے ماں باپ یا اور مربی جو کچھ تبلا دیتے ہیں اُس کو تقلیداً مان لیتا ہے۔ اگر اُسمیں تقلید کا مادہ نہ ہوتا تو حیوان ناطق ہی بننے سے محروم رہجاتا۔ اور سوائے غائیں غائیں کرنیکے کوئی بات نہ کرسکتا۔ اسیطرح جب استاد کے پاس جاتا ہے تو ہر ایک مسئلہ میں تقلید کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ تمام علوم سے محروم رہجائے۔ پھر دین میں بھی تقلید کی ضرورت ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماویں اُسکو قبول کرو جس کا مطلب یہ ہوا کہ چوں و چرا کی اجازت نہیں صرف آپکے ارشاد کو بلا دلیل مان لیا کرو مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے تو کسی کو یہ پوچھنے کا حق نہیں کہ دو رکعت مقرر ہونے کی کیا وجہ اور قرآن میں کہیں اُس کا ذکر بھی ہے یا نہیں۔

یہ بحث دوسری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو تقلید کہتے ہیں یا نہیں مگر صورۃً تقلید ہونے میں کلام نہیں۔ اسی طرح صحابی نے جب کہدیا کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ مثلاً حدیث ہے تو تابعی کو یہ پوچھنے کا حق نہیں کہ اوس کے حدیث ہونیکی کیا دلیل البتہ یہ ضرور ہے کہ جس کی تقلید کیجائے وہ شخص معتمد علیہ اور راستباز ہو اسی وجہ سے محدثین کو رجال کی بحث کرنے کی ضرورت ہوئی جس سے مقصود یہ ہے کہ جو شخص عدل صادق معتمد علیہ ہو اُسی کی تقلید کیجائے یہ بات قریب میں معلوم ہوگی کہ رجال کی جرح وتعدیل کا مدار تقلید ہی پر ہے۔

فقہا کی تقلید کی ضرورت قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتی کیونکہ حق تعالےٰ فرماتا ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ یعنی اے مسلمانوں اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور اُن اولی الامر کی بھی جو تم میں سے ہوں۔ اگرچہ اولی الامر کے معنی امرا کے بھی ہوسکتے ہیں مگر قرائن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اولی الامر سے مراد علما فقہا ہیں اسلئے کہ مقصود اس آیۂ شریفہ میں اطاعت خدا اور رسول اور اطاعت اولی الامر ہے اس مطلب کو ادا کرنا صرف حرف عطف سے ہوسکتا تھا یعنی اطیعو اللہ وَالرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ سے یہ مقصود معلوم ہوجاتا تھا لفظ اطیعو کو مکرر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ کلام بلیغ میں خصوصا کلام الہی میں کوئی لفظ بے کار نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ مقصود

اس زیادتی سے کچھ دوسرا ہی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی اطاعت کو کوئی ضمنی نہ سمجھ لے اور یہ خیال نہ کرے کہ قرآن شریف میں
جتنے احکام ہیں انہی میں حضرت کی اطاعت ضروری ہے اس خیال
کے دفع کرنیکے لئے یہ تکرار لفظ اطیعوا مثل اطیعوا اللہ کے مستقل طور پر اطیعوا الرسول
ارشاد ہوا جس سے مقصود یہ ہے کہ جو کچھ حضرت فرماویں خواہ وہ قرآن میں ہو یا
نہ ہو سب مان لیں۔ اور اطاعت کریں۔ اور اس کے بعد اولی الامر کے
ساتھ لفظ اطیعوا کا ذکر نہ ہوا جس سے یہ بات معلوم کرادی گئی کہ اُن کی
اطاعت ضمنی ہے یعنی جو احکام حضرت نے بیان فرمادئے ہیں انہی
میں ان کی اطاعت کی جائے کیونکہ جو لوگ خلاف شرع حکم کرتے ہیں
اُن کے باب میں وارد ہے وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ
الْفَاسِقُوْنَ اور ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ۔ اب اولوالامر کو
یہ معلوم کرنا ضرور ہوا کہ ہم اس آیۂ شریفہ کی روسے کون سے امور کے
امر کرنے کے مجاز ہیں جنکی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ بات ظاہر
ہے کہ کل آیات واحادیث سے ایسے امور کا نکالنا جو واجب الاتباع
ہیں فقیہ کا کام ہے۔ غرضکہ اولوالامر کو ضرور ہوا کہ خود فقیہ ہوں یا فقہا سے
مدد لیکر امر کریں بہرحال دونوں صورتوں میں اولی الامر کی اطاعت
فقہا ہی کی اطاعت ہوئی پھر اگر اطاعت کرنے والوں کو معلوم ہوجائے
کہ حاکم عالم نہیں تو مشتبہ امور میں اُن کو ضرور ہوگا کہ علماء سے دریافت کریں
کہ وہ امور واجب الاطاعت ہیں یا نہیں اور اگر وہ فتوی دیں کہ اُن امور میں

اطاعت جائز نہیں تو انہی کی اطاعت واجب ہوگی جس سے معلوم ہوا کہ فقہا اور امرا کی اوامر متعارض ہوں تو اہل اسلام مامور ہیں کہ فقہا کا امتثال امر کریں اور امرا کی اطاعت نہ کریں جیسا کہ اس روایت سے بھی ظاہر ہے۔ عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعۃ فی معصیۃ اللہ انما الطاعۃ فی المعروف متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ فی کتاب الامارۃ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ معصیت میں کسی کی اطاعت درست نہیں اطاعت صرف انہی امور میں ہے جو دین میں معروف ہیں۔

اب دیکھئے کہ امیر اور فقیہ کے اقوال متعارض ہونے کی صورت میں فقیہ کا قول جب واجب العمل ہو تو امرا اولو الامر ہوے یا فقہا اسیوجہ سے جابر ابن عبداللہ۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عطا اور مجاہد اور ضحاک۔ اور ابو العالیہ۔ اور حسن بصری وغیرہم رحمہم اللہ نے اولی الامر کی تفسیر میں فقہا اور علما ہی لکھا ہے جیسا کہ تفسیر ابن جریر و ابن کثیر وغیرہ سے واضح ہو کیوں نہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علما ہی کو اپنا جانشین قرار دیا ہے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔ عن الحسن ابن علی رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللہ علی خلفاء قیل ومن خلفائک یا رسول اللہ قال الذین یحیون سنتی ویعلمون بہا الناس رواہ ابو النصر السجزی فی الابانۃ وابن عساکر وفی معناہ رواہ الطبرانی والرامہرمزی وابن ابی حاتم کذا فی کنز العمال یعنی فرمایا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ رحمت کرے میرے خلفا پر کسی نے پوچھا آپ کے خلفا کون ہیں یا رسول اللہ فرمایا وہ لوگ جو میری سنّت کو زندہ کرتے ہیں اور لوگوں کو سنّت کی تعلیم کرتے ہیں۔

غرضکہ فقہا کی اطاعت قرآن شریف سے بھی ثابت ہے اور احادیث سے بھی اسی وجہ سے عمر ابن عبد العزیز رح نے تمام شہروں میں حکم جاری کر دیا کہ جس باب میں فقہا کا اتفاق ہو اُسی پر عمل کیا جاوے جیسا کہ اُس روایت سے ثابت ہے جو دارمی میں ہے عن حمید قال قیل لعمر بن عبد العزیز لو جمعت الناس علی شیٔ فقال ما یسوٴنی انهم لم یختلفوا قال ثم کتب الی الأفاق والامصار لیقضی کل قوم بما اجتمع علیه فقهاؤهم دیکھے عمر ابن عبد العزیز نے جو تمام ممالک اسلامیہ میں عام حکم جاری کر دیا کہ فقہا کے اقوال پر عمل کیا جاوے اس سے انہوں نے ثابت کر دیا کہ اولی الامر جن کی اطاعت واجب ہے وہ صرف فقہا ہیں حکام کو اُس میں کوئی دخل نہیں۔

ابن حزم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ تقلید کو حرام سمجھتے ہیں مگر فقہا کی تقلید کے وہ بھی قائل ہیں جیسا کہ اُن کی اس عبارت سے ظاہر ہے جو الفصل فی الملل میں لکھا ہے نعم ان التقلید لا یحل البتة وانما التقلید اخذ المرء قول من دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممن لم یامرنا اللہ عزوجل باتباعه قط ولا باخذ قوله بل حرم علینا ذلك ونهانا عنه یعنی اس میں شک نہیں کہ تقلید ہرگز حلال نہیں مگر تقلید

اسی کا نام ہے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایسے دوسرے شخص کا قول مان لیا جائے جس کی اتباع کا اور اسکے قول پر عمل کرنیکا حکم خدا نے کبھی نہ دیا ہو بلکہ اونکے ماننے سے منع فرمایا اور اسکو حرام کر دیا ہو۔ حاصل یہ کہ سوائے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے کسی کی اتباع کا حکم خدائے تعالیٰ نے دیا ہو تو اُس کی اتباع اور پیروی کو تقلید ہی نہیں کہتے۔

ابن حزم رہ کے اس قول سے کہ ان التقلید لایحل البتۃ سے دہوکا ہوتا تھا کہ انہوں نے مطلقاً تقلید کو حرام کردئے اسلئے انہوں نے فقہا کی اتباع کو سرے سے تقلید ہی میں داخل نہیں کیا کیونکہ وہ تصریح کرتے ہیں کہ تقلید ایسے شخص کی اتباع کو کہتے ہیں کہ خدای تعالیٰ نے اُس کے اتباع کا کبھی حکم نہ دیا ہو۔ اور چونکہ فقہا کے اتباع کا حکم وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ سے دیا ہے اسلئے وہ تقلید ہی نہیں اس سے مقصود ان کا معلوم ہوگیا کہ اگر تقلید ہر طرح سے مذموم ہو تو فقہا کی تقلید کو ہم تقلید ہی سے خارج کر دینگے۔ اسی وجہ سے انہوں نے تقلید مذموم میں ایسی قید لگادی کہ تقلید اصطلاحی پر وہ صادق ہی نہیں آتی جب ابن حزم جیسے متشدد شخص تقلید فقہا کو بُری نہیں سمجھتے تو اُنکے پیرووں کو ضرور ہے کہ اس بات میں اغماض کرجائیں۔ اور مقلّدوں کو مشرک نہ بنائیں یوں تو فقہا اور مجتہدین بہت سے گذرے ہیں اور امام بخاری بھی فقیہ اور مجتہد تھے مگر جو بات اہل مذاہب اربعہ کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نصیب نہوئی

یہ بات شاہ ولی اللہ صاحب کے قول سے بھی معلوم ہوتی ہے جو الانصاف
میں لکھا ہے۔ وخصلۃ رابعۃ قتلوھا وہی ان تنزل لہ القبول من السماء
فیقبل الی علمہ جاعات فقہ من العلماء من المفسرین والمحدثین والاصولیین
وحفاظ کتب الفقہ ویمضی علی ذلک القبول والاقبال قرون متطاولۃ
حتی یدخل ذلک فی صمیم القلوب۔ یعنی مجتہد کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ
اُس کی قبولیت آسمان سے اُترے جس کی وجہ سے علما اور مفسرین
اور محدثین واصولیین اور حفاظ کتب فقہ اُسکے علم کی طرف متوجہ ہوں۔
اور اس قبول واقبال پر مدتیں گذر جائیں یہاں تک کہ لوگوں کے
دل میں یہ باتیں داخل ہوجائیں"۔
ہم دیکھتے ہیں کہ سب باتیں مذاہب اربعہ پر صادق آتی ہیں شاہ صاحب
ممدوح نے عقد الجید فی مسائل التقلید میں اس امر میں ایک باب ہی مدون
کیا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ باب تاکید الاخذ بھذہ المذاھب الاربعۃ والتشدید
فی ترکھا والخروج عنھا اور اُس میں لکھتے ہیں اعلم ان فی الاخذ
بھذہ المذاھب الاربعۃ مصلحۃ عظیمۃ وفی الاعراض عنھا کل
مفسدۃ کبیرۃ نحن نبین ذلک بوجوہ حاصل اُس کا یہ کہ مذاہب اربعہ
کی تقلید نہایت ضروری ہے۔ اور اُس میں بڑی مصلحت ہے اور
اُس سے اعراض کرنے میں بڑا مفسدہ ہے جس کے متعدد وجوہ ہیں
پھر بہت سے وجوہ بیان کئے جن کا ذکر موجب تطویل ہے۔ الحاصل
تمام روئے زمین پر اہل سنت کے چار ہی مذہب مشہور رہیں۔ اور

پانچواں مذہب بخاری کہیں سنا نہیں گیا۔ بلکہ جو لوگ بخاری شریف کو مانتے ہیں۔
سب سے بڑے ہوئے ہیں۔ وہ بھی امام بخاری کی تقلید کو عار بلکہ بعضے
تو شرک ہی سمجھتے ہیں اور حرمت تقلید پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں قولہ تعالیٰ
اِتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِیَاءَ وقولہ تعالیٰ
وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَاءَنَا
وقولہ تعالیٰ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور
اصل یہ اور اس قسم کی کئی روایتیں کفار کی شان میں نازل ہوئیں اسوجہ سے
کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنسے فرمایا کہ بت پرستی وغیرہ چھوڑ
دو وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے اسلئے
آپ کی نہیں سنتے اور اصل اسکی وجہ یہی تھی کہ اُن کو نبوت ہی کی تصدیق
نہ تھی پھر جب تصدیق کرتے تو فوراً بتوں کو توڑ دیتے تھے چونکہ آیتیں
مقلدوں پر چسپاں کی جاتی ہیں اس لئے اُن کی حالت پر نظر ڈالنے کی
ضرورت ہے کہ آیا اُن کو نبوت پر ایمان ہے یا نہیں اور اگر ہے تو باوجود
ایمان کے اپنے نبی کی بات نہ مان کر اپنے امام کی بات ماننے کی کیا وجہ
کیا امام کو وہ نبی سمجھتے ہیں جو خاتم الانبیا کے بعد پیدا ہوئے اور انپر
وحی اُترنے کے بھی قائل ہیں جس کی وجہ سے اُنکے مقرر کئے ہوئے
احکام کو ناسخ اور پہلے نبی یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو
منسوخ سمجھتے ہیں اسکی تحقیق یوں ہو سکتی ہے کہ کسی جاہل سے جاہل مقلد
سے پوچھ لیا جائے تو وہ ہرگز نہ کہے گا کہ میں اپنے امام کو نبی سمجھتا ہوں

اور اسی وجہ سے اُن کے قول کو واجب الاتباع جانتا ہوں۔ اِس سے
یقینی طور پر ثابت ہو جائیگا کہ کفار جو آبا و اجداد کے طریقہ کو نبی کے مقابلہ
میں جس وجہ سے پیش کرتے تھے وہ وجہ تو یہاں ہرگز نہیں پائی جاتی۔
اس لئے کہ اُس کا منشا تکذیب نبی تھا اور کوئی مقلد تکذیب نبی نہیں کرسکتا
بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ مجتہدوں کو اجتہاد کرنے کی اور اُس پر
عمل کرنے کی ہم کو اجازت دی ہے۔ اِسلئے ہم اُسپر عمل کرتے ہیں۔
البتہ احادیث جب مذہب کے خلاف پیش کی جائیں تو یہ ضرور کہا جائیگا
کہ احادیث ہمارے سر آنکھوں پر اور وہ سب واجب التعظیم ہیں اِسیوجہ
سے بخاری شریف کے ختم کو ہم باعث انجاح مرام سمجھتے ہیں اور اُسکے
اس قدر دلدادہ ہیں کہ اہل حدیث بھی نہ ہوں گے۔ مگر چونکہ کل احادیث
کے معنی بخاری شریف وغیرہ میں نہیں۔ اور جس قدر ہیں وہ امام
بخاری وغیرہ کے اجتہادی ہیں۔ جو ہمارے امام کے شاگردوں کے
شاگرد تھے۔ اس وجہ سے اُن معنی کو نہیں مانتے جو ہر شخص اپنی رای
سے بیان کرے بلکہ اُس تحقیق کو مانتے ہیں جو تمام آیات و احادیث کو
پیش نظر رکھکر ایک جلیل القدر امام الوقت بیان کرے۔ اور ہم لوگ
اسکے مامور بھی نہیں کہ جو شخص قرآن و حدیث کو پیش کرے اُسکو مان ہی
لیں بلکہ سلف صالح نے ہمیں یہ طریقہ دکھلا دیا ہے کہ غیر معتبر شخص قرآن
بھی سنائے تو نہ سُنا جائے چنانچہ سُنن دارمی میں یہ روایت ہے۔
عن اسماء بن عبید قال دخل رجلان من اصحاب الھوا علی ابن سیرین

فقال یا ابا بکر انا نحدثك قال لا قال لا فتقراء علیك آیة من کتاب اللہ
قال لا لیقومان عنی او لاقومن فقال بعض القوم یا ابا بکر و ما علیك
ان یقراء علیك آیة من کتاب اللہ تعالیٰ قال خشیت ان یقراء
علی فیحرفانها فیقر ذلك فی قلبی یعنی ابن سیرین کے پاس دو شخص
آئے جو اہل ہوا سے تھے اور کہا کہ ہم ایک حدیث آپ کو سناتے ہیں
فرمایا میں نہیں سنتا پھر کہا قرآن کی ایک آیت ہی سن لیجئے کہا نہیں اور فرمایا
تم یہاں سے چلے جاؤ یا میں اٹھ جاتا ہوں لوگوں نے کہا حضرت اگر آپ
قرآن کی آیت سن لیتے تو کیا نقصان تھا فرمایا اگر وہ آیت پڑھ کر اس کے
مضمون میں تحریف کر دیتے اور وہ ہی بات میرے دل میں جم جاتی تو
خوف کی بات تھی" دیکھئے ان لوگوں نے ابن سیرین رح کو کیسی متعصب
اور جاہل اپنی قوم میں جا کر بنایا ہوگا کہ انہوں نے نہ حدیث سنی نہ قرآن بلکہ
یہ آیت پڑھ کر ان کا کفر بھی ثابت کر دیا ہوگا جو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَا
قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ یعنی جب
قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو بجائے اسکے کہ سنکر چپ رہتے
انہوں نے سننا ہی گوارا نہ کیا پھر کس طرح وہ مستحق رحمت ہو سکتے
ہیں اور خدا جانے کیسی کیسی موشگافیاں کر کے ان کو کافر بنانے
میں کوششیں کی ہوں گی۔ مگر اہل اسلام ایسے جلیل القدر تابعی کی نسبت
یہ گمان ہرگز نہیں کر سکتے کہ انہوں نے قرآن کے سننے سے انکار
اس وجہ سے کیا کہ آیہ شریفہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ۔

اُن کو یاد نہ تھی یا اسپر عمل کرنا اُن کو منظور نہ تھا بلکہ سبب اُس کا یہ تھا کہ قرآن بہ نیت تلاوت یا وعظ نیک نیتی سے پڑھا جاے تو اُس کا سُننا واجب ہے اور اہلِ ہوا کو ایسے موقعوں میں یہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ اُن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ قرآن وحدیث کے ذریعہ سے اپنے خیالات فاسدہ اُنکے ذہن نشین کریں۔ اغراض کا مختلف ہونا اس حکایت سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے جو ایک مولویصاحب نے مجھسے کلکتہ کا چشم دید واقعہ بیان کیا کہ مقلدوں کی مسجد میں ایک غیر مقلد صاحب آکر جماعت میں شریک ہو گئے جب امام نے آمین کہی تو اُنہوں نے حسب عادت بآواز بلند آمین کہی اب تمام اہل مسجد مقلد حیران رہے کہ نماز کی حالت میں اس کا کیا تدارک کیا جاے مگر بے چین طبیعتیں کب چپ رہ سکتی ہیں ایک صاحب نے فوراً اُنکے جواب میں بآواز بلند (شالا) کہدیا جو وہاں گالی سمجھی جاتی ہے غیر مقلد صاحب تھے بڑے جری اُنسے اس گالی کی برداشت نہ ہوسکی اور اُسکے جواب میں پھر آمین بہت زور سے کہی مقلد صاحب یہ لفظ دوبارہ سنتے ہی آگ بگولا بنگئے اور بلند آواز سے (شالا بیٹا شالا) اُسی آمین کے لہجہ میں ادا کیا پھر اُنہوں نے کمال غضب سے اُسی آمین کو اور پھینک مارا غرضکہ چند بار یہ سب وشتم طرفین سے ہوتا رہا۔ اُس کے بعد لات مکی کی نوبت آئی مقصود یہ کہ مقلد صاحب کو جو (شالا بیٹا شالا) کہنے سے تشفی ہوتی تھی غیر مقلد صاحب کو لفظ آمین سے بھی وہی تشفی ہوتی تھی اب کہئے کہ اُنہوں نے اس متبرک لفظ کو گالی کے موقع میں استعمال کیا یا نہیں۔ غیر مقلدونکو

جب منظور ہوتا ہے کہ مقلدوں کو علانیہ گالی دیں تو اُن کی مسجدوں میں جاکر
آمین باواز بلند کہہ دیتے ہیں جس سے ایک ہنگامہ برپا ہوجاتا ہے بخلاف
اسکے وہی مبارک لفظ شافعیہ وغیرہ بھی نہایت بلند آواز سے کہتے ہیں
مگر کسی کو بُرا نہیں معلوم ہوتا اِس وجہ سے کہ اُنکو صرف امتثال امر اور تلاوت
مقصود ہوتی ہے۔

الحاصل جس طرح اس متبرک لفظ کے کہنے سے مقصود دوسرا تھا اسی طرح
اہل ہوا کا قرآن وحدیث سُنانے سے مقصود دوسرا ہی ہوا کرتا ہے یہاں یہ
بات قابل غور ہے کہ کیا وجہ ہے کہ باوجود ایمان اور تبحر علم کے اُن حضرات
کو اس درجہ کی احتیاط تھی کہ غیر مذہب والوں سے قرآن کی آیت بھی نہیں سنتے
تھے اس خیال سے کہ کہیں اُسکے عقائد فاسدہ کا اثر اپنے دل پر نہ پڑجاے
اور اس زمانہ میں ہر کم علم بلکہ بے علم شخص بھی اہل مذہب باطلہ کے اقوال کو
سُننے اور دیکھنے کی کچھ پروا نہیں کرتا بلکہ اس کو دینداری اور حق پسندی
سمجھکر اپنی بے تعصبی کا ثبوت دیتا ہے۔

بات یہ ہے کہ جن حضرات کو اپنے ایمان اور اعتقادات کی قدر ہے اور
قرآن وحدیث پر پورا ایمان اور جزا و سزا پر کامل یقین ہے اُنکو احتیاط
کرنے کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ خود فطرت انسانی کا مقتضیٰ ہے کہ جس چیز کو
آدمی بے بہا اور عزیز الوجود سمجھتا ہے اُس کی حفاظت میں کمال درجہ کی
احتیاط کو کام میں لاتا ہے یہاں تک کہ اپنے دوست سے بھی بدگمان رہتا
ہے سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں نگہدار زاں شوخ در کیسہ دُر ؂ کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

اب دیکھئے کہ ایک جماد کی حفاظت میں یہ احتیاط ہو تو ایمان جس پر نجات اُخروی اور ابدالاباد کی بہبودی کا مدار ہے اُس کی کس قدر احتیاط چاہیئے اور حدیث شریف میں بھی اس کی تعلیم کی گئی ہے چنانچہ مقاصد حسنہ میں امام سخاوی نے یہ حدیث نقل کی ہے قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم احترسوا من الناس بسوء الظن رواہ احمد وغیرہ یعنی لوگوں سے بدگمانی کرکے اپنی حفاظت کرو جب تک طبیعتیں تقلید کی جکڑ بندی کی عادی تھیں اہل سنت وجماعت کا گروہ ایک کثیر التعداد اشخاص پر شامل تھا اور جب تک ترک تقلید سے آزادی طبیعتوں میں آگئی ہے ایسے نئے نئے فرقے بنجاتے ہیں جن کا وجود خیال میں نہیں آتا تھا اور لامذہبی کا شیوع اُس وقت جو صدیوں میں نہیں ہوا تھا اب ہفتوں بلکہ دنوں میں ہو رہا ہے اور یہ جتنے نئے فرقے بنتے جاتے ہیں اُنہی مقلدوں کے ہم مشرب لوگ ہیں جو اب جانی دشمن بن گئے ہیں۔ غرضکہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اہل سنت و جماعت کے متدین علما نے جو تمام آیات و احادیث کو پیش نظر رکھکر بکمال جانفشانی سے دینی احکام کو منقح کرکے کتب فقہ میں لکھدئے ہیں اُن کو ہرگز نہ چھوڑیں اور مخالفین گو آیات و احادیث پیش کریں اُن کو قابل التفات نہ سمجھیں کیونکہ جتنے مذہب والے اپنے کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں سب کا استدلال قرآن و حدیث ہی سے ہے اب کہئے کہ آدمی کس کس کی پیروی کرے۔ پھر جس طرح قرآن سے ہدایت متعلق ہے کبھی ضلالت کا سبب بھی وہی ہو جاتا ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا اسلئے مقتضائے
عقل یہی ہے کہ اہل مذاہب باطلہ سے نہ قرآن سُنے نہ حدیث بلکہ جس طرح
کرور ہا اہل سنت وجماعت جن میں علماء محدثین اور اولیا اللہ شریک ہیں
قرناً بعد قرن مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کے مقلد رہے ہم کو
بھی چاہیئے کہ اُنہی کی پیروی کریں۔ کیونکہ اسلام میں اجماع بھی ایک بڑی
چیز سمجھی جاتی ہے۔ یہ بات مشاہد ہے کہ جس کسی کو مقتدا بننا منظور ہوتا ہے
تو چند آیات واحادیث میں غور وفکر کرکے اور اقوال سلف اور عقل سے
مدد لیکر کسی بات کو مہتم بالشان بنا دیتا ہے اور جہلا جنکو دین کی عقل نہیں
ہوتی اُسکے دام میں پھنس جاتے ہیں یہاں تک کہ اُن کا ایک فرقہ بنجاتا ہے
اور وہ سب اُسکے تابع اور مقلد کہلاتے ہیں اور وہ اُن کا مقتدا۔ اور جو
عقلمند ہوتے ہیں وہ سمجھ جاتے ہیں کہ ہمیں جاہل سمجھکر چاہتا ہے کہ اپنے
تابع اور مقلد بنائے اور خود ہمارا پیشوا اور حاکم بنے اور وہ خیال کرتے ہیں
کہ ہم مجتہد تو ہو ہی نہیں سکتے کسی نہ کسی کی تقلید کا قلادہ ہماری گردن میں
ضرور ہوگا تو ہر کس وناکس کی تقلید کا عار کیوں قبول کریں اور ایسے شخص کی
تقلید کیوں نہ کریں جن کے تدین اور اورع اور اعلم اور افقہ ہونے پر
امام بخاری رح کے صدہا اساتذہ نے گواہی دی ہے اور اُسی زمانہ کے
اکابر محدثین نے اُن کو اپنا مقتدا مان لیا اور لاکھوں علما نے جن میں اکثر
صحاح ستہ کی احادیث سے بخوبی واقف تھے اُن کی تقلید کی ایسی
جلیل القدر امام کی تقلید کو چھوڑکر کسی آخری زمانہ والے کے ہاتھ میں اپنا

قلادہ دینا عقل سے بعید ہے مثل مشہور ہے اذا سرقت فاسرق الدرۃ
غرضکہ مقلدین جو اپنے آبا و اجداد کے طریقہ پر ہیں یہ بات اُن کو بتواتر
معلوم ہوئی ہے کہ امام صاحب نے اکابر محدثین کے مجمع میں تحقیقات
کر کے فقہ مدون کی تھی جو نسلاً بعد نسل اُن تک پہونچی ہے اب اگر اسی کا
نام تقلید آبائی رکھہ کر کفار کی تقلید آبائی کے ساتھہ وہ برابر کردی جاے
تو تمام مسلمانوں پر یہی الزام لگ سکتا ہے کیونکہ نہ انھوں نے اپنے نبی کو
دیکھا نہ اُن کی باتیں سنیں نہ معجزے دیکھے بلکہ اپنے آبا و اجداد ہی سے
سُن سنکر ایمان لاے مگر جو لوگ سمجھدار ہیں وہ یہی کہینگے کہ ہر زمانہ کے
معتمد علیہ مسلمان خصوصاً اپنے آبا و اجداد جنپر اعتماد زیادہ ہوتا ہے جب اُن
تمام امور کی گواہی دیتے آئے تو بعد والوں کو نبوّت کا یقینی علم ہوگیا اب
اگر یہ تقلید بھی ہے تو ایسے امر میں ہے جو اسلام میں ضروری سمجھا گیا ہے
اور جس کا وجود تواتر سے ثابت ہوگیا ہے اسی طرح مقلّدین کی تقلید
آبائی کا حال ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ اس زمانہ میں تقلید مذاہب اربعہ
سے بہتر کوئی مستحکم قلعہ نہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھا ہے
اگر تقلید آبائی کا فقرہ سُنکر کسی کو عار آجاے اور اس قلعہ سے باہر نکل
پڑے تو کسی نہ کسی مکّار غدّار کا ضرور شکار ہو جاے گا۔ کیونکہ ہر شخص کا
کام نہیں کہ مخالفوں کی دلائل کو رد کر کے اپنا حقانی دین و مذہب ثابت
کر سکے۔ اس صورت میں ضرور کسی ایسے شخص کی تقلید کرنی ہوگی کہ نہ
اُس کو دین سے کام ہے نہ مذہب سے غرض بلکہ صرف جاہلوں کا

مقتدا بننا اور انکو اپنے مقلد بنانا منظور ہوگا اس موقع میں بعض لوگ یہ دہوکا
دیتے ہیں کہ ہم اپنی تقلید کرانا نہیں چاہتے بلکہ عمل بالحدیث چاہتے ہیں
یہ ایسا فقرہ ہے کہ بھولے بھالے مسلمانوں کے دلوںپر افسوں کا کام کرجاتا
ہے مگر اہل علم سمجھتے ہیں کہ عمل بالحدیث ہر شخص کا کام نہیں اسکے لئے
اعلیٰ درجہ کی قوت اجتہادیہ کی ضرورت ہے دیکھئے عمر رضی اللہ عنہ
نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جب مناظرہ کیا کہ زکوٰۃ نہ دینے والوںسے
جہاد درست نہیں اُسوقت صحیح حدیث پیش کی جسکو صدیق اکبر رضؓ بھی جانتے
تھے۔ باوجود اس کے اُنہوں نے جہاد کی ضرورت سمجھی اور خدا جانے
کونسی آیات واحادیث پیش نظر ہوگئی تہیں کہ اُنہوں نے اُس حدیث پر
عمل کرنا درُست نہیں سمجھا آخر کل صحابہ نے اُس حدیث کو ترک کرکے صدیق اکبر
رضی اللہ عنہ کے اجتہاد ہی کو مان لیا اس سے ظاہر ہے کہ وہی احادیث
اور اُنکے معنی دین میں معتبر ہیں جو مجتہدوں کے ذریعہ سے پہونچیں اگر صحیح
حدیث کے پیش ہوتے ہی اُسپر عمل واجب ہوتا تو صدیق اکبر رضؓ کو اجتہاد
پر کبھی جرأت نہ ہوتی غرضکہ بخاری شریف کی حدیثیں اُسیوقت واجب العمل
ہوگئی کہ مستند مجتہد کے اجتہاد میں بھی واجب العمل قرار پائیں مولٰنا
شاہ ولی اللہ صاحب نے عقد الجید میں لکھا ہے کہ کسی خصوصیت مقام
اور قرائن خاصہ کی وجہ سے صحت حدیث ثابت ہوتی ہے اور جدلی امور
کلیہ سے اُس کا ابطال کرنا چاہتا ہے سو اُسکی مثال ایسی ہوگی کہ کسی پتھر کو
مثلاً دیکھنے سے یقین ہوتا ہے کہ وہ پتھر ہے مگر جدلی اُسمیں شک ڈالنے کی غرض سے

کہتا ہے کہ ہر چیز کی شناخت رنگ اور شکل وغیرہ سے ہوتی ہے اور چونکہ
ان امور میں تشابہ ہوتا ہے اسلئے اُسکے پتھر ہونے کا یقین نہیں ہو سکتا
جب قرائن خاصہ سے حدیث کی صحت ثابت ہو جاوے تو جدلی کا قول
قابل اعتبار نہ ہوگا بلکہ ایسے موقع میں سکون اور اطمینان قلب دیکھا جاتا ہے
جو مشاہدہ اور قرائن سے حاصل ہوا تھا۔ اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا
کہ اگر کسی مسئلہ میں صحت کسی حدیث کی ثابت ہو جاوے اور دوسرے احادیث
یا قرائن سے مجتہد کو سکون اور اطمینان حاصل نہ ہو تو انکو ضرور ہوگا کہ اجتہاد
کرکے ایسا حکم مستنبط کریں جس سے انکو اطمینان حاصل ہو اسی وجہ سے اکثر
اُن کو صحیح حدیثیں چھوڑنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ صحابہ کبار
کے طریقہ عمل سے ثابت ہوا۔

غرضکہ جن کو درجہ اجتہاد حاصل نہیں اُن کو سکون اور اطمینان قلبی حاصل
کرنیکا یہی طریقہ ہے کہ تحقیق کریں کہ معتمد علیہ مجتہد نے بھی حدیث مبحوث عنہ کو
واجب العمل قرار دیا یا نہیں اگر ہر طالب علم کے کہنے سے عمل بالحدیث
کرنے لگیں تو اُن طلبہ کے مقلد بازیچۂ اطفال بنجاینگے۔ کیونکہ اس زمانہ میں
مجتہد بننا ہرگز قرین قیاس نہیں اسوجہ سے کہ مجتہد کو ضرور ہے۔
کہ اجتہاد کرکے ہر مسئلہ میں اطمینانی کیفیت حاصل کرے کہ یہی شارع
کی مراد ہے اور کسی مسئلہ دینیہ میں اطمینانی کیفیت اُسوقت تک نہیں پیدا
ہو سکتی کہ تمام آیات اور تمام احادیث اور تمام اقوال صحابہ جو اُس مسئلہ سے
متعلق ہیں پیش نظر نہوں۔ جیسا کہ مولنا شاہ ولی اللہ صاحب نے انصاف میں

لکھا ہے وثانیھما ان یجمع الاحادیث والآثار فیحصل احکامھا وینتبہ بالمآخذ الفقہ ویجمع مختلفھا الصحیح صحیح احادیث وآثار کا مفقود ہو جانا یقیناً ثابت ہے تو یہ چند موجودہ حدیثیں اُن لاکھوں کے قائم مقام کیونکر ہو سکیں پھر احادیث میں قابل اعتماد وہ حدیثیں ہوتی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری قول یا فعل مذکور ہو جیسا کہ بخاری شریف میں ہے قال الزھری وانما یوخذ من امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الآخر فالآخر جب لاکھوں حدیثیں تلف ہو گئیں تو اس قسم کی بھی سینکڑوں بلکہ ہزاروں ضرور تلف ہوئی ہوں گی۔ ہاں اگر اصحاب صحاح ستہ یہ تصریح کر دیتے کہ کل صحیح حدیثیں ہمیں پہونچگئی ہیں مگر کسی مصلحت سے ہم نے بیکار حدیثوں کو ترک کر دیا اور کام کام کی حدیثیں صحاح میں لکھدیں تو ان کے اعتماد پر یہ کہنا ممکن تھا کہ تلف شدہ حدیثوں کو دین کے معاملہ میں کوئی دخل نہ تھا۔ اس لئے اُن کا تلف ہونا ہی اچھا ہوا جس سے حفاظت کی مصیبت سر سے ٹلگئی مگر یہ بھی ثابت نہ ہوا اس لئے کہ کسی محدث نے یہ دعوی کیا ہی نہیں کہ مجھے کل صحیح حدیثیں پہونچی ہیں اور میں نے اُن حدیثوں میں سے وہی حدیثیں انتخاب کر کے اپنی کتاب میں لکھی ہیں جن میں حضرت کے آخری قول اور فعل ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو صحاح ستہ میں ہر مسئلہ سے متعلق ایک ہی حدیث ہوتی۔ حالانکہ بخاری وغیرہ کتب صحاح میں اکثر متعارض حدیثیں موجود ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف ناسخ اور معمول بہا حدیثوں کے لکھنے کا انھوں نے التزام نہیں کیا۔

دیکھئے بخاری شریف میں یہ حدیث موجود ہے قال ابو الدرداء کیف
کان عبد اللہ یقرؤ واللیل اذا یغشی قال والذکر والانثی فقال
ابو الدرداء ما زال ھؤلاء حتی کادوا یشککونی وقد سمعتہا من
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر بخاری شریف میں کل روایتیں واجب العمل
ہوتیں تو سورۂ واللیل میں کوئی نہیں تو اہلحدیث ضرور والذکر والانثی پڑھتے
حالانکہ غالباً وہ بھی ایسا نہ پڑھتے ہونگے اس سے ظاہر ہے کہ بخاری شریف
میں بھی واجب العمل اور غیر واجب العمل ہر قسم کی روایتیں موجود ہیں۔
اب بتائیے کہ کیا ممکن ہے کہ آخری زمانہ والے اجتہاد کے مدعی تمام
صحیح اور ناسخ حدیثیں حاصل کریں جس سے اطمینانی کیفیت دل میں پیدا
ہو۔ اس زمانہ میں اطمینانی کیفیت پیدا ہونیکی تدبیر سوائے اسکے اور کوئی
نہیں ہوسکتی کہ وہ لاکھوں حدیثیں کان لم یکن فرض کرلیجائیں اور یہ خیال
کرلیا جاوے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فرمایا ہی نہیں مگر یہ تصور
خلاف واقع ہوگا اور جو اجتہاد اسپر متفرع ہوگا وہ بناء الفاسد علی الفاسد ہوگی
اگر انصاف سے دیکھا جاوے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ چند صحاح ستہ
کی حدیثیں اُسوقت غنیمت اور کافی سمجھی جاتی کہ کل احادیث کا ماحصل اور
خلاصہ ہمارے پاس نہ ہوتا۔ مگر جب اکابر دین کی شہادتوں سے ثابت
ہوگیا کہ فقہ حنفیہ تقریباً کل حدیثوں کا ملخص ہے تو مقتضائے عقل یہی ہے
کہ اُسی کو قائم مقام کل حدیثوں کے تصور کرلیں۔

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب بوی گل را از کہ جوئیم از گلاب

یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ خود محدثین نے کہا ہے کہ ابوحنیفہؒ نے احادیث کو محفوظ کر دیا۔

غرضکہ جب امام صاحب نے تمام آیات و احادیث و آثار کو جمع کر کے انسے مسائل جزیہ کے استخراج کا بارگراں اپنے ذمہ لیا اور اُس کام میں جسقدر ضرورتیں پیش آئیں سب کو نہایت اہتمام اور احتیاط سے پوری کیا تو اُن کی محنت شاقہ کو کا لم یکن کر کے طے شدہ امور کو بے بضاعتی کی حالت میں از سرنو شروع کرنا کس قدر بے ضرورت اور فضول ہے اگر اسی فقہ پر ظن غالب کر لیا جاے کہ تمام احادیث و آثار کا خلاصہ ہے تو اُس کو تائید دینے والے بہت سے اکابر دین کی شہادتیں موجود ہیں بخلاف اسکے اب جو اجتہاد کیا جائیگا اُسپر ہرگز حسن ظن نہیں ہو سکتا کہ وہ کل احادیث کا خلاصہ ہے اور جب تک کسی چیز پر ظن غالب نہ ہو وہ شریعت میں قابل اعتبار نہیں اسی وجہ سے اُمت مرحومہ میں مذاہب حقہ وہی چار تسلیم کیے گئے ہیں جنکی تدوین صحاح ستہ کی تدوین سے پہلے ہو چکی ہے جس زمانہ میں تقریباً کل صحیح حدیثیں موجود تھیں اور اُس کے بعد مفقود ہو گئیں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب انصاف میں لکھے ہیں کہ اہل حق کے اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ واجب اصلی یہ ہے کہ اُمت میں ایک شخص ایسا ہو کہ احکام فرعیہ اور تفصیلیہ سے معلوم کرے چونکہ مقدمہ واجب واجب ہے تو اگر کسی واجب کے حاصل کرنیکے کئی طریقہ ہوں تو کسی ایک طریقہ کا حاصل کرنا واجب ہو گا۔ اور جب ایک ہی طریقہ اُس کا معین ہو جاے تو صرف اُسی طریقہ کو

حاصل کرنا واجب ہے۔ مثلاً کوئی شخص حالت مخمصہ میں مبتلا ہو جس سے خوف ہلاکت ہو تو اس مخمصہ کو دفع کرنیکے لئے غذا خریدے یا جنگل سے میوے وغیرہ چنکر کہائے یا شکار کرے۔ غرضکہ ان مختلف طریقوں سے کوئی ایک طریقہ دفع ہلاکت کے لئے اختیار کرنا ضرور ہوگا۔ اور اگر سب طریقے مسدود ہوں اور ایک ہی طریقہ کہلا ہو مثلاً خریدی غذا کا تو اُسپر واجب ہوگا کہ کچھ خرید کر کے کہائے انتہی۔ دیکھئے جب کل احادیث خصوصاً ناسخ حدیثوں کے حاصل کرنیکے سب طریقے مسدود ہو گئے اسلئے کہ لاکہوں حدیثیں مفقود ہوگئیں تو اب واجب یہی ہے کہ فقہ کی تقلید کیجائے جس کے خلاصہ احادیث ہونے کا ظن غالب ہے کیونکہ بخاری وغیرہ پر ظن غالب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کل احادیث کا مجموعہ یا خلاصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لاکہوں علما باوجودیکہ صحاح ستہ کو خوب جانتے تہے مگر مذہب ہی کی تقلید کرتے رہے

یہاں یہ بات بہی معلوم کرنیکے لائق ہے کہ ابتداً کن لوگوں نے ترک تقلید کر کے خودسری اور تحقیق کا دعویٰ کیا۔ کتب احادیث و تواریخ سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ وہ تھے جنکو صحابہ نے خوارج کا لقب دیا تھا ہرچند اس لفظ کے اور بھی معنی ہیں مگر اس لحاظ سے بہی یہ لقب اُن پر صادق آجاتا ہے کہ وہ تقلید سے خارج ہو گئے تہے بمناسبت مقام تھوڑا سا حال اُن کا یہاں لکھا جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہ رضی اللہ عنہما میں متعدد جنگ ہوئے اور یہ تجویز قرار پائی کہ طرفین سے حکم مقرر ہوں

اور انکی راے پر فیصلہ قرار پایا۔ یہ بات اُن لوگوں کو ناگوار ہوئی جنکو کمال تقویٰ اور علم کا دعویٰ تھا وہ لوگ علی کرم اللہ وجہ کے لشکر سے یہ کہہ کر علٰحدہ ہوگئے کہ حکم کرنا خداے تعالیٰ کا کام ہے جب علی رضی اللہ عنہ دوسرے کے حکم بننے پر راضی ہوے تو وہ کافر حلال الدم ہوگئے اب اُن کی اتباع اور تقلید جائز نہیں۔ ابوالفرج ابن جوزی رح تلبیس ابلیس میں لکھا ہے کہ یہ لوگ اپنے کو علم میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے زیادہ سمجھتے تھے ہرچند ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اُنسے کہا کہ علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ تمام مہاجرین و انصار ہیں جن میں قرآن نازل ہوا وہ تم سے زیادہ قرآن کے معنی جانتے ہیں اُن کے جیسا ایک شخص بھی نہیں مگر اُنھوں نے نہ مانا اور کئی سوال کیے جن میں ایک یہ تھا کہ خداے تعالیٰ تو فرماتا ہے ان الحکم الا للہ اور علی رض نے آدمیوں کو حکم مقرر کیا۔ آدمیوں کو حکم بننے سے کیا تعلق تلبیس ابلیس کی یہ عبارت ہے قالوا اما احدھن فانہ حکم الرجال فی امر اللہ وقد قال اللہ تعالیٰ ان الحکم الا للہ فما شان الرجال و الحکم بعد قول اللہ اور اسمیں لکھا ہی کہ خوارج میں سے حرقوص وغیرہ نے علی کرم اللہ وجہ سے کہا لاحکم الا للہ آپنے بھی فرمایا لاحکم الا للہ یہ سُنکر اُسنے کہا جب یہی بات ہے تو توبہ کرو اور اپنے فیصلہ سے رجوع کرو اور اگر ایسا نہ کروگے تو ہم تم سے جنگ کریں گے۔ لکھا ہے کہ جب جنگ شروع ہوئی تو خوارج کی فوج میں ہر ایک دوسرے سے کہتا تھا کہ تھیئوا للقاء الرب الرواح الرواح الی الجنۃ

یعنی اپنے رب سے ملنے کے لئے آمادہ ہوجاؤ اور چلو جنّت کی طرف جلدی چلو، بڑی عبرت کا مقام ہے کہ وہ کیسے قوی الایمان لوگ تھے۔ کہ راہ خدا میں جان دینا انپر ذرا بھی گران نہ تھا بلکہ اُن کے یہ چند گراں بہا معنی خیز الفاظ اُن کے دلی ولولوں کو کس وضاحت سے بیان کر رہے ہیں کہ اُن کی عمر کا وہ ایک ہی دن تھا جس میں عمر بھر کی سعی اور جانفشانیوں کا نتیجہ پیش نظر ہوگیا تھا اُن کا ایمان اور صدق ہرگز گوارا نہیں کرتا تھا کہ وہ دن ٹل جاسے موت کی تاخیر کو وہ ایک صدمۂ جانکاہ سمجھتے تھے حور و قصور اور جنّت کے تمام سامان پیش نظر ہوگئے تھے کہ اب کوئی دم میں ہاں پہونچکر مصائب دنیوی سے سبکدوش ہوجاتے ہیں اور خدا تعالی کی ملاقات جس کی تمنا عمر بھر رہی اب ہونے کو ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بزرگان دین کی توہین اور خودسری و ترک تقلید نے سب آرزوؤں کو خاک میں ملادیا اور بجاے جنّت کے دوزخ کا مستحق بنادیا۔ اگر چوں وچرا نہ کرکے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تقلید کرلیتے تو وہ آرزوئیں پوری ہوتیں۔ بلکہ اُنسے بھی زیادہ کے مستحق ہوجاتے۔

لکھا ہے کہ جب نہروان پر کئی ہزار خوارج مارے گئے تو عبدالرحمن بن ملجم وغیرہ نے اپنے مقتول رفقا کا ذکر کرکے کہا کہ وہ ایسے لوگ تھے کہ جنکو خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا خوف نہ تھا وہ تو مقصود کو پہونچگئے اب ہم کو چاہئے کہ اپنی جانیں دیکر اپنے لئے بھی جنّت خرید لیں اور ان گمراہ آئمہ یعنی علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہ رضہ کو قتل کرکے بندگان خدا کو راحت

پہونچائیں چنانچہ مکہ معظمہ میں یہ عہد و میثاق موکد ہوا کہ ابن ملجم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اور برک معاویہ کو اور عمرو بن بکر عمرو بن عاص رضہ کو ایک ہی روز قتل کر ڈالیں چنانچہ ابن ملجم شقی کوفہ کو گیا اور اپنا معاہدہ پورا کیا۔

اُسکے استقلال کا حال لکھا ہے کہ جب وہ قتل کے لئے قید خانہ سے نکالا گیا تو عبداللہ ابن جعفر رضہ نے اُسکے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹے مگر اُسنے اُف نہ کیا۔ پھر گرم گرم سیخیں آنکھوں میں پھیری گئیں جب بھی استقلال کو نہ چھوڑا بلکہ کمال استقلال سے سورۂ اقرا کی قرارت شروع کی اور یہ حالت تھی کہ اُدہر آنکھوں سے خون بہہ رہا ہے اور آنکھیں نکل پڑھی ہیں اور ادہر زبان پر سورۂ اقرا برابر جاری ہے یہاں تک کہ اُس سورہ کو ختم کیا۔ اُسکے بعد زبان کاٹنے کے لئے پچھاڑا گیا اُسوقت جزع و فزع کرنے لگا جب اُس کا سبب پوچھا گیا تو کہا مجھے گوارا نہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا وقت گذرے کہ جس میں خداے تعالیٰ کا ذکر نہ کر سکوں اور فی الحقیقت کثرت عبادت اُس کے چہرہ سے نمایاں بھی تھی کثرت سجود سے اُسکی پیشانی پر گھٹا ہو گیا تھا خوارج کا اعتقاد اُس کی نسبت یہ تھا کہ آیۂ شریفہ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ اُسی کی شان میں نازل ہوئی تھی۔

ہم خیال اہل مذہب تو اُس کی تعریفیں کرتے ہی ہونگے اُسکی بلکہ اُسکے تمام مذہب والوں کی حالت یہ تھی کہ جو شخص سنے گا اُنکے تقویٰ اور استقلال اور قوت ایمانی کا قائل ہو جائیگا۔ کیوں نہ ہو حدیث میں اُن کی کثرت عبادت

یا ذکر وارد ہے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے عن ابی سعید رضؓ قال
سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یخرج قوم فیکم تحقرون
صلوتکم مع صلوٰتھم وصیامکم مع صیامھم واعمالکم مع اعمالھم
یقرؤن القرآن ولایجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم
من الرمیة اخرجاہ فی الصحیحین وعن عبد اللہ ابن ابی اوفی قال سمعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الخوارج کلاب النار کذا فی
تلبیس ابلیس لابن الجوزی رح یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ تم میں ایک قوم ایسی نکلیگی کہ اُن کی نماز اور روزہ اور کل اعمال کے
مقابلہ میں تم اپنی نماز روزہ اور کل اعمال کو حقیر سمجھیں گے وہ قرآن پڑھینگے
مگر اُن کے حلقوں کے نیچے نہ اُتریگا وہ دین سے ایسے نکلجائیں گے۔
جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ خوارج دوزخ کے کتے ہیں
اور اس فرقہ کے احوال کسی قدر مبسوط ہم نے انوار احمدی میں لکھا ہے
غرضکہ احادیث اور اُن کے احوال سے ثابت ہے کہ کتنا ہی تقویٰ اور
عبادت کی جاے خودسری ہو تو وہ سب وبال جان ہے اور مفید ہو
تو ایمان کے ساتھ بزرگان دین کی تقلید اور تکریم۔
اُن لوگوں کی احتیاط کا حال لکھا ہے کہ اُن میں اکثر قائل تھے کہ نانا اگر نواسی
کے ساتھ نکاح کرے تو جائز ہے اسلئے کہ قرآن شریف میں صرف بنات کا
ذکر ہے بنات البنات کا اُسپر قیاس کرنا جائز نہیں اور زانی کے رجم کو بھی
وہ جائز نہیں سمجھتے تھے اس لئے کہ قرآن شریف میں اُس کا ذکر نہیں

اور اُن کا عقیدہ تھا کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے اور ابدالاباد کفار کے ساتھ دوزخ میں رہیگا۔ اِسلئے کہ شیطان باوجودیکہ خدا تعالی کی توحید کا قایل اور عارف تھا مگر صرف ایک کبیرہ جو اُس سے صادر ہوا کہ آدم علیہ السلام کو اُس نے سجدہ نہ کیا اس لئے کافر اور ابدالاباد کے لئے دوزخی ٹھیرا۔ اُن کے مذہب میں یہ بات بھی داخل ہے کہ عثمان اور علی رضی اللہ عنہما سے تبری اور اُن کی تکفیر ضروری ہے بغیر اسکے مناکحت صحیح نہیں۔

ان امور سے ظاہر ہے کہ اُن کی طبیعتوں میں کس درجہ کی احتیاط اور حرارت اسلامی تھی کہ ذرا بھی قرآن کی مخالفت کا احتمال ہو تو تکفیر ہی کر ڈالتے تھے اور کیسے ہی اعلیٰ درجہ کے صحابی کیوں نہ ہوں اُن کو کافر کہدینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اجتہاد کو بالکل مانتے نہ تھے۔ حالانکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ کو اجتہاد کی اجازت دی تھی مگر اُن کی بھی اجتہاد کو نہ مانا اور نہ اُنکی تقلید کی۔ اب دیکھئے کہ یہ لوگ سلف صالح کی تقلید کو شرک بتاتے ہیں اور مجتہدوں کی توہین کرتے ہیں اور عقلی دلائل قائم کرکے جو کام خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیماً کیا اور صحابہ کرتے رہے اُسکو برا سمجھتے ہیں اور بات بات میں مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں اور بزرگان دین کی شان میں بدگوئیاں کرتے ہیں اور ضرورت سے زیادہ دین میں تشدد کرتے ہیں وہ کس جماعت میں محسوب ہوں گے۔

اسلام میں پہلا فرقہ جو مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہوا وہ فرقہ خوارج ہی اور سبب اُن کے خارج ہونیکا یہی ہوا کہ خود ظاہر قرآن سے مسئلے نکالنے لگے

چنانچہ قولہ تعالیٰ ۔ ان الحکم الا للہ پر استدلال کر کے مستند مجتہد وقت یعنی علی کرم اللہ وجہ کی تقلید چھوڑ دی اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوزخ کے کتے ہوئے اب مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ طریقہ اختیار نہ کریں جس نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالا اور تفرقہ اندازوں کو دوزخی بنایا ۔ بلکہ وہ طریقہ اختیار کریں جو صحابہ سے آج تک اہل سنّت وجماعت میں جاری ہے یہ تقریر ضمناً آگئی کلام اس میں ہے کہ متعدد تصریحات اور قرائن سے اس بات کا ظن غالب پیدا کر دیا ہے کہ فقہ احادیث و قرآن کا خلاصہ ہے ۔ اور ظن غالب شرعاً عقلاً عرفاً قابل اعتبار سمجھا گیا ہے ۔

اسی وجہ سے جب تک دو معتبر شخص کسی بات پر گواہی نہ دیں کسی دعویٰ کا ثبوت نہیں ہوسکتا ۔ اور جب دو گواہ پیش ہو جائیں تو پھر یہ انتظار نہ ہوگا کہ مدعی اتنے گواہ پیش کرے کہ اُن کی تعداد حد تواتر کو پہونچ جائے ۔ جو مفید علم قطعی ہے اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح یقین پر آثار مرتب ہوتے ہیں ظن غالب پر بھی ہوتے ہیں ۔ اسیطرح اگر سمت قبلہ میں شک واقع ہو تو جب تک قرائن سے کسی جہت پر ظن غالب نہ ہو نماز صحیح نہیں ہوتی گو قبلہ ہی کی طرف کیوں نہ پڑھی جائے اور اگر تحصیل ظن غالب کے بعد خلاف جہت پڑھی جائے تو نماز صحیح ہو جائیگی ۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ ظن پر وہی آثار مرتب ہوتے ہیں جو یقین پر ہوتے ہیں ۔

محدثین خبر واحد کو بھی واجب العمل کہتے ہیں جیسا کہ نکت میں ابن حجرؒ نے لکھا ہے واما شرط العدد فی الحدیث الصحیح فقد قال بہ قدیما

ابراهیم وغیرہ وعقد الشافعی رح فی الرسالۃ بابا محکما لوجوب العمل بخبر الواحد وخبر الواحد عندھم ھو ما لم یبلغ درجۃ المشہورۃ سواء رواہ شخص واحد او اکثر. مگر اس کے ساتھ ہی کئی شرطیں بھی لگائی گئیں جن سے ظن غالب پیدا ہو چنانچہ الفیہ عراقی میں صحیح حدیث کی شرطیں لکھی ہیں۔

فالاول متصل الاسناد	ینقل عدل ضابط الفؤاد
عن مثلہ من غیر ما شذوذ	وعلۃ قادحۃ فتوذی
وبالصحیح والضعیف قصدوا	فی ظاہر لا القطع والمعتمد

یعنی صحیح وہ روایت ہے جس میں ہر راوی ملازم تقویٰ اور اعلیٰ درجہ کا متقی اور صادق ہو۔ اور ہوشیار ہو بیوقوف نہ ہو اور خوب یاد رکھے اور اگر کتاب میں لکھ لیا ہو تو کتاب کی خوب حفاظت کرے اور کسی ثقہ کے مخالف روایت نہ کیا ہو۔ اور کوئی علت قادحہ اُس میں نہ ہو" الحاصل جب اتنے قرائن ہوں تو وہ حدیث صحیح اور واجب العمل ہوگی گو قطعی علم اُس سے حاصل نہیں ہوتا چنانچہ فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں امام سخاوی رح نے لکھا ہے القطع انما یستفاد من التواتر او القراین المختلف بھا الخبر ولو کان احادا یعنی علم قطعی بغیر خبر تواتر کے یا اُس خبر کے جس میں کئی قرینے ہوں حاصل نہیں ہو سکتا۔ غرضکہ ایک شخص کی خبر ہر گز قابل اعتبار نہیں مگر جب قرائن سے اُسکی صحت کا ظن غالب ہو جائے تو وہ واجب العمل ہو جاتی ہے۔ لیکن باوجود اِسکے غلطی کا

احتمال لگا رہتا ہے جیسا کہ فتح المغیث میں لکھا ہے وبالصحیح والضعیف قصدا الصحۃ والضعف فی ظاہر الحکم بمعنی انہ اتصل مسندہ مع سائر الاوصاف المذکورۃ او فقد شرط من شروط القبول لجواز الخطأ والنسیان علی الثقۃ والضبط والاتقان وکذا الصدق علی غیرہ کما ذہب الیہ جمہور العلماء من المحدثین والفقہا والاصولین ومنہم الشافعی رح مع التقیید بالعمل منی ظننا ہ صدقا الخ: یعنی اگر کسی حدیث کی اسناد متصل ہو اور تمام اوصاف صحت اُس میں پائے بھی جائیں جب بھی احتمال خطا ونسیان لگا ہوا ہے۔ اسلئے کہ ثقہ سے خطا ونسیان ممکن ہے" اس کے سوا اور کئی محدثین کے اقوال ابھی نقل کئے گئے جس سے ثابت ہے کہ اسناد کیسی ہی صحیح ہو مگر اُس سے یہ علم قطعی نہیں ہوتا کہ متن حدیث صحیح ہے البتہ قرائن سے ظن غالب ہو جاتا ہے کہ متن بھی صحیح ہوگا۔ اور اسی ظن غالب سے اُس حدیث پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اب دیکھئے کہ جن محدثین کے نام صحیح حدیثوں کے اسناد میں داخل ہیں جنکی صداقت بیان کو یہ قوت حاصل ہے کہ حدیث کو سامع کے اعتقاد میں صحیح اور واجب العمل بنا دیتی ہے۔ انھیں میں کے اکثر حضرات فقہ حنفیہ کو مطابق حدیث اور قابل وثوق بیان کر رہے ہیں پھر اس جم غفیر کے اخبار کے وثوق پر یہ کیوں نہ کہا جائے کہ جو مسائل فقہیہ بخاری وغیرہ کے مخالف ہیں در اصل اُن احادیث صحیحہ کے موافق جو امام بخاری وغیرہ متاخرین رح کو

نہیں پہونچیں پہونچیں ہی تو ضعیف بنکر اُن حضرات کے زمانہ میں وہ سب صحیح
اور واجب العمل تھیں۔ غرضکہ بخاری و مسلم کی حدیثوں کو صحیح بنانیوالے
حضرات جب فقہ حنفیہ کو مطابق احادیث کہہ رہے ہیں تو بخاری و مسلم کو
صحیح ماننے والوں کو اس بات کا ظن غالب ہونا ضرور ہے کہ فقہ حنفیہ واجب
العمل ہے۔ اور بخاری وغیرہ میں وہ حدیثیں موجود تھیں جنکے مطابق
فقہ حنفیہ ہے۔ اور اگر یہ ظن پیدا نہ ہو تو اس سے یہ لازم آئیگا کہ بخاری
وغیرہ کی صحت پر بھی حسن ظن نہیں ہے۔
اس میں شک نہیں کہ صحیح حدیثیں واجب العمل ہیں اور موضوع حدیث پر
عمل درست نہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو حدیث صحیح ہو واجب العمل
ہے چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے طریقہ عمل سے معلوم
ہوا کہ عمل بالاجتہاد کو عمل بالحدیث پر ترجیح دی۔ اور اگر صحیح حدیث واجب العمل
ہوتی تو امام بخاری رح لاکھ صحیح حدیثیں ضرور جمع کر دیتے جو اُن کو یاد
تھیں تاکہ ہر ایک پر لوگ عمل کریں۔ اگر کہا جائے کہ امام بخاری نے
واجب العمل انہی حدیثوں کو سمجھا جو بخاری شریف میں ہیں تو ہم کہینگے
یہ سمجھنا اُن کا اجتہاد تھا۔ دوسرے مجتہدوں پر حجت نہیں ہو سکتا جسطرح
انہوں نے ان احادیث کو واجب العمل سمجھا دوسرے مجتہدوں نے
دوسری صحیح حدیثوں کو سمجھا۔ پھر بخاری میں بھی تو کل حدیثیں واجب العمل
نہیں ہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ سورۂ واللیل کی روایت پر عمل نہیں۔
غرضکہ صحیح بخاری کی مخالفت سے مقلدوں پر یہ الزام نہیں آسکتا کہ اُن کا

مخالف حدیث ہے۔

پھر بخاری شریف ایسے زمانہ میں لکھی گئی کہ لاکھوں صحیح حدیثیں مفقود ہوگئیں جو ائمۂ اربعہ کے زمانہ میں موجود تھیں۔ جنکے موافق فقہ خصوصاً فقہ حنفیہ کا ہونا امام بخاری رح کے صدہا اساتذہ کی گواہیوں سے ثابت ہے۔ اب مذاہب اربعہ پر یہ الزام جو لگایا جاتا ہے کہ وہ بخاری کے مخالف ہیں اسکا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ امام بخاری کو وہ صحیح حدیثیں ملی ہی نہیں جو آئمہ کو خصوصاً امام صاحب کو ملی تہیں اور اگر ملی بہی تھیں تو اُن کو قوت اجتہادیہ اور تفقہ نے اُن مسائل کے نکالنے پر یاری نہیں دی جو امام صاحب نے نکالا تھا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں اعمش اور اوزاعی جیسے حضرات امام صاحب کے مقابلہ میں نحن العطارون وانتم الاطباء فرما چکے ہیں۔

اب یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ بخاری شریف میں جو حدیثیں مذکور ہیں ائمہ اربعہ کے زمانہ میں تھیں یا نہ تھیں یہ ممکن نہیں کہ اس زمانہ میں نہ ہوں ورنہ یہ لازم آئیگا کہ وہ سب موضوع ہیں اور جب موجود تھیں تو یہ دیکھنا چاہئے کہ ائمہ اربعہ کو اُن کا پہونچنا ممکن ہے یا نہیں۔ یہ تو ہرگز ثابت نہیں ہوگا کہ اُن احادیث کا ائمہ کو پہونچنا ممکن ہی نہ تھا اس سے ثابت ہوگیا کہ ممکن ہے کہ آئمہ کو وہ حدیثیں پہونچی بھی ہونگی اس کے بعد جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اکابر محدثین کی گواہیوں سے امام صاحب کا اعلم الناس ہونا ثابت ہے تو بآسانی اس سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ حدیثیں اُن کو ضرور پہونچی ہونگی اسلئے امام بخاری رح نے لاکھوں حدیثوں سے منتخب کرکے چند احادیث

سے احکام جو اپنی کتاب میں لکھی ہیں اس انتخاب کی وجہ ظاہر ہے کہ اُن کی قوت اور صحت اسناد ہے اور یہ بات اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ قوت اور صحت اسناد ہر زمانہ میں مرغوب رہا کی اور ایسی حدیثوں کو حاصل کرنے کی غرض سے دور دراز کا سفر اختیار کیا جاتا تھا اور یہ بات مشہور ہوتی تھی کہ فلاں فلاں کے پاس فلاں فلاں منتخب حدیثیں ہیں اب غور کیا جائے کہ جب ایسی منتخب حدیثیں امام صاحب کے زمانہ میں موجود اور مشہور ہوں تو کیا اُن کا شوق اور تدین مقتضی ہو سکتا تھا کہ وہ حدیثیں حاصل نہ کی جائیں ہرگز نہیں یہی وجہ تھی کہ چار ہزار محدثوں کو اسناد بنانیکی ضرورت امام صاحب نے محسوس کی۔ پھر امام صاحب کے حلقہ میں جو ہر ملک و دیار سے محدثین جوق جوق آتے اور اجتہاد کے وقت اپنا سرمایۂ حدیث پیش کرتے تھے کیا ایسی منتخب حدیثوں کو اُنہوں نے نظر انداز کر دیا ہوگا۔ اور ابن مبارک جیسے امیر المومنین فی الحدیث جو عمر بھر امام صاحب کی خدمت میں رہے کیا بغیر ان اعلیٰ درجہ کی منتخب حدیثیں جاننے کے امیر المومنین فی الحدیث مسلم ہو گئے ہونگے ہرگز نہیں غرضکہ متعدد اور مختلف قرائن و وجوہ سے ثابت ہے کہ بخاری شریف میں جتنی حدیثیں ہیں خصوصاً وہ حدیثیں جن سے احکام فقہیہ متعلق ہیں امام صاحب کو پہونچیں اور اجتہاد کے وقت وہ ضرور پیش ہوئی تھیں کیونکہ متعدد شیوخ کی شہادتوں سے ثابت ہے کہ جن احادیث سے مسائل فقہیہ کا تعلق ہے اُن کو امام صاحب خوب جانتے تھے۔

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ بخاری شریف کی حدیثیں اجتہاد کے وقت اگر پیش نظر

ہتیں تو بعض مسائل فقہیہ خلاف اُن احادیث کے کیوں ہوئے جسکی وجہ سے
عامل بالحدیث حنفیہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہر ایک اجتہادی
مسئلہ سے جتنی حدیثیں متعلق ہوتی ہیں۔ اجتہاد کے وقت سب پیش نظر رکھی
جاتی تھیں۔ اور جتنا سرمایۂ لغت اور محاورات عرب وغیرہ امور کی
ضرورت ہوتی ہے سب فراہم ومہیا ہوتا تھا اُسوقت ان تمام امور میں تدبر
کرکے ایک ایسی بات نکالی جاتی تھی جس میں وہ تمام امور ملحوظ ہوں یہ کام آسان
نہیں ہے اسیوجہ سے ایک ایک مسئلہ کی تحقیق میں ایک ایک مہینہ گذر جاتا
تھا غرضکہ جب اجتہاد میں تمام آیات واحادیث ہر مسئلہ سے متعلق پیش ہوتی
تھیں اور اُن کے ہر پہلو پر نظر ڈالی جاتی تھی تو یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ ہر ایک
حدیث کا پورا مضمون ہر مسئلہ میں لکھدیا جاوے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ
دوسرے آیات واحادیث کے لحاظ سے بعضے حدیثیں پوری ترک کردی
جاتی ہیں جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی پیش کی
ہوئی حدیث پر عمل نہ کیا اسیطرح بعضے حدیثیں بخاری کی مسائل فقہیہ
میں متروک العمل ہوئیں۔ اور یہ اجتہاد کا لازمہ ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رح نے لکھا ہے کہ کبھی ایسا
بھی ہوتا ہے کہ حدیث صحیح پہونچنے پر بھی مجتہد کو ظن غالب نہیں پیدا ہوتا
اسلئے وہ اپنے اجتہاد کو ترک نہیں کرسکتا۔ بلکہ حدیث پر طعن کرتا ہے جیسا کہ
صحاح ستہ میں یہ روایت ہے کہ فاطمہ بنت قیس رض نے عمر رض
کے روبرو یہ گواہی دی کہ جب میرے شوہر نے مجھے تین طلاق دیں تو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیئے نہ نفقہ مقرر فرمایا نہ سکنی"۔ عمر رضہ نے فرمایا کہ میں ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا بلکہ میں یہ حکم دیتا ہوں کہ ایسے مطلقہ کے لئے نفقہ بھی دلایا جاوے اور سکنی بھی"۔ اور عائشہ رضہ نے بھی فرمایا کہ اے فاطمہ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتی ہو"۔

اب دیکھئے کہ حسب قاعدہ مسلمہ "صحابہ کل عدول ہیں" یہ خیال ہرگز نہیں ہوسکتا کہ فاطمہ رضہ نے جھوٹ کہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کیا۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف قرآن حکم کیا ہو اسلئے یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ یا تو یہ حکم قبل نزول آیہ شریفہ ہوگا یا اسموقع کی کوئی خصوصیت تھی جسکو حضرت ہی جانتے تھے بہر حال مجتہد کو ایسے مواقع میں اجتہاد سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے اسیوجہ سے عمر رضہ نے اس صحیح حدیث کو ترک کر کے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا اس سے ظاہر ہے کہ ہر صحیح حدیث قابل عمل نہیں ہوسکتی بلکہ اجتہاد کی ضرورت باقی ہے۔

یہی بات اس روایت سے بھی ظاہر ہے۔ عن ابن عباس رضہ قال قال عمر رضہ ابی اقرؤنا وانا لندع من لحن ابی وابی یقول اخذت من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا اترکہ بشیئ قال اللہ ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا رواہ البخاری یعنی عمر رضہ نے کہا کہ ہرچند ابی رضہ ہم سب سے زیادہ قرات جانتے ہیں۔

مگر جس بات میں انہوں نے خطا کی ہے اس کو ہم ضرور ترک کریں گے وہ
کہتے ہیں کہ فلاں آیت کو میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے
سُن چکا ہوں اسلئے میں اس کو کسی وجہ سے یعنی کیسی ہی دلیل اُسکے مقابلہ میں
پیش ہو نہ چھوڑونگا وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ما ننسخ من
آیۃ الآیہ یعنی ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اُس سے
بہتر یا اس کے مثل دوسری آیت نازل کرتے ہیں" انتہیٰ۔ اب
دیکھئے کہ باوجودیکہ ابی رضؓ جس آیت کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان
مبارک سے سن چکے تھے اُسکا اُن کو جزم تھا اور یہی وجہ تھی
کہ اس کے ترک کو حرام سمجھتے تھے اور عمر رضؓ جیسے جلیل القدر اور پُرزور
حکومت والے خلیفۂ وقت کی مخالفت کی کچھ پروا نہ کی مگر عمر رضؓ نے بھی
اپنے جزمی اجتہاد کے مقابلہ میں اُن کے جزم کی کچھ پروانہ کی۔ اور اپنے
اجتہاد ہی کو ترجیح دی۔ اس سے ایک بات اور معلوم ہوئی کہ صحابہ
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ سُن لیتے یا کسی فعل کو
آپ دیکھ لیتے دوسری روایت یا قرائن کی وجہ سے اپنی مروی حدیث
کو ترک نہیں کرتے تھے اور بمصداق لیس الخبر کالمعاینہ مقتضائے طبیعت
بھی یہی ہے۔ مگر مجتہدوں کا فرض منصبی ہے کہ دوسرے احادیث و
آیات و قرائن وغیرہ پر غور و فکر کرکے ایک ایسی بات منقح کریں جسکے
مطابق واقع اور حق ہونے کا ظن غالب ہو جائے اور اس اجتہاد میں
کوئی صحیح حدیث قصداً بھی ترک کردیں تو اُسکے مجاز ہیں جیسا کہ عمر رضؓ کے

بیان سے واضح ہے۔

ابوداؤد میں یہ روایت ہے عن الزھری ان عثمان بن عفان رض اتم الصلوٰۃ بمنیٰ من اجل الاعراب لانھم کثروا عامئذ فصلی بالناس اربعا لیعلمھم ان الصلوٰۃ اربع یعنی عثمان رض منیٰ میں نمازوں میں قصر نہیں کیا اور پوری چار رکعتیں پڑھیں اس وجہ سے کہ اس سال بدو بہت سارے حج کے لئے آگئے تھے اس چار رکعت پڑھنے سے اُن کی تعلیم مقصود تھی کہ ظہر عصر اور عشار کی چار چار رکعتیں ہیں۔ دیکھئے تمام حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں قصر فرمایا تھا مگر عثمان رض نے اپنے اجتہاد اور رائے سے اُن حدیثوں پر عمل نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد سے کسی حدیث کو ضرورۃً ترک بھی کر سکتا ہے۔ یہ روایت اوپر لکھی گئی ہے کہ جن لوگوں نے صبانا صبانا کہا تھا خالد رض نے جو امیر لشکر تھے اُنکے قتل کا حکم دیا اور ابن عمر رض نے اپنے اجتہاد سے اُن کے حکم کو نہیں مانا حالانکہ متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ اطاعت امیر کی واجب ہے اس سے بھی ثابت ہے کہ اگر مجتہد کسی لحاظ سے حدیث پر عمل نہ کرے تو وہ اُس کا مجاز ہے۔

اوپر بھی مذکور ہوا کہ باوجودیکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم یعنی مشرکین جہاں ملیں اُن کو قتل کرڈالو مگر نیل الاوطار میں علامہ شوکانی رح نے لکھا ہے کہ اصحاب صوامع اور رہبان کا قتل قیاس سے ممنوع ہے حالانکہ یہ لوگ اعلیٰ درجہ کے مشرک ہیں۔

یہ روایت بھی اوپر مذکور ہوئی کہ ابن عمر رضہ نے ابن عباس رضہ کے مقابلہ میں یہ حدیث پیش کی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المیت یعذب ببعض بکاء اھلہ علیہ اور یہی روایت عمر رضہ سے مروی ہے مگر عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اجتہاد سے اسکو قبول نہیں کیا اور ابن عمر رضہ بھی ساکت ہو گئے۔

اب دیکھئے کہ صدیق اکبر عمر فاروق عثمان ذی النورین عائشہ صدیقہ ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے طریقۂ عمل سے ثابت ہے کہ اگر مجتہد کوئی صحیح حدیث قیاس صحیح شرعی کے معارض ہو تو وہ اسکو متروک العمل کرنے کا مجاز ہے اور اسپر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔ پھر یہ الزام فقط فقہا ہی پر نہیں ہے بلکہ محدثین نے بھی اس باب میں اُنسے زیادہ حصہ لیا ہے وہ تو اپنے اجتہاد سے نفس حدیث ہی کو متروک بنا دیتے ہیں۔ کتب احادیث موضوعہ میں دیکھ لیجئے کہ ایسی حدیثیں جن کو محدثین نے اپنی کتابوں میں درج کیا اور اُن کا اعتبار بڑہانے کے لئے اسنادیں بھی اُن کیساتھ ذکر کیں اور مدتوں وہ حدیثیں کلام نبوی سمجھی گئیں۔ اور علما استدلال اُنسے کرتے رہے۔ پھر بعض محدثین نے جو فن حدیث میں مجتہد مانے جاتے تھے اُن حدیثوں کو موضوع قرار دیا۔ یعنی حدیثوں سے ہی اُن کو خارج کر کے بالکلیہ متروک ہی کر دیا۔ اگر اس کی تصدیق منظور ہو تو موضوعات ابن جوزی رح کو دیکھ لیجئے اُنہوں نے اجتہاد سے موضوع حدیث پہچاننے کا یہ قاعدہ بھی بیان کیا جسکو امام سیوطی رح نے تدریب الراوی میں نقل کیا ہے

کہ اکثر ایسی حدیثوں کے سُننے سے جسم پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل میں اُس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

ابن جوزی رح نے جو علامت بتلائی ہے کہ موضوع حدیث سننے سے اکثر نفرت پیدا ہوتی ہے وہ قوت اجتہادی کی طرف اشارہ ہے جو خدا و رسول کا کلام ایک مدت دراز تک دیکھنے اور تحقیق کرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے جس سے آدمی اُن باتوں کو فوراً پہچان جاتا ہے جو خلاف مرضی خدا اور رسول ہوں اُس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر کس و ناکس اس علامت سے موضوع حدیث پہچان سکتا ہے دیکھ لیجئے سید احمد خاں صاحب اپنی تصانیف میں حوروں سے کیسی نفرت ظاہر کرتے ہیں یہاں تک لکھدیا کہ اگر حوروں کے ساتھ وہ معاملہ ہو تو ہمارے شراب خانے جنت سے ہزار درجہ اچھے ہیں۔

یہ فلسفہ کی مزاولت اور حکیموں سے جوش اعتقادی کا نتیجہ ہے کہ اپنے دین کی کھلی کھلی باتیں قابل نفرت سمجھی جاتی ہیں اگر اس قسم کی نفرت معتبر ہو تو حدیث تو کیا نعوذ باللہ قرآن کو موضوع کہنا پڑیگا۔

غرضکہ اس قسم کے اجتہادوں سے نفس حدیث ہی متروک ہو جاتی ہے پھر اگر فقہا نے دوسری احادیث و آیات کے لحاظ سے کسی حدیث کو متروک العمل قرار دیا تو کیا بُرا ہوا۔ فقہا تو کسی سخت ضرورت کے وقت جب دوسرے احادیث و آیات متعارض ہوں تو کسی حدیث کو متروک کرتے ہیں۔ مگر امام بخاری رح نے تو ایسا طریقہ ایجاد کیا کہ بے سبب

صدہا بلکہ ہزارہا حدیثیں متروک العمل اور ساقط الاعتبار ہوگئیں یعنی صحت حدیث کے لئے اتنی شرطیں لگائیں کہ ہر صحیح حدیث جائز نہیں ہوسکتی۔ گو امام مسلم رح نے دیباچہ مسلم میں بعض شروط کی نسبت اُنپر سخت اعتراض کیا مگر امام بخاری رح کے مقابلہ میں اُن کا اجتہاد چل نہ سکا اور ہزارہا صحیح حدیثیں متروک العمل ہوگئیں۔ اب اہل انصاف خود سمجھ سکتے ہیں کہ بخاری شریف کی چند حدیثیں امام صاحب کے اجتہاد سے بلحاظ اشد ضرورت متروک العمل ہوں تو کیا مضائقہ پھر امام بخاری رح نے اپنے اجتہاد سے جو شرطیں لگا کر بہت سی حدیثوں کو متروک العمل کردیا اُسپر اُن کے اساتذہ کا اتفاق ثابت نہیں ہوسکتا۔ بخلاف امام صاحب کے اجتہاد کے کہ اُس کی توثیق امام بخاری رح کے اساتذہ اور اُس زمانہ کے اکابر محدثین کی گواہیوں سے ثابت ہے اور ان گواہیوں سے حنفیہ کو اطمینان کامل حاصل ہوگیا کہ ہمارے امام نے اجتہاد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور جن آیات و احادیث سے جسقدر احکام لینے کی ضرورت تھی سب فقہ میں داخل کردئے اور جن احادیث کو متروک العمل سمجھا وہ انکے اجتہاد کا مقتضیٰ تھا جس کے وہ مامور تھے۔

یہ بات اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ جب کسی مسئلہ میں احادیث بکثرت وارد ہوں اور توثیق ممکن نہ ہو تو بعض احادیث کو متروک کرنیکی ضرورت ہوتی ہے فقہا نے اس باب میں وہ طریقہ اختیار کیا جو صدیق اکبر وغیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن کو دکھلایا تھا کہ مضمون پر غور کر کے اجتہاد اور قیاس سے کام لیا جائے۔ یعنی اگر کوئی حدیث دوسری احادیث

اور قیاس صحیح اور آیات کے خلاف ہو تو وہ حدیث ترک کر دی جاوے۔
اور امام بخاری وغیرہ محدثین نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جس حدیث کی اسناد میں وہ شرطیں پائیجائیں جو خود نے مقرر کئے ہیں تو وہ واجب العمل ہے اور جسمیں وہ نہ پائیجائیں تو وہ متروک العمل ہے چنانچہ امام بخاری وغیرہ نے حدیث مرسل کو ساقط الاعتبار کر دیا اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک مرسل بھی صحیح حدیث ہے اور اُس میں کل صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے۔ چنانچہ دوسری صدی کے آخر تک سب علما اُس کو قابل قبول سمجھتے آئے۔ اور کسی امام فن سے اس بات کا انکار مروی نہیں کذا فی تدریب الراوی للسیوطی رح۔
اور کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ مراسیل کے قابل قبول ہونے پر کل صحابہ کا اتفاق ہے اور وہ اس قدر کثرت سے ہیں کہ جو جمع کئے گئے ہیں وہ قریب پچاس جز کے ہیں۔ اگر یہ قاعدہ ٹھیرا دیا جاوے کہ مرسل قابل قبول نہیں تو اتنی حدیثیں بیکار ہوئی جاتی ہیں حالانکہ محدثین نے مشقتیں اُٹھا کر اُن کو محفوظ رکھا۔
امام بخاری وغیرہ کو چونکہ احادیث کی تقلیل منظور تھی اس لئے مراسیل پر یہ الزام لگا کر ساقط الاعتبار کر دیا کہ راوی نے جب سلسلہ اسناد میں کسی کا نام چھوڑ دیا تو یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ شخص متروک عدل وضابط تھا یا اس اسناد کی وجہ سے حدیث ساقط الاعتبار ہو گی فقہا کہتے ہیں کہ جس راوی نے ارسال کیا اُس کا حال دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ ثقہ اور عدل ہے اور اہل قرون ثلثہ میں سے ہے تو اُسکی حدیث

مرسل قابل اعتبار ہے کیونکہ صحابہ کی مراسیل کو محدثین مانتے ہیں اور اُن کا
منشا رصرف حسن ظن ہے۔ تو قرون ثلثہ کے ثقات جو مبشر بالخیر ہیں
اس حسن ظن سے کیوں محروم رکھے جائیں حالانکہ صحیح حدیث
ہے۔ عن ابن عمرؓ ان عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ خطب
بالجابیۃ فقال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مقامی فیکم فقال استوصوا باصحابی خیراً ثم الذین یلونھم ثم الذین
یلونھم ثم یفشو الکذب رواہ الامام احمد فی مسندہ۔ البتہ
اس حدیث شریف کی رو سے قرون ثلثہ کے بعد والے مراسیل
نہ مانی جائیں تو اس کے لئے ایک وجہ نکل سکتی ہے کہ شیوع
کذب کا زمانہ ہے۔

پھر محدثین اس کو بھی مانتے ہیں کہ اگر کوئی ثقہ کسی ایک راوی کا نام نہ
بیان کرکے مبہم طور پر کہدے کہ مجھے ایک ثقہ یا عدل یا ایسے شخص سے
روایت پہونچی ہے جسے میں جھوٹا نہیں کہہ سکتا۔ ایسی روایت بھی
مقبول ہے۔ حالانکہ جسطرح مرسل میں نام چھوڑا جاتا ہے اس میں بھی چھوڑ
دیا گیا۔ اور جس طرح مرسل میں متروک الاسم کی تحقیق نہیں ہوسکتی اس
روایت میں مجہول الاسم کی تحقیق نہیں ہوسکتی اور جسطرح یہاں راوی کا ثقہ ہونا مروی ہے
جسکے اعتبار پر متروک الاسم ثقہ مان لیا جائے اسیطرح مرسل میں ہی ارسال کرنے والے کی شرائط
میں داخل ہے کہ وہ ثقہ متدین بلکہ قرون ثلثہ میں ہو اور ایسا شخص ہو
کہ جس پر تدلیس کا گمان نہ ہو۔ مثلاً حسن بصری رح قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تو ہر شخص سمجھتا ہے کہ انہوں نے کسی صحابی کا نام
کسی مصلحت سے ترک کر دیا چنانچہ تدریب الراوی میں امام سیوطی رحمہ نے
یونس بن عبیدؒ کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حسن بصریؒ سے میں نے
پوچھا کہ حضرت آپ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہدیا کرتے ہیں۔
حالانکہ آپ نے حضرت کا زمانہ نہیں پایا فرمایا تم نے ایک ایسی راز کی بات
پوچھی کہ اگر تمہارے ساتھ خصوصیت نہ ہوتی تو اس کی وجہ کبھی نہ بتلاتا
بات یہ ہے کہ تم جانتے ہو کہ ہم کس زمانہ میں ہیں یعنی حجاج کی حکومت ہے
اس وقت میں علی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لے سکتا۔ اس لئے جو روایتیں
علی رضی اللہ عنہ سے مجھے پہونچی ہیں اُن میں صرف قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کہدیا کرتا ہوں۔ غرضکہ جب ایسے مستند شخص ارسال کریں تو
اُن کے اعتبار پر متروک الاسم کو موثق مان لینا کوئی نئی بات نہیں
بلکہ بعض وجوہ سے تو مسند پر بھی مرسل کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اسلئے کہ
احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ جو شخص ایسی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب کرے
جو حضرت نے نہیں فرمایا تو وہ دوزخی ہے پھر جب ارسال کرنے
والے متدین اور عدل ہوں تو جب تک یقینی طور پر اُن کو ثابت نہ ہو
کہ وہ حدیث حضرت ہی کا ارشاد ہے کبھی اُس کی روایت کرنے پر
جرأت نہیں کر سکتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جس راوی کا نام اُنہوں نے
ذکر نہیں کیا وہ اُن کے نزدیک کمال درجہ کا ثقہ اور ضابط ثابت ہوا
ہے۔ گویا وہ اُس کا نام ذکر نہ کرکے اُس کی توثیق کا ذمہ لے رہے ہیں

اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری تحقیق میں وہ شخص ایسا مسلم ہو چکا ہے کہ مزید تحقیق کی ضرورت نہیں۔ بخلاف اُس کے جب نام کو ذکر کر دیا تو وہ اُس ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔ کشف بزدوی میں حسن بصریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جو حدیث چار صحابیوں سے سنی ہوئی مجھے یاد ہے اُس کو مرسل کر دیا کرتا ہوں اور اُس میں لکھا ہے وعن الحسن رح انہ قال متی قلت لکم حدثنی فلان فہو حدیثہ ومتی قلت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعتہ من سبعین او اکثر۔ یعنی حسن بصری رح کہتے ہیں کہ جب میں حدثنی فلاں کہتا ہوں تو وہ حدیث اسی شخص سے سنی ہوئی ہوتی ہے اور جب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہوں تو وہ کبھی ستر اور اُس سے زیادہ شخصوں سے سنی ہوئی ہوتی غرضکہ متدین راویوں کو جبتک پورے طور سے اطمینان نہیں ہوتا وہ ارسال نہیں کرتے اسی وجہ سے مرسل انہی محدثوں کی مقبول ہے جو ثقہ متدین ہوں اور قرون ثلثہ میں ہوں بہرحال متروک الاسم اور مجہول الاسم میں فرق کرنا ترجیح بلامرجح ہے۔

اگر کوئی راوی کہے روی فلاں عن فلاں تو محدثین جانتے ہیں کہ اس میں احتمال ہوتا ہے کہ کوئی راوی ترک ہو گیا ہو کیونکہ کوئی لفظ اسمیں ایسا نہیں جس سے سماع ثابت ہو۔ پھر اگر بحسب احتمال کسی راوی کا نام فی الواقع ترک ہو گیا ہو تو اُس میں وہی جہالت ماننی پڑے گی جو ارسال میں ہے۔ باوجود اس کے محدثین اس قسم کی روایت کو مانتے ہیں پھر فقہا نے اگر مرسل کو متدین راوی کے اعتماد پر مان لیا تو کونسی نئی

بات ہو گئی۔
حدیث معنعن میں محدثین کہتے ہیں کہ اگر دونوں شخص ایک زمانہ میں ہوں تو حسن ظن سے یہ کہا جائیگا کہ دونوں کی ملاقات ہوئی ہو گی۔ اس وجہ سے اُن کو متصل اور صحیح کہتے ہیں مگر امام بخاریؒ کا اجتہاد ہے کہ یہ حسن ظن اُس وقت ہو گا کہ دونوں کی ملاقات کسی طریقہ سے ثابت ہو جاوے۔ اور اگر ایک ملاقات ہی ثابت نہ ہو تو وہ حدیث متصل نہ سمجھی جائیگی۔ امام مسلم رحمہ نے دیباچہ صحیح مسلم میں امام بخاری رحہ کی اس شرط پر سخت اعتراض کیا ہے مگر چونکہ محدثین کو بھی حتی الامکان صحیح حدیثوں کی تقلید منظور ہے اس لئے اس شرط کی نسبت فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس شرط سے اتصال بخوبی ظاہر ہے۔ کیونکہ معاصرت کی وجہ سے جب حسن ظن پر اتصال کا حکم کیا جاتا ہے تو حالات کے نسبت ثابت ہونے بطریق اولیٰ اُس کا اتصال ثابت ہو گا۔
یوں تو جتنی شروط زیادہ لگائی جائیں اتصال اور صحت کے قرائن زیادہ ہوں گے۔ مثلاً یہ شروط لگادی جائیں کہ ہر روایت میں حدثنا واخبرنا کی ضرورت ہے تو حدیث معنعن میں جو عدم ملاقات کا احتمال ہے وہ باقی ہی نہ رہتا۔ اور جس طرح مدخل میں لکھا ہے کہ بخاری میں ایسی روایتیں ہیں کہ صحابی سے دو تابعی روایت کئے ہیں پھر تابعی سے دو تبع تابعی اسیطرح امام بخاری تک ہر استاد سے دو دو شاگردوں نے روایت کی ہے۔ یہ اہتمام اور التزام اس وجہ سے

کیا گیا ہے کہ شہادت علی الشہادت کی شرط صادق آجائے انتہیٰ۔
اگر فی الواقع بخاری میں اس شرط کی پابندی ہوتی تو صحیح حدیثوں کی تقلیل بخوبی ہوجاتی۔ اور صحت میں قوت بھی ہوتی مگر تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ نے یہ التزام ہرگز نہیں کیا انتہیٰ۔ صاحب مدخل وغیرہ کو اس بیان پر جرارت اس وجہ سے ہوئی کہ امام بخاری رح نے صحیح حدیثوں کو کم کرنے کی غرض سے احتیاط کا مسلک اختیار کیا ہے۔ اور چونکہ روایت کرنی بھی ایک قسم کی گواہی ہے کہ گویا راوی استاد کے بیان پر گواہی دیتا ہے کہ میں نے خود اُس کی زبانی سُنا ہے اس لئے اُس بیان پر اور ایک گواہی کی ضرورت ہے۔ جیسے شہادت علی الشہادت میں ہوا کرتا ہے غرض احتیاط کا مسلک یہی تھا جو صاحب مدخل نے حسن ظن سے امام بخاری رح کی طرف منسوب کیا اور اس سے بڑھا ہوا حسن ظن میانجی رحمہ کا ہے۔ جو کتاب مالا یسع المحدث جہلہ میں ظاہر کیا ہے جس سے تدریب الراوی میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ شیخین نے صحیح حدیث کی یہ شرط قرار دی ہے۔ اور صحیحین میں اُس کا التزام بھی کیا ہے کہ وہی حدیث ذکر کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو صحابی یا زیادہ اُس کو روایت کئے ہوں اور ہر صحابی سے چار تابعی روایت کریں اور ہر تابعی سے چار شخصوں سے زیادہ راوی ہوں انتہیٰ۔
فی الحقیقت اگر یہ شرط لگائی جاتی تو اعلیٰ درجہ کی صحت ہوجاتی

اور صحیح حدیثوں کی پوری تقلیل ہو جاتی۔ مگر اُس کے ساتھ ہی بخاری شریف کا حجم بھی بہت کم ہو جاتا اور شاید دس پانچ حدیثیں اُس میں رہجاتیں یا اتنی بھی نہ رہتیں اس لئے کہ تدریب الراوی میں شیخ الاسلام کا قول نقل کیا ہے۔ کہ تمام بخاری میں اس شرط کی ایک حدیث بھی نہ پائی جائیگی۔ انتہیٰ۔

ہر چند امام بخاری رح نے صحت حدیث کی شرطیں بڑہادی ہیں جنسے تقلیل صحاح منظور ہے۔ مگر اُن کا یہ مقصود نہیں کہ کوئی صحیح حدیث باقی ہی نہ رہے۔ جیسا کہ در باطن معتزلہ کا مقصود ہے اسی وجہ سے اُنہوں نے اس قسم کی شرطیں لگائیں چنانچہ ابو علی جبائی معتزلی کا قول ہے کہ اگر کوئی خبر ایک عدل بیان کرے تو وہ قبول نہ کی جاوے جبتک دوسرے عدل کی خبر اُس کے ساتھ ضم نہ کی جاوے اور استاذ ابو نصر تمیمی نے ابو علی سے روایت کی ہے۔ کہ جب تک چار شخص کسی حدیث کو روایت نہ کریں قبول نہ ہو گی کذا فی تدریب الراوی امام بخاری رح کو اس تقلیل صحاح سے مقصود یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کئی حدیثیں موجود ہوں تو جو صحت میں بڑی ہوئی ہو اُس پر عمل کیا جائے۔

تدریب الراوی میں ابن العربی کا قول شرح موطا سے نقل کیا ہے کہ شیخین کا مذہب یہ ہے۔ کہ جب تک کسی حدیث کو دو راوی روایت نہ کریں وہ ثابت نہیں۔ اور یہ مذہب باطل ہے۔ بلکہ روایۃ الواحد

عن الولد صحیح ہے۔ اور ذکر کیا کہ انہوں نے شرح بخاری میں اعتراض کیا ہے
لکھا ہے کہ حدیث اعمال صرف عمر رضی اللہ عنہ سے وارد ہے حالانکہ
امام بخاری نے شرط لگائی ہے کہ ادنیٰ درجہ دو راویوں سے روایت
ہونی چاہیے۔ پھر خلاف شرط یہ روایت انہوں نے بخاری شریف
میں کیوں داخل کی۔ اس پر ابن حبان نے اپنی صحیح کے اوائل میں لکھا
کہ ابن العربی وغیرہ نے جو ادعا کیا ہے کہ شیخین نے جو شرط لگائی ہے
وہ شرط خود مستحیل الوجود ہے کسی نے ابن العربی سے کہدیا کہ شیخین نے
وہ شرط لگائی ہے۔ اگر تصریح کہیں ہوتی تو پیش کی جاتی۔ اور اگر استقرا
ہے تو باطل ہے۔ اُن کو حدیث اعمال ہی سمجھنے کے لیے کافی تھی جو
بخاری کی پہلی حدیث ہے جسکو صرف عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے
پھر اُن سے علقمہ نے اور اُن سے صرف محمد ابن ابراہیم نے
اور اُن سے فقط یحییٰ بن سعید نے روایت کی ہے اور یحییٰ بن سعید
کے بعد اُسکے راوی بہت ہو گئے۔ انتہیٰ۔

الحاصل گو امام بخاری رح نے صحت حدیث کی شرطیں بڑہائیں
مگر عام طور پر جو مشہور ہے کہ ہر روایت کا دو راویوں سے مروی ہونا بھی
انہوں نے شرط کیا ہے وہ غلط بلکہ مستحیل الوجود ہے جیسا کہ ابن
حبان رح کے قول سے معلوم ہوا۔ امام بخاری رح نے شروط کے بارہ
میں ایسا تشدد نہیں کیا جیسا کہ معتزلہ نے کیا ہے۔ کہ جب تک چار شخص نسیج
روایت نہ پہنچے قابل قبول نہیں۔ دیکھئے جب دو راویوں سے ہر روایت

ہر طبقہ میں مروی ہونا مستحیل ہے تو چار راویوں سے ہر ایک روایت کا
مروی ہونا کیونکر ممکن ہو گا۔ پھر جب ایسی روایتیں ملتی ہی نہیں تو احادیث
کو ساقط الاعتبار کر دینے کا موقع معتزلہ کو مل گیا۔ اور آزادانہ قرآن میں
رائے لگانے لگے اور جیسا جی چاہا تاویلیں کر کے اپنا مطلب نکالا۔
دین کو درہم وبرہم کرنے والے جتنے خود غرض نکلتے جاتے ہیں۔
سب کا یہی طریقہ ہے چنانچہ وہ صاف کہتے ہیں کہ بخاری بھی قابل
اعتبار نہیں اس لئے کہ وہ بھی اخبار آحاد سے بھری ہوئی ہے اُس کی شئی
متواتر نہیں جو قابل اعتبار ہوں۔
یہ بات قابل توجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ قیامت
تک ہے اور حق تعالیٰ کا خطاب ما اتاکم الرسول فخذوہ
فقط صحابہ ہی کو نہ تھا بلکہ تمام اُمت جس طرح اقیموا الصلوٰۃ
کی مخاطب ہے۔ اسی طرح اس خطاب کی بھی مخاطب ہے پھر جب
صحیح حدیثوں کے پہونچنے کا راستہ ہی بند ہو جائے تو حضرت کے
عطا کئے ہوئے فوائد دارین کے لینے کی کیا صورت۔ اور مجتہدین
وغیرہم کو اس آیۂ شریفہ پر عمل کرنے کا کیا طریقہ۔ اس سے ظاہر ہے
کہ خدا و رسول کو ہرگز منظور نہیں کہ ایسی شروط لگائی جائیں جن سے امت
کو صحیح حدیثوں کے پہونچنے کا راستہ ہی مسدود ہو جائے یہ بات
ظاہر ہے کہ جس کو اپنے نبی کی قدر اور اُن کے ساتھ محبت ہو گی اس کو
یہ خواہش ضرور ہو گی کہ اُن کے احوال افعال اقوال عادات وغیرہ کو

صحیح طور پر معلوم کرے کیونکہ آدمی کی فطرتی بات ہے کہ اپنے مقتدا اور محسن
کے حالات کو تلاش کرتا ہے۔ دیکھئے جان نثار رعایا کو اپنے محسن بادشاہ
کے حالات اور اصلی احکام وغیرہ معلوم کرنے کا کس قدر شوق ہوتا
ہے کہ بصرف زر خطیر ان امور پر مطلع ہوتے ہیں۔ اور یہ بات قابل تسلیم
ہے کہ جو چیز بمقتضائے فطرت ہوتی ہے۔ اس کی تکمیل کے اسباب
بھی فطرتی ہوتے ہیں اس لئے فطرتی طریقہ سے صحیح حدیثوں کا پہونچنا
بھی ضرور تھا سو بفضلہ تعالیٰ وہ موجود ہیں جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے
ہر شخص کی فطرت میں داخل ہے کہ جب اپنے معتمد علیہ بزرگ سے کوئی
خبر سنتا ہے تو اس کا یقین آجاتا ہے اسی وجہ سے صحابہ اور تابعین
اور لاکھوں علما نے اپنے بہت سے ذاتی کام چھوڑ کر تبلیغ اخبار میں
کوشش کیں تا کہ آیندہ آنے والی نسلوں کو شکایت کا موقع نہ ملے۔
کہ ہمارے اسلاف نے ہم کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال
و اقوال کے علم سے محروم رکھا۔ اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ آیندہ ایسی طبیعتیں
لگنے والی ہیں جن سے ہماری سب محنت اکارتھ ہو جائیگی تو ضرور
اس سے وہ پہلو تہی کرتے۔ یا یہ کرتے کہ دو دو چار چار محدث مل کر
حدیثیں پہونچاتے پھرتے تا کہ حجت تمام ہو۔ انہوں نے صرف مقتضائے
فطرت ہی کو پورا نہیں کیا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی بھی
پوری تعمیل کی جو حضرت نے فرمایا ہے فلیبلغ الشاھد الغائب۔
یعنی ہر ایک حاضر شخص جو کچھ سنے اور دیکھے تو غائب شخص کو پہونچادے

تاکہ وہ سمجھے اور یاد رکھے اور عمل کرے اور دوسروں کو پہنچا دے۔
اب دیکھئے کہ اگر ایک راوی کی بات قابل اعتبار نہ ہوتی تو حضرت کبھی
نہ فرماتے کہ جو شخص سُنے دوسرے کو پہنچا دے بلکہ اُس وقت یہ فرماتے
کہ جب دوسرے کو پہونچانا چاہے تو دو دو چار چار شخص اکٹھے ہو کر
بیان کیا کریں۔ کیا کوئی عقل والا شخص فلیبلغ الشاہد الغائب کے یہ معنی
سمجھیگا یا یہ خیال کرے گا کہ اُس ارشاد سے مراد یہ ہو سکتی ہے۔ بخاری
مسلم ابو داؤد وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ قبا میں لوگ
صبح کی نماز بیت المقدس کی طرف پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے اُن کو
خبر دی کہ کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہونیکا حکم نازل ہو گیا ہے یہ سنتے ہی
عین نماز میں سب کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دیکھئے ایک شخص کی خبر پر
کس قدر وثوق ہوا کہ عین نماز میں اُس کو واجب العمل سمجھا۔ اب ہم
قرآن شریف سے بھی دو نظیریں پیش کرتے ہیں کہ ایک ہی شخص کی
بات کی تصدیق کرنی اُنسے ثابت ہے۔ دیکھئے موسیٰ علیہ السلام کو
ایک ہی شخص نے خبر دی تھی کہ آپ کے قتل کے باب میں مشورے
ہو رہے ہیں میں خیر خواہانہ کہتا ہوں کہ آپ یہاں سے چلے جائیں
موسیٰ علیہ السلام نے اُس کی تصدیق کی یہاں تک کہ اُس کے آثار
آپ پر نمایاں ہوئے یعنی خوف پیدا ہوا اور وہاں سے چلے بھی
گئے کما قال اللہ تعالیٰ وجاء رجل من اقصی المدینۃ یسعیٰ قال
یاموسیٰ ان الملاء یاتمرون بك لیقتلوك فاخرج انی لك

من الناصحین فخرج منہا خائفا یترقب قال رب نجنی من القوم الظالمین
اگرچہ اس آیۂ شریفہ میں اُمت سابقہ کا واقعہ مذکور ہے چونکہ اس پر
کوئی انکار اور اعتراض نہیں فرمایا گیا اس سے ظاہر ہے کہ وہ فعل
خلاف مرضی الہی نہ تھا ورنہ صاف ارشاد ہوتا کہ اُن کو سزاوار نہ تھا
کہ ایک آدمی کی خبر کی تصدیق کر کے اس قدر پریشان ہوتے۔
اسی طرح جب شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی تن تنہا موسیٰ علیہ السلام
کے پاس آئیں اور اپنے والد بزرگوار کا پیام پہونچایا تو آپ نے
اُن کی تصدیق کی اور فوراً اُن کے ساتھ اُن کے گھر چلے گئے کما
قال اللہ تعالیٰ وجاءت احدٰہما تمشی علی استحیاء قالت ان
ابی یدعون لیجزیک اجر ماسقیت لنا فلما جاءہ الآیہ غرضکہ
قرآن شریف سے ثابت ہے کہ قرائن ہوں تو ایک شخص کی بھی
تصدیق کی جائے۔ البتہ فاسق کی خبر قابل تصدیق نہیں بلکہ اُس کی
تحقیق کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وان جاءکم
فاسق بنبأ فتبینوا الآیہ اس لئے کہ اُس کا فسق خود اس بات پر قرینہ ہے
کہ وہ صدق کو ضروری نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اُس کو خوف خدا ہے
نہ تدین نہ مسلمانوں سے شرم و حیا بخلاف اُس کے جس مسلمان
شخص میں ثقاہت عدالت تقوی تدین خوف خدا اور صدق
وغیرہ صفات حمیدہ پائے جائیں اور عمر بھر اُن اوصاف کے ساتھ
متصف اور مشہور رہے تو کیا کسی عاقل مسلمان کے نزدیک ایسے شخص کی خبر

اور ایک فاسق کی خبر جس کو جھوٹ سچ کی کچھ پروا نہ ہو برابر ہو سکتی ہے ہرگز نہیں انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ دونوں کو ہرگز برابر نہیں سمجھ سکتا غرضکہ ثقہ راوی کی خبر کے صدق پر کئی قرینے شہادت دیتے ہیں۔ کہ وہ کبھی جھوٹ کا مرتکب نہ ہوگا۔ خصوصاً دینی معاملات میں خاص کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث میں جن میں تھوڑی جھوٹ بھی کوئی شامل کردے تو وہ مستحق دوزخ ہو جاتا ہے۔

یہ بات مشاہد ہے کہ جب کوئی ہندو بقال راستبازی کے ساتھ مشہور ہو جاتا ہے تو تمام ہندو مسلمان اُس کے قول کا اعتبار کرتے ہیں اور اُس کی منہ بولی قیمت دینے میں کچھ تامل نہیں کرتے اور جو چیز اُس سے خریدتے ہیں اُس وقت ایک اطمینانی کیفیت اپنے دل میں پاتے ہیں کہ اس میں کوئی دھوکا فریب نہیں اس سے ظاہر ہے کہ راستبازوں کے خبر کی تصدیق کرلینا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اور خود ہر شخص کی طبیعت اُس کے صدق پر گواہی دیتی ہے۔

الحاصل جب صدق کے پورے پورے قرائن راوی میں موجود ہوں تو اُس کی خبر فطرۃً عقلاً شرعاً ہر طرح سے صحیح اور قابل قبول ہے پھر ایسی خبر کی صحت میں توقف کرنا اُن تمام قرائن کو بیکار اور فطرت و عقل کو بے اعتبار کر دینا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ فقہا جن شرائط سے حدیث مرسل وغیرہ کو صحیح سمجھتے ہیں وہ صحیح ہیں۔ اب رہا یہ کہ مزید احتیاط کے لئے شروط لگائے جاتے ہیں جن سے احتمالات بعیدہ بھی

بعد از خدا بزرگ

ساقط ہو جائیں تو یہ امر غور طلب ہے اس لئے کہ جب راوی متدین اور عدل مان لیا گیا تو اُس کا اعتبار خود اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ اُسکی معنعن حدیث بھی مان لیجاے اور اُس میں یہ احتمال کہ باوجود معاصرت کے شاید ملاقات نہ ہوئی ہو ناشی بلا دلیل ہے ایسے احتمالات کا انسداد شرائط سے نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک ملاقات ثابت ہو جاے تو بھی وہی احتمال لگا ہوا ہے جو ایک ملاقات ثابت ہونے سے پہلے تھا اسلئے کہ جب اس کی خبر کی تصدیق محتاج شرط ہوئی تو معلوم ہوا کہ اُسکا تدین وغیرہ کافی نہیں سمجھا گیا حالانکہ مفروض وہی معنعن اور مرسل ہے جس کا راوی متصف باوصف وشروط عدالت ہو غرضکہ ایسے مستند راویوں کی تصدیق کو امور خارجیہ کے محتاج بنانا اُن کے عدل و تدین مفروضہ کو بے اعتبار اور غیر مفروض بنا دینا ہے اسی وجہ سے فقہا نے صحیح حدیث میں صرف یہ شرط لگائی کہ اُس کے راوی کا عدل وضبط وغیرہ ضروری صفات دیکھ لیجائیں اور جب عقلاً وشرعاً اُس کی بات قابل تسلیم ہو تو امور خارجیہ کے دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شروط بھی پاے جائیں تو نور علی نور ہے۔ چونکہ فقہا کو عقل واجتہاد سے بہت کام لینے تھے جو معانی نصوص اور قرائن وغیرہ سے متعلق ہیں اس لئے اُنہوں نے صحت حدیث کے لئے جو امور ضروری سمجھے اُنہی پر اکتفا کر کے ہمہ تن اجتہاد کی طرف متوجہ ہوے اور محدثین کو اجتہاد سے کوئی تعلق

نہ تھا جیسا کہ اعمش رح وغیرہ کے حالات سے معلوم ہوا اس لئے وہ صرف اسنادوں کی طرف متوجہ رہے اور یہ عادتی بات ہے کہ آدمی کو جس چیز کی طرف توجہ تام ہوتی ہے اُس سے متعلق اُس کو ایسی باتیں سوجھتی ہیں جو دوسروں کو نہیں سوجھتیں پھر وہ نزاکتیں اور ضرورت سے زیادہ امور اُس کے خیال میں ایسے ضروری معلوم ہونے لگتے ہیں جیسے دوسروں کو اپنے اپنے ضروریات۔ چونکہ محدثین کا کام تحقیق اسناد ہے اور عمر بھر اُن کو اُسی کا مشغلہ رہتا ہے اس لئے اُنہوں نے روایتوں میں ضرورت سے زیادہ امور کی پابندی کی اور ایسی روایتوں کا انتخاب کیا جن اسنادوں میں اتفاقی طور پر اعلیٰ درجہ کے رواۃ اور محسنات تھے اور باقی کو متروک کر دیا۔ گو اُن کے راوی عدل وضابط ہوں اگر ممکن ہوتا تو امام بخاری رح ابن العربی وغیرہ کے خیالی شرطوں والی حدیثوں کو ضرور جمع کر دیتے جس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ معتزلہ کو بھی ان روایتوں میں کلام کرنے کی گنجایش نہ ملتی۔ مگر دراصل وہ کام ہی بے ضرورت اور فضول تھا مقصود حاصل ہونے کے لئے فقہا نے جس قدر شرطیں لگائی ہیں کافی ہیں۔ باوجودیکہ امام بخاری نے اس انتخاب میں بہت کچھ پابندیاں کیں مگر بہت سارے امور میں اُن کو بھی اغماض کی ضرورت ہوئی۔ غرضکہ جس قدر ضرورت سے زیادہ شرطیں کسی حدیث میں پائی جائینگی گو اُس سے زیادہ حسن آجائیگا مگر یہ نہیں

کہہ سکتے کہ نفس صحت حدیث ان سے متعلق ہے۔ اسی وجہ سے امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ روی زمین پر علم حدیث میں موطا سے زیادہ صحیح کتاب نہیں حالانکہ اس میں مرسل اور منقطع اور بلا اسناد حدیثیں بھی موجود ہیں جن میں صرف بلغنی ہوتا ہے جیسا کہ مقدمہ فتح الباری شیخ الاسلام ابن حجر رح نے لکھا ہے۔ روینا عن الشافعی رضی اللہ عنہ انہ قال ما اعلم فی الارض کتابا فی العلم اکثر صوابا من کتاب مالک قال ومنهم من رواہ بغیر ہذا اللفظ یعنی بلفظ اصح من الموطا۔ وایضا فیہا فقد استشکل بعض الائمۃ اطلاق اصحیۃ البخاری علی کتاب مالک مع اشتراکہما فی اشتراط الصحۃ والمبالغۃ فی التحری والتثبت وکون البخاری اکثر حدیثا لایلزم منہ افضلیۃ الصحۃ والجواب عن ذلک ان ذلک محمول علی اصل اشتراط الصحۃ فمالک لایری الانقطاع فی الاسناد قادحا فلذلک یخرج المراسیل والمنقطعات والبلاغات فی اصل موضوع کتابہ الخ اس سے ظاہر ہے کہ نفس صحت مرسل اور منقطع میں بھی موجود ہے۔ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ موطا میں مثلاً آدھی یا تین پاو صحت ہے اور بخاری میں کامل کیونکہ صحت متجزی نہیں بلکہ نفس صحت میں دونوں برابر ہیں البتہ بخاری شریف میں امور زایدہ کا بھی التزام کیا گیا جو از قبیل محسنات ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تعارض کے وقت وہ حدیث جس میں شروط محسنہ ہوں راجح ہو اور دوسری صحیح حدیث متروک ہو جائے دیکھ لیجئے

جس حدیث کی پوری اسنادمیں حدثنا ہوا ورسماع پر قطعی دلالت کرتی ہے باوجود اس کے تعارض کے وقت صحیح معنعن علی شرط البخاری متروک نہ ہوگی بلکہ دوسرے اسباب توفیق وغیرہ دیکھے جائینگے محدثین کی اسانید کی طرف توجہ اور اُن کے محسنات کی جانب اشتغال اس سے ظاہر ہے کہ امام سخاوی رح نے الجواہر المکللۃ فی الاخبار المسلسلہ میں ایک سو ایک حدیثیں جمع کی ہیں جن کی اسنادوں میں عجیب عجیب التزام ہیں مثلاً بعض اسنادوں میں اول سے آخر تک حرف عین کا التزام ہے جیسے عبدالرحمٰن عزابن جماعہ عبداللہ وغیرہ اور بعضوں میں نون کا التزام ہے مثلاً عبدالرحمٰن وابوالفضل المنسوب الی السقلان وابونعیم رضوان وغیرہ اور بعضوں میں صرف شامیین اور بعضوں میں صرف عراقیین اور بعض اسنادوں میں اول سے اخر تک ایسے لوگوں کے نام ہیں جن کی عمر ستّر سے متجاوز ہوئی اور ہرایک نے اس کی تصریح کی۔ ہرچند یہ امور ضرورت سے زاید ہیں مگر اُن سے تبحر علمی اور کثرت معلومات اور قوت حافظہ کا اعلیٰ درجہ کا ثبوت ملتا ہے کہ جس طرف اُنہوں نے توجہ کی ایک قسم کی حدیثوں کا ذخیرہ فراہم کردیا۔

ہمارے زمانہ میں بھی فاضل اجل مولانا مولوی محمد حسن الزماں صاحب جو فن حدیث میں یدطولیٰ رکھتے ہیں ایک کتاب حدیث میں لکھی اور اُس میں وہ حدیثیں جمع کیں جن کی اسنادوں میں اہلبیت میں سے

کوئی ایک مذکور ہوں۔ اور سبب تالیف اُس کا یہ لکھا کہ شیعہ کا اعتراض ہے کہ اہل سنت وجماعت کو علوم اہل بیت نہیں پہونچے اس پر مجھے غیرت آئی اور یہ کتاب لکھنی شروع کی۔ اس کتاب سے مقصود مولوی صاحب کا صرف یہ بات معلوم کرا دینا ہے کہ اُن حضرات کی روایتیں ہماری کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ اُس سے شیعہ کو الزام دینا مقصود نہیں کہ اُنہوں نے ان حدیثوں کے مطابق عمل نہیں کیا اور اعتقاد نہیں رکھا کیونکہ وہ تو اُن کتابوں کو اور اُن روایتوں کو صحیح اور قابل اعتبار سمجھتے ہی نہیں۔ اور نہ مولوی صاحب کا یہ مقصود ہے کہ اہل حدیث اُن روایتوں پر عمل کریں کیونکہ وہ تو سوائے بخاری کے کسی کتاب کو مانتے ہی نہیں پھر فردوس دیلمی اور آغانی وغیرہ کی روایتوں کا جو اُس میں مذکور ہیں اُن پر کیا اثر ہوگا اور نہ یہ مقصود ہے کہ مقلدین اُن پر عمل کریں اسلئے کہ مقلدین کے عمل کا مدار اُن کے امام کے اقوال پر ہے جس کا وظیفہ تحقیق وتنقید احادیث ہے اگر وہ حدیث ہی پر عمل کرتے تو مقلد کیوں کہلاتے عامل بالحدیث اور امام بخاری رح کے مقلد ہوتے۔ جن کے امام فی الحدیث ہونے پر محدثین کا اجماع ہوگیا ہے پھر جسطرح مذہب اربعہ مدوّن ہوئے ہیں اہل بیت رضی اللہ عنہم کا مذہب مدوّن ہوا ہی نہیں ورنہ جس طرح حنفی شافعی مالکی حنبلی کہے جاتے ہیں اہل بیتی بھی کہیں ہوتے حالانکہ اس لقب کا ایک شخص بھی سنا نہیں گیا البتہ شیعہ اپنے آپ کو اہل بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں مگر اُن کے عقاید سے

ظاہر ہے کہ اہل بیت کے طریقہ پر وہ نہیں ہیں بلکہ خود اہل بیت کی تصریحات سے
اُن کا مخالف ہونا ثابت ہے اب رہی یہ بات کہ جو روایتیں اہل بیت سے
مروی ہیں کیا اُن حضرات کا مذہب انہی کے مطابق ہوگا سو وہ بھی ضرور نہیں
اس لئے کہ یہ بات مسلم ہے کہ کسی حدیث کو روایت کرنے سے یہ نہیں
سمجھا جاتا کہ راوی کا مذہب بھی وہی ہے دیکھ لیجئے صحاح ستہ میں
اکثر متعارض حدیثیں موجود ہیں۔ حالانکہ ممکن نہیں کہ وہ سب مذہب ہنیں
اس لئے کہ بلحاظ اذا تعارضا تساقطا کے یا دونوں ساقط الاعتبار ہونگے
یا کسی ایک کو ترجیح ہو گی، اسیطرح کسی حدیث کو روایت کرنے سے
وہ اہل بیت کا مذہب ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس کی تصدیق باسانی
یوں ہو سکتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایتیں بالالتزام فقہ اہلبیت
میں داخل کی گئی ہیں انہی روایتوں کو تفسیر درمنثور و ابن جریر وغیرہ میں
دیکھ لیجئے کہ ایک ایک آیت میں آپ سے کتنی کتنی روایتیں وارد ہیں
جن میں تعارض کا کوئی لحاظ نہیں۔ اس کے بعد رائے قائم کی جائے
کہ کیا اُن تمام روایتوں کے مطابق آپ کا مذہب ہو سکتا ہے۔ اس
سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ اہل بیت سے جو روایتیں مروی ہیں
اُن سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ اُن حضرات کا مذہب بھی وہی تھا
غرضکہ مولانا کو اس کتاب سے یہ ثابت کرنا مقصود نہیں کہ اہل بیت کا
مذہب یہی تھا۔ بلکہ جس طرح امام سخاوی رح نے الجواہر المکللہ میں
اُن احادیث کو ذکر کیا جن کی اسنادوں میں کس قسم کا التزام ہے۔

اسی طرح مولانا ممدوح نے صرف اُن احادیث کا اُس میں التزام کیا جن کے اسنادوں میں حضرات اہل بیت میں سے کسی کا نام ہو خواہ وہ صحیح ہو یا نہ ہو۔ اور وہ کسی کا مذہب ہو یا نہ ہو اسی وجہ سے آغا ئی تک کی روایتیں اُس میں لی گئیں۔

اس کتاب کے دیکھنے سے اکثر علما مولوی صاحب کے مخالف ہوگئے اور اُس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ مولوی صاحب نے یہ کتاب لکھکر ایک فتنہ کی بنیاد ڈالی جس کا اثر خاص مقلدوں پر پڑنے والا ہو اس لئے کہ نہ شیعہ اُس کی طرف التفات کریں گے نہ اہل حدیث البتہ مقلدین میں جو حضرات اہل بیت سے خوش اعتقاد ہیں خصوصاً مشایخین و مریدین جن کا انتساب حضرت علی کرم اللہ وجہ کے طرف ہے وہ ضرور یہ خیال کریں گے کہ جس طرح طریقت میں حضرت کی اتباع ضرور ہے شریعت میں بھی بہتر بلکہ ضرور ہے مگر غور کیا جاے تو یہ الزام مولانا ممدوح کی طرف لگانا زیادتی ہے اس لئے کہ اُنھوں نے یہ کب دعویٰ کیا کہ طریقت اور شریعت میں ایک ہی کی اتباع ضروری یا بہتر ہے اور ممکن نہیں کہ وہ اُس کے قائل ہوں کیونکہ خود اُن کے پیر حضرت حافظ محمد علی صاحب قدس سرہ اور اُن کے پیر حضرت شاہ سلیمان صاحب۔ اور مولانا فخر صاحب وغیرہم سب حنفی تھے اور خود حضرت محبوب الٰہی مولانا نظام الدین قدس سرہ العزیز بھی حنفی تھے جیسا کہ فوائد الفواد کی جلد چہارم مجلس دہم ماہ رمضان ۷۱۶ھ سے ظاہر ہے کہ خود حضرت نے

اپنے حنفی المذہب ہونے کا اعتراف کرکے امام اعظم کوفی رح کے فضائل ومناقب بیان کئے ہیں اور حضرت خواجۂ خواجگاں خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ العزیز وغیرہ اکثر حضرات بھی حنفی المذہب تھے پھر حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلۂ چشتیہ کے اکابر شیوخ سے ہیں اُن کا حال بھی اوپر معلوم ہوا کہ کس طرح امام صاحب کے معتقد تھے اسی طرح تذکروں سے ثابت ہے کوئی طریقہ ایسا نہیں کہ جس کے اکابر اور مقتدا مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کے مقلد نہ ہوں اگر اہل طریقت کو اہل بیت کی تقلید ضروری یا بہتر ہوتی تو یہ حضرات سوائے اہل بیت کے کسی کی تقلید نہ کرتے۔

اولیاء اللہ کا کسی مذہب کی تقلید کرنا ایسا نہ تھا جیسے ہم تقلید کرتے ہیں بلکہ اُن کو مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہوجاتی تھی کہ مجتہدین رضی اللہ عنہم مقربین بارگاہ الٰہی ہیں اور انبیا کے مرتبہ کے بعد اُن کا مرتبہ ہے اور اُن کو ہمیشہ امداد الٰہی ہوتی رہتی ہے اور کل مذاہب اربعہ حق ہیں چنانچہ امام المحققین شیخ اکبر محی الدین ابن عربی حاتمی قدس سرہ العزیز نے فتوحات مکیہ کے ایک سو انسٹھویں باب میں لکھا ہے نقلت لہ۔

(ای لابن مدیج) یا عبد الرحمن لا اعرف لھذا المقام اسما امیزہ بہ فقال لی ھذا یسمی مقام القربۃ فتحقق بہ فتحققت بہ فاذا بہ مقام عظیم لعلماء الرسوم من اھل الاجتھاد فیہ قدم راسخۃ لکنھم لا یعرفون انھم فیہ ورایت الامداد الالھی یسری الیھم

من ھذا المقام ولھذا ینکر بعضہم علی بعض کما انہ لکل نبی
تقدم ھذا الزمان المحمدی شرعۃ ومنھاج والایمان بذلک کلہ
واجب علی کل مومن وان لم تلزم من احکامہم الا ما الزمنا
فالمجتہدون من علماء الشریعۃ ورثۃ الرسل فی التشریع والم
تقم لہم مقام الوحی الانبیاء واختلاف الاحکام کاختلاف
الاحکام الا انہم لیسوا مثل الرسل بعدم الکشف اور نیز
فتوحات مکیہ کے ایک سو چھپنویں باب میں لکھتے ہیں وانما القطع
منہا مسمّٰی النبی والرسول وکذلک قال صلی اللہ علیہ وسلم
فلا رسول بعدی ولا نبی ثم ابقی منہا المبشرات وابقی منہا حکم
العلماء المجتہدین وازال عنہم الاسم وابقی الحکم وامر من
لا علم لہ بالحکم الالٰہی ان یسأل اھل الذکر فیفتنونہ بما اداہ
الیہ اجتہادھم وان اختلفوا کما اختلف الشرائع لکل جعلنا
منکم شرعۃ ومنھاجًا کذلک لکل مجتہد جعل لہ
شرعۃ من دلیلہ ومنھاجا وھو عین دلیلہ فی اثبات
الحکم ویحرم علیہ العدول عنہ وقررنا لشرع الالٰہی ذلک
کلہ فحرم الشافعی عین ما احلہ الحنفی واجاز ابو حنیفۃ
عین ما منعہ احمد بن حنبل فاجاز ھذا ما لم یجز ھذا
واتفقوا فی اشیاء واختلفوا فی اشیاء والکل فی ھذہ الامۃ
شرع مقرر لنا من عند اللہ مع علمنا ان من تبتہدون

مرتبۃ الرسل الموحی الیہم من عند اللہ اور باب ثامن وثمانون
میں لکھتے ہیں۔ وحکم الاجتہاد فی الاصول والفروع واحد
والحق فی الفروع حیث قررہ الشرع وقد قرر حکم المجتہدین
ولا یقرر الا ما ھو حق فکلہ حق اور اسی میں یہ بھی ہے کان
من علم مالک ابن انس ودینہ وورعہ انہ اذا اسئل عن مسئلۃ
فی دین اللہ یقول انزلت فان قیل لہ نعم افتیٰ وان قیل لہ
لم تنزل لم یفت۔
الحاصل اہل کشف کی ان تصریحات سے ثابت ہے کہ مرضی الٰہی یہی
ہے کہ شریعت میں ائمہ اربعہ کی تقلید کی جاوے اور چاروں مذہب
برگزیدہ بارگاہ رب العزۃ ہیں۔ اور سب حق ہیں اسی وجہ سے اجتہاد میں
من جانب اللہ اُن کو مدد پہونچتی رہتی تھی۔ یہ تو اہل کشف کے مشاہدہ
سے ثابت ہوا کہ اہل بیت کی تقلید شریعت میں مطلوب نہیں اب
احادیث کو بھی دیکھ لیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا
کہ میرے بعد اہل بیت کا مذہب اختیار کرو بلکہ یہ ارشاد ہوا
قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم بایہم
اقتدیتم اھتدیتم کذا فی المشکوٰۃ یعنی میرے صحابہ سب
مثل ستاروں کے ہیں تم جس کی پیروی کروگے راہ پاؤگے۔
اور نیز ارشاد ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری
ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر

رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نہیں جانتا کہ کس قدر میرا تم میں رہنا ہوگا سو تم کو چاہیئے کہ میرے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرو۔ اور نیز ارشاد ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یعش منکم بعدی فیری اختلافاً کثیرا فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا علیہا وعضوا علیہا بالنواجذ رواہ احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ یعنی فرمایا حضرت نے جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہیگا اختلاف کثیر دیکھیگا سو تم کو چاہیئے کہ میری سنّت اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑو اور ہرگز نہ چھوڑو اور نیز ارشاد ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار رواہ ابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ یعنی فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جماعت کثیرہ کی اتباع کرو اور اس سے جو علیحدہ ہو وہ دوزخی ہے انتہیٰ۔ انہی روایتوں اور ارشادات کی وجہ سے محدثین نے خلفاء راشدین اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو روایتیں مروی ہیں جمع کئے۔ اور جس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ نے طریقہ بتلادیا مجتہدین نے اُن میں اجتہاد کی اور کروڑہا مسلمانوں نے جن میں لاکھوں علماء ہیں اُن کی تقلید کی اور سواد اعظم بن گیا جس کے اتباع کا حکم نبوی ہے۔

اب دیکھئے کہ مولانا ممدوح کو نہ اولیاء اللہ کے اُس کشف کا انکار ہے نہ اپنے پیروں کے حنفی المذہب ہونیکا انکار ہے نہ ان احادیث کا انکار ہے

پھر کیونکر کہا جاے کہ ان تمام اقراری امور کے بعد اُن کی یہ راے ہے کہ سب چھوڑکر فقہ اہل بیت کی تقلید کی جاے باوجود اس کے اگر کوئی شخص مولانا کے منشا کے خلاف اپنے جہل سے یہ سمجھ لے کہ فقہ اکبر اہل بیت کا مذہب ہے اور وہی واجب الاتباع ہے۔ تو اُس کی غلط فہمی ہے اُس سے مولانا کو کوئی تعلق نہیں۔

یہ بات واضح رہے کہ اگر کسی کو یہی شوق ہو کہ اہل بیت کے مذہب کے موافق عمل کرے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کے شان میں جو وارد ہے انامدینۃ العلم وعلیٌّ بابھا۔ ان علوم سے بہرہ یاب ہو تو یہ خواہش بھی حنفی مذہب کی تقلید سے پوری ہو سکتی ہے اس لئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کوفہ میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے علوم جیسے کوفہ میں شائع تھے دوسری جگہ نہ تھے اور امام صاحب بھی کوفی تھے۔ ایک یا دو واسطے سے حضرت کے علوم آپ کو پہونچگئے ہیں کیونکہ جب امام صاحب کے چار ہزار استاد تھے تو اُن میں صدہا اساتذہ کوفہ کے ہوں گے پھر امام صاحب کا شوق تحصیل علم گواہی دیتا ہے کہ جب تک کل احادیث کوفہ کے آپنے حاصل نہ کرلیا ہوگا باہر نہ نکلے ہوں گے۔ باہر کے علمار تحصیل علم کے لئے بار بار کوفہ کو آتے تھے جیسا کہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ شام اور مصر اور جزیرہ اور بصرہ کو تو میں دو دو چار چار بار گیا مگر کوفہ اور بغداد کو اتنے بار گیا کہ اُس کا شمار نہیں کرسکتا کما فی مقدمۃ الفتح الباری

قال البخاری دخلت الی الشام ومصر والجزیرۃ مرتین والی البصرۃ

اربع مرات واقمت بالحجاز ستۃ اعوام ولا احصی کم دخلت الی الکوفۃ و بغداد مع المحدثین جب کوفہ ایسا دار العلم تھا تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ امام صاحب ایسے بیش بہا ذخیرہ کو گھر میں حاصل نہ کرکے باہر گئے ہوں بلکہ عقل اس بات پر گواہی دیتی ہے کہ جس قدر اوروں کو زحمت سفر اُٹھانے کے بعد وہاں کی حدیثیں ملی ہوں گی امام صاحب کو گھر بیٹھے اُن کے اضعاف مضاعفہ حاصل ہوئی ہونگی اور چونکہ امام صاحب کو اہل بیت اور علی کرم اللہ وجہ سے کمال درجہ کی محبت تھی یہاں تک کہ اسی محبت کی وجہ سے اہلحدیث آپکے مخالف ہو گئے ہیں چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اہل حدیث ہم سے بغض اس وجہ سے بھی رکھتے ہیں کہ ہم اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں اور علی کرم اللہ وجہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں اور وہ ثابت نہیں کرتے۔ ملل ونحل میں شہرستانی رحمہ نے اصل سبب آپ کے قید ہونے کا لکھا ہے کہ آپ کو اہل بیت کے ساتھ نہایت محبت اور تعلقات تھے جب یہ خبر منصور کو پہونچی تو اُس نے آپ کو دائم الحبس کر دیا چنانچہ قید ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ اب کس کا منہ ہے کہ امام صاحب کے مقابلہ میں اہل بیت کی محبت کا دعوی کر سکے آپنے تو اِس محبت میں اپنی جان تک فدا کر دی اور مقتضاے طبیعت ہے کہ جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے اُس کی ہر بات اچھی معلوم ہوتی ہے اس وجہ سے ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ جس قدر علی کرم اللہ وجہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی

روایتیں اُس زمانہ میں موجود تھیں امام صاحب نے تلاش کر کر کے اُن کو حاصل کر لیا تھا۔ غرضکہ یہ حسن ظن بالکل واقع کے مطابق اور موکد بالقرائن اور موید بالعقل ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علوم امام صاحب کے اجتہاد میں پیش نظر تھے اور ظاہر ہے کہ سرچشمہ علوم اہل بیت کے امام صاحب کی فقہ میں شامل ہیں۔ پھر مزید برآن دو سال آپ کا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہنا جو لولا السنتان لہلک النعمان سے معلوم ہوتا ہے۔ اس بات کو بتلاتا ہے کہ رہے سہے علوم اہلبیت کی تکمیل بھی آپ نے اس مدت میں کر لی۔ غرضکہ حنفیہ کو کمال افتخار کا موقع ہے کہ علاوہ جمیع احادیث و قرآن کے علوم اہل بیت کے ساتھ بھی اُن کے فقہ کو خصوصیت ہے۔ اور اُن کے فقہ میں فقہ اہل بیت ہی شامل ہے۔ الحاصل محدثین تبحر علمی کی وجہ سے اسنادوں سے متعلق اقسام کے تفنن اور التزام کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح امام بخاری رح نے بخاری شریف میں ایک ایسا التزام تصحیح کیا جو دوسرے سے ہونا مشکل تھا اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ آپ کا خداداد غیر معمولی حافظہ اس درجہ قوی تھا کہ لاکھوں اسنادیں آپ کے پیش نظر تھیں جس میں ایک لاکھ صحیح اسنادیں تھیں جن کی صحت کا خود اُن کو اعتراف ہے۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی چیز کثرت سے ہوتی ہے اور کوئی اہم اور ضروری کام درپیش نہیں ہوتا تو مقتضائے طبیعت ہے کہ اُس میں سے اعلیٰ درجہ کی اشیاء کو آدمی منتخب کرتا ہے دیکھ لیجئے

شاہی جواہر خانہ میں ہر چند اکثر جواہر بیش بہا ہوتے ہیں مگر پھر بھی اُن میں سے ایسے جواہر منتخب کئے جاتے ہیں جو لاجواب ہوں۔ اسیطرح امام بخاری رح نے اُن لاکھہ صحیح منتخب حدیثوں سے پھر انتخاب کر کے چند حدیثیں ممتاز کر دیں جن کو لاجواب کہنا چاہئے اور یہ کام اُن سے ایسا وقوع میں آیا جو اُس وقت تک کسی سے ہوا نہ تھا اس پر جس قدر امام بخاری صاحب کو نشاط و سرور رہا ہو بجا ہے بمقتضائے سرور و نشاط اُن کو یہ خیال پیدا ہوا کہ بس صحیح حدیثیں پوچھئے تو یہی ہیں اور ان کے سوا جتنی حدیثیں ہیں ان کے مقابلہ میں کوئی قابل اعتبار نہیں اور اُن سب حدیثوں کو ساقط الاعتبار کر دیا جن کی صحت ائمہ بلکہ خود اُن کے اساتذہ کے نزدیک بلکہ خود اُن کے نزدیک مسلم ہو چکی تھی اور اُس وجدانی حالت کا اُن پر اس قدر اثر ہوا کہ کل احادیث صحیحہ کو ترک کر کے انہی چند حدیثوں پر اجتہاد کا مدار رکھا اور اس کا خیال نہ کیا کہ یہ رائے تمام مجتہدوں اور اُن کے اساتذہ کے خلاف ہے۔

امام بخاری رح نے جو منتخب شدہ حدیثوں میں دوبارا انتخاب کیا مجتہدین سابق کو اس انتخاب کی ضرورت نہ تھی۔ اسلئے کہ اُنھوں نے اسنادوں کی تحقیق کر کے صرف اُن صحیح حدیثوں کو یاد کر لیا تھا جن سے احکام متعلق ہیں پھر اُن احادیث کے مضامین میں غور و فکر کرنا اور اُن سے مسائل دینیہ کا استنباط کرنا کوئی ایسا کام نہیں کہ اُس سے فرصت ملسکے

اور راویان صحاح کے اوصاف و حالات پسندیدہ میں موازنہ کرنے کی نوبت آئے کیونکہ اُنھوں نے یہ مان لیا تھا کہ اُن معتبر راویوں کے ذریعہ سے جو حدیث پہونچگئی ہے اُس کا انکار ہو نہیں سکتا اس لیئے اُن تمام صحیح حدیثوں کو پیش نظر رکھہ کر اجتہاد کیا اور جس طرح صدیق اکبرؓ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتہاد کا طریقہ بتلایا تھا اُس کو عمل میں لایا اور تمام احادیث صحیحہ اور آیات قرآنیہ سے مدد لیکر استنباط احکام کیا اور اجتہاد کے وقت کسی صحیح حدیث کو نظر انداز نہیں کیا اور نہ اُس کے خیال کرنے کی اُن کو ضرورت تھی اب بتائیے کہ جو لوگ تمام احادیث صحیحہ کو قابل استدلال سمجھتے ہیں۔ وہ عامل بالحدیث ہونگے یا وہ لوگ جو لاکھوں حدیثوں کو ترک کر کے چند حدیثوں کو قابل استدلال سمجھتے ہیں۔

تقریر سابق سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امام بخاری رحمہ نے واجب العمل حدیث پہچاننے کا طریقہ تقلیل احادیث صحاح قرار دیا ہے یعنی جن احادیث کی صحت کو قدما نے تسلیم کرلیا ہے ادنیٰ ادنیٰ احتمالات سے اُن کو ساقط الاعتبار کر کے وہ حدیث واجب العمل سمجھی جائے جس میں ضعف کے احتمال کم ہوں جس کا مطلب یہ ہوا کہ سب صحیح حدیثوں کو ترک کر کے ایک حدیث پر عمل کیا جائے جس سے عمل بالحدیث صادق آے۔ اور فقہا کا یہ طریقہ ہے کہ اُن تمام مسلم صحیح حدیثوں کی صحت کو مسلم رکھہ کر اُن سے استنباط احکام کیا جائے جس کا مطلب یہ ہوا کہ

صرف ایک حدیث پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ کل صحیح حدیثوں اور آیات سے جو بات بعد غور و فکر و اجتہاد کے ثابت ہو وہ واجب العمل ہے اب ان دونوں طریقوں پر غور کیجئے کہ کونسا طریقہ اچھا اور اقرب الی الصواب ہے۔ تقلیل احادیث کا طریقہ معتزلہ کا نکالا ہوا ہے چنانچہ اُنہوں نے منجملہ اور شرطوں کے ایک شرط یہ بھی لگائی کہ ہر روایت کے راوی ہر شخص سے چار ہوں اگرچہ ظاہرا اس میں نہایت احتیاط معلوم ہوتی ہے مگر منشا اُس کا بدنیتی ہے کہ نہ کوئی حدیث ایسی ملیگی نہ حدیث کے اتباع کی ضرورت ہوگی۔

امام بخاری رح کو چونکہ یہ منظور تھا کہ صحیح حدیث کا وجود بھی رہے اور حتی الوسع احتیاط بھی بڑھ جائے اس لئے شروط لگانے میں ایسا اندازہ پیش نظر رکھا کہ صرف تقلیل احادیث ہو جائے اور اُن شرطوں سے اغماض کیا جن سے احادیث صحیحہ کا وجود باقی نہ رہے۔ ہرچند اُن شرطوں سے کسی قدر احتیاط زیادہ ہوئی مگر نہ اُن کو اصل صحت میں دخل ہے نہ مسکت خصم میں اس لئے کہ بغیر ان شرطوں کے بھی اکابر محدثین نے حدیثوں کو صحیح مان لیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ فقہا کو ان شرطوں کے لحاظ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور معتزلہ کے مقابلہ میں اُن شروط والی حدیثوں سے بھی کام نہیں چلیگا حجۃ اللہ البالغہ میں ابوداؤد کی اس روایت کو نقل کیا ہے کہ سعید ابن جبیر رح نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ صحابہ نے

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کے معاملہ میں اختلاف کیا ہے اُس سے تعجب ہوتا ہے تو فرمایا کہ بات یہ ہے کہ حضرت نے مسجد ذو الحلیفہ میں دو رکعت پڑھ کر احرام باندہا اور تلبیہ کہا حاضرین نے اُس کو یاد رکھکر روایت کی پھر جب آپ ناقہ پر سوار ہوے اور تلبیہ کہا اُس وقت جو لوگ وہاں پہونچگئے تھے اُنہوں نے تلبیہ سنکر کہا کہ سوار ہونیکے بعد حضرت نے احرام باندہا۔ پھر جب بلندی پر پہونچے اور وہاں بہی تلبیہ کہا تو اُسپر جو لوگ مطلع ہوے اُنہوں نے کہا یہیں احرام باندہا گیا حالانکہ حضرت نے احرام وہیں باندہا تھا جہاں نماز پڑھی تہی۔ انتہی ملخصاً

اب دیکھئے یہ تینوں قسم کی روایتیں صحابہ سے مروی ہیں اگر ایسی اختلافی رواہتوں میں امام بخاری رح کا طریقہ اختیار کیا جاے تو اُس کو اصل واقعہ سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔ کیونکہ تینوں واقعات صحابہ سے مروی ہیں اُن میں تو کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے تصحیح حدیث کا مدار ہر ایک روایت کی اسناد پر ہوگا۔ پھر یہ ضرور نہیں کہ وہی اسناد مطابق شروط ہوں جس میں اصل واقعہ مذکور ہے بلکہ ممکن ہے کہ اصل واقعہ کی اسناد گو در اصل صحیح ہوں مگر مطابق شروط نہ ہوں اس صورت میں خلاف واقعہ اعتقاد اور عمل کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ دوسری روایتوں کو ساقط الاعتبار کرنے کے بعد نہ قرائن پر غور کرنے کی اجازت ہوگی نہ عقل و اجتہاد سے کام لیا جاے گا۔ اور اُس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ نے

طریقۂ اجتہاد کا بتلایا تھا جس کا حال ابھی معلوم ہوا وہ متروک ہو جائیگا اب بتائیے کونسا طریقہ محمود اور واجب الاتباع ہے اور مجتہدین صدیق اکبرؓ و عمرؓ وغیرہ کے اتباع کے مامور ہیں یا نہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی۔

تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی رح نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رح کا جو قول ہے کہ صبح میں اسفار اور عصر میں تاخیر افضل ہے اُس کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اقیم الصلوٰۃ طرفی النہار و زلفا من اللیل یعنی قائم کرو نماز کو دونوں طرف دن کے اور حصّوں میں رات کے۔ ظاہر آیت دلالت کرتی ہے کہ نمازوں کی دو طرفوں میں واجب ہے اور چونکہ دو طرف دن کے طلوع و غروب ہیں جن میں نماز بلا ضرورت بالاجماع جائز نہیں اور طرف ثانی سے مراد مغرب نہیں ہو سکتی اس لئے وہ زلفا من اللیل سے متعلق ہے جن میں نماز مغرب اور عشاء اور وتر پڑھی جاتی ہے کیونکہ لفظ زلف جمع ہے اور جمع کے لئے کم از کم تین افراد چاہئیے اس لئے ضرور ہوا کہ طرفین سے معنی مجاز لئے جائیں اور قاعدہ ہے کہ کسی چیز کا اطلاق اُس کے قریب والی چیز پر ہوا کرتا ہے اس لئے طرف کا اطلاق مجازاً ایسے وقت پر ہوگا جو طلوع و غروب کے قریب ہو اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسفار بہ نسبت غلس کے اور مثلین بہ نسبت ایک مثل کے طلوع و غروب کے قریب ہیں اس لئے طرفی النہار کا اطلاق انہی دونوں قریب والے وقتوں پر اولیٰ ہوگا کیونکہ لفظ کا اطلاق اُن مجازی معنی پر اولیٰ ہے جو حقیقت سے قریب ہوں۔

دیکھئے اجتہاد میں کہاں کہاں نظر ڈالی جاتی ہے صرف احادیث کے ظاہری معنی سے مقصود نہیں حاصل ہو سکتا۔ کیا کوئی معمولی مولوی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی کہ اس آیۂ شریفہ سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ دوسرے پر ہو تو نماز عصر پڑھی جائے۔ محدثین نے جو تصریح کی ہے کہ ابو حنیفہ مواقع استدلال کو خوب جانتے تھے اُس کا مطلب اس سے ظاہر ہے کہ کونسی آیت اور کونسی حدیث سے کون کون مسائل نکلتے ہیں اُس کو جانتے تھے اور جو مواقع استدلال اُن کے حاشیہ خیال میں نہیں وہ امام صاحب کے پیش نظر تھے۔

یہ روایت اوپر لکھی جاچکی ہے کہ اعمش رح سے چند مسائل کسی مجلس میں پوچھے گئے۔ آپ نے امام صاحب سے اُن کا جواب دینے کو کہا آپ نے جواب دیا۔ اعمش رح نے اُس کی دلیل طلب کی۔ امام صاحب نے وہی احادیث پیش کردی جو اعمش رح سے اُنہیں پہونچی تھیں۔ اب وہ حیران ہیں کہ یہ مسائل اُن احادیث سے کیونکر نکل سکتے ہیں آخر امام صاحب نے موقع استدلال اور طریقہ استخراج بیان کیا جس کو سُنکر وہ کمال مسرت سے کہہ اُٹھے۔ انتم الاطباء ونحن العطارون اب غور کیجئے کیا یہ مضامین عالیہ اسناد ہی میں تشدد کرنے اور سخت شرطیں لگانے سے حاصل ہو سکتے ہیں یا شارع کی مراد پر مطلع ہونے کا اُس سے کوئی قرینہ مل سکتا ہے ہرگز نہیں عقد الجید میں ابن حزم رح کا قول نقل کیا ہے فلما منع اللہ تعالیٰ الرد عند التنازع الی احد دون القرآن والسنۃ وحرم بذلک الرد

عند التنازع الی قول قائل لانہ غیر القرآن و السنۃ. یعنی تنازع کے وقت سوائے قرآن وحدیث کے کسی کے قول کی طرف رجوع کرنا درست نہیں انتہیٰ۔ یہاں شاید یہ خیال کیا گیا ہے کہ مقلدین امام کے ذاتی قول کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مگر یہ خیال درست نہیں اس لئے کہ ہم مقلدین کا جزمی اعتقاد ہے کہ امام صاحب نے اجتہاد کر کے کتاب وسنت کے مطابق فتویٰ دیا ہے جس پر صدہا اکابر محدثین نے گواہی دی ہے۔ جن کو ہم جھوٹے نہیں سمجھ سکتے وہ مجتہدین کے قول کو خدا اور رسول کے قول کا ماحصل سمجھے ہیں اور اسی جزم پر ان کا عمل صحیح ہی ہوتا ہے جیسا کہ مشتبہ ہو تو جس جہت پر قبلہ ہونے کا جزم ہو اسی طرف نماز صحیح ہوتی ہے گو خلاف واقع ہو۔ غرضکہ حقیقت تقلید پر غور نہ کرنے سے اس قسم کے اعتراض پیدا ہوتے ہیں جن سے عوام کو دہوکا ہوتا ہے اور علما کو جنبش بھی نہیں ہوتی۔

عقد الجید میں لکھا ہے کہ ابن حزم رح نے اس آیہ شریفہ سے یہ استدلال کیا ہے قولہ تعالیٰ۔ فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر یعنی اگر کسی بات میں تمہیں جھگڑا ہو تو اس کو خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم کو خدا پر اور روز قیامت پر ایمان ہو۔ مگر یہ استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ اس آیہ شریفہ میں ذاتی جھگڑوں کا ذکر ہے۔ اس تنازع کا بیان نہیں جو مسائل فقہیہ میں ہوتا ہے کیونکہ مجتہد جو فتویٰ دیتا ہے اس پر قرآن وحدیث سے استدلال کرتا ہے

اگر اس کا فیصلہ بھی قرآن وحدیث ہی پر رکھا جاے تو دور لازم آئیگا۔
کسی ایک مسئلہ میں جب آیات واحادیث باہم متعارض ہوں تو ممکن نہیں کہ اُن کا فیصلہ دوسری آیات واحادیث سے ہو سکے کیونکہ وہ آیات واحادیث بھی اُسی تنازع میں شریک ہونگے۔ در اصل یہاں تنازع کرنے والی احادیث وادلہ ہیں جو مجتہدین کی طرف سے پیش ہوتے ہیں ان کے فیصلہ کا طریقہ ابوداؤد رح نے صحیح میں یہ لکھا ہے اذا تنازع الخبران عن النبي صلى الله عليه وسلم نظر الى ما عمل به اصحابه من بعده یعنی اگر وہ دو حدیثوں میں تنازع ہو تو عمل صحابہ کی طرف دیکھا جاے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُنہوں نے اُس بات میں کیا عمل کیا۔ اب دیکھئے کہ بموجب اس روایت کے احادیث کا فیصلہ صحابہ کے عمل پر رکھا گیا۔ حالانکہ وہ غیر قرآن وحدیث ہے کیونکہ سنت سے مراد ابن حزم رح کے قول میں سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے بدلیل قولہ تعالے فردوہ الی اللہ ورسولہ اب اگر ابن حزمؒ کا قول مان لیا جاے تو اُن مسائل فقہیہ کا فیصلہ جن میں متعارض احادیث ہوں ممکن نہ ہوگا کیونکہ وہ تو صاف کہتے ہیں کہ غیر خدا اور رسول کی طرف رجوع کرنا حرام اور یہ بھی کہنا پڑیگا کہ ابوداؤد رح نے ایک ایسے کام کو جو حرام ہے اپنی صحیح کتاب میں داخل کیا اور کسی محدث نے اُس کا انکار تک نہیں کیا بلکہ سب راضی اور رضا بالحرام کے مرتکب رہے جو کفر ہے نعوذ باللہ من ذلک

عقد الجید میں حرمت تقلید پر ابن حزمؒ کا یہ استدلال بھی نقل کیا ہے
کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من
دونہ اولیاء یعنی چلو اسی پر جو اُترے تم کو تمہارے رب سے اور نہ
چلو اُس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے" مطلب اُن کا یہ کہ مقلد قرآن کو
نہیں مانتے اور اُس کے مقابلہ میں امام کے ذاتی قول کو مانتے ہیں
خدا کی پناہ اتہام کی بھلا کوئی حد بھی ہے۔ کوئی ایک مسئلہ تو پیش کیا جائے
کہ کسی معتمد علیہ مجتہد نے صریح آیت قرآنی کے خلاف میں رائے
قائم کی ہے۔ اور مقلد اُسی کی مانتے ہیں اور قرآن کو رد کردیتے ہیں۔
ایک استدلال یہ بھی نقل کیا ہے قال اللہ تعالیٰ واذا قیل لہم
اتبعوا ما انزل قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا۔ یعنی جب اُنسے
کہا جاتا ہے کہ قرآن کی اتباع کرو تو کہتے ہیں ہم اُس کی اتباع نہ کرینگے
بلکہ اپنے آباواجداد کو جس طریقہ پر دیکھا ہے اُس کی اتباع کریں گے"
مطلب اُن کا یہ کہ مقلد اپنے باپ دادا کے قول وفعل کے مقابلہ میں
قرآن کو بھی نہیں مانتے" انصاف سے دیکھا جائے کہ چاروں
مذہبوں میں کوئی بھی مذہب ایسا ہے کہ اُس میں آیات قرآنیہ کا انکار
ہے۔ اگر کوئی مذہب ایسا ہو تو کیا وہ اہل سنت وجماعت کا مذہب
ہوسکتا ہے ہرگز نہیں۔ فقہ کی کتابوں سے ظاہر ہے کہ آیات قرآنی
اور احادیث تو کیا صحابہ کے اقوال تک ترک نہیں کئے جاتے۔
ایسی فقہ کے متبعوں کو کافر قرار دینا اور وہ آیات جو خاص کافروں کے

باب میں وارد ہیں اُن پر زبردستی چسپاں کرنا صرف غصّہ کا مقتضی ہے
جو تعصب مذہبی سے پیدا ہوتا ہے اور ہوش وحواس وتدین کو درہم
وبرہم کردیتا ہے۔ اسی غصّہ کی وجہ عین مسجدوں میں مارپیٹ ہوتی
ہے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں جس کی
قرآن وحدیث سے قطعی ممانعت وحرمت ثابت ہے۔ اُسی غصہ اور تعصب
کا اثر ہے کہ آمین بالجہر میں مبالغہ کیا جاتا ہے تاکہ اچھی طرح مخالفت
قایم ہو اور دل کھول کر طرفین سے دشمنی کے جوہر دکھلائے جائیں
کیا کسی حدیث سے ثابت ہوسکتا ہے کہ آہستہ آمین کہنے والوں کیساتھ
دشمنی قایم کرنے کی غرض سے آمین پکار کر کہا جاے اور مار پیٹ
کر کے مقدمہ بازی میں بے دریغ روپیہ صرف کریں اور ججوں کے روبرو
خواہ کرستان ہوں یا پارسی وغیرہ اسلام کو ذلیل کریں نہ کسی کتاب سے یہ بات
ثابت ہوسکتی نہ حمیت اسلامی اسکو گوارا کرسکتی ہے مگر ایک نفسانیت
ہے جو ہر قسم کی تباہی پر آمادہ کرتی ہے۔ اسیطرح ائمہ دین کے
مقلدوں کو کافر بنانے کا سبب بھی وہی غصہ اور جہالت ہے۔
اُسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس آیہ شریفہ میں حق تعالیٰ نے غیر مقلدوں
کی مدح کی ہے قولہ تعالیٰ فبشر عبادی الذین یستمعون القول
فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھدٰھم اللہ واولئک ھم
اولوا الالباب یعنی تم خوشی سناؤ میرے بندوں کو جو سُنتے ہیں بات
اور پھر چلتے ہیں اُس میں سے اچھی بات پر وہی ہیں جن کو راہ دی اللہ نے

اور وہی ہیں عقل والے۔
معلوم نہیں غیر مقلد اس میں کیوں شریک ہو گئے حالانکہ اُس سے تو مقلدوں
کی تعریف ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ بموجب ارشاد الٰہی
باتیں تو سب کی سُنتے ہیں مگر مانتے ہیں اُسی کی جس کی بات کو اچھی
سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے مطابق اگر ہے تو
اپنے ہی امام کی بات ہے اور اُسی کی پیروی کرتے ہیں۔
یہاں شاید یہ شبہ کیا جائیگا کہ حق تعالیٰ صرف اچھی بات کی اتباع کو
فرماتا ہے اور مقلد جس کو اپنی دانست میں اچھی سمجھتے ہیں اُس کی
اتباع کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو باتیں بالاتفاق اچھی ہیں۔
مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ وغیرہ اُن کو ہر امام کے مقلد مانتے ہیں
اب رہی وہ باتیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں یا مختلف حدیثیں
اُن میں وارد ہیں۔ سو اُن میں اچھی بات جو موافق مرضی خدا اور رسول
ہو بغیر اجتہاد کے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اُسکو وہی جانے گا جو اعلیٰ درجہ کا
مجتہد ہو۔ اور چونکہ ہر مقلد اپنے امام کو قرآن وحدیث دانی میں اعلیٰ درجہ کا
ماہر سمجھتا ہے۔ اس لئے اُس کے علم کے مطابق اچھی بات کا وہی متبع
ہو گا اور غیر مقلد کو چونکہ اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں اس لئے اُس کو
اچھی بات کا ممتاز کرنا دشوار ہے۔ اس صورت میں کیونکر کہا جاسے
کہ فیتبعون احسنہ غیر مقلدوں پر پوری طور سے صادق آتا ہے
عقد الجید میں ابن حزم رحہ کا استدلال یہی نقل کیا ہے کہ کل صحابہ

اور تابعین اور تبع تابعین کا اجماع ہے کہ کسی ایک معیّن شخص کی تقلید حرام ہے اس لیے اگر کسی نے ابو حنیفہ یا شافعی وغیرہ کی تقلید کل اقوال میں کی تو اس نے غیر سبیل المومنین اختیار کیا نعوذ باللہ من ذلک مطلب یہ کہ غیر سبیل المومنین کی اتباع کرنے والا بحسب آیہ شریفہ قطعاً دوزخی ہے۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا صحابہ یا تابعین نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص اچھی باتیں قرآن وحدیث کے مطابق بھی کہتا ہو تو اس کی اگر دس ہیں باتیں مانی بھی جائیں تو دو چار باتوں میں خواہ مخواہ مخالفت کیجائے اور یہ کہا جائے کہ اس کی وہ اچھی باتیں بھی ہوں تو ہم نہ مانینگے کیونکہ کسی کی سب باتیں ماننا درست نہیں گو وہ اچھی ہی کیوں نہ ہوں ہمیں تو اس قسم کی تصریح یاد نہیں اگر کوئی صاحب اس تصریح سے کسی کا قول پیش فرماویں تو اس کے ماننے میں ہمیں کلام نہیں۔ اب ہم دعوے کرتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں کہ حرمت تقلید شخصی پر صراحۃً اجماع ثابت ہوسکے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی صحابی یا تابعی کی تقلید شخصی ثابت نہیں مگر کسی فعل کے نہ کرنے سے اگر اس فعل کی حرمت پر اجماع ثابت ہوا کرے تو بڑی دشواریوں کا سامنا ہوگا۔ دیکھئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک قرآن جمع نہیں کیا گیا پھر کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو کام نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نہ اس وقت تک صحابہ نے کیا اس لئے اس کی حرمت پر اجماع ہوگیا تھا اور صدیق اکبرؓ نے نعوذ باللہ اس باب میں غیر سبیل المومنین

اختیار کیا۔ اسی طرح تقریباً ایک صدی تک حدیث کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی باوجود اس کے یہ نہیں کہہ سکتے کہ کتابوں کے نہ لکھنے پر اجماع ہو گیا تھا اور محدثین کتابیں لکھ کر معاذ اللہ مرتکب حرام ہوئے اِسکے سوا اور بہت سارے امور ایسے ہیں کہ وقتاً فوقتاً بحسب ضرورت متدین اہل علم اُن کو ایجاد کرتے گئے اور بجائے اِسکے کہ وہ مخالفت اجماع اور مرتکب حرام سمجھے جائیں احادیث سے مستحق ثواب ہونا اُن کا ثابت ہے جیسا کہ من سن سنۃ حسنۃ والی حدیث صحیح سے ظاہر ہے۔

اور ایسے امور کا بارگاہ کبریائی میں مورد تحسین ہونا اس روایت سے ثابت ہے۔ ما راٰہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن

بات یہ ہے کہ صحابہ کل عدول تھے جس کسی کو کوئی بات معلوم نہ ہوتی وہ کسی صحابی سے پوچھ لیتا اور اُس پر عمل کرنے میں کسی قسم کا اندیشہ نہ ہوتا کیونکہ اُسوقت مذاہب باطلہ کا وجود بھی نہ تھا اور اواخر میں اگر ابتدا ہوئی بھی تو صحابہ اُن کے سخت دشمن تھے۔ غرضکہ اُس وقت ہر ایک مفتی معتمد علیہ تھا۔ اسیطرح اوائل زمانہ تابعین میں بھی اکثر سر برآوردہ علما متدین اور معتمد علیہ تھے۔ لوگوں کو اُن کے اقوال پر عمل کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتا تھا جب کوئی ضرورت پیش آتی تو کسی معتمد علیہ سے پوچھکر عمل کر لیتے۔ اُس کے بعد جب مذاہب باطلہ کے لوگ علم پڑھ کر بظاہر محدث کہلاتے مگر در باطن اُن مذاہب باطلہ

کے رواج دینے میں بجد سعی کرتے تھے جس سے اُن کی مردم شماری
میں علانیہ زیادتی اور اہل سنّت میں کمی واقع ہونے لگی اُسوقت
اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ تمام آیات و احادیث پر غور کرکے
اہل سنّت وجماعت کا مذہب مدون اور ممتاز کردیا جائے تاکہ لوگ
اہل مذاہب باطلہ کے مکروتزویر سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ امام صاحب
نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور ایک ہزار محدثوں کے اتفاق سے
فقہ مدون کیا جس کی توثیق اکابر محدثین نے کی اور خود بھی اُس پر
عمل کرتے اور لوگوں کو اُس کی تقلید پر ترغیب دیتے گئے جس سے
تھوڑے عرصہ میں وہ مذہب عالمگیر ہوگیا اور لوگوں کو یہ اطمینان حاصل
ہوا کہ اہل سنّت وجماعت کا یہی مذہب ہے جس میں اہل باطل
کی رائے کو دخل نہیں۔ اب اس اطمینان کے بعد اگر اُن لوگوں
سے کہا جاتا کہ بھائیو اس مذہب کے دس بیس باتوں پر اگر عمل کرتے
ہو تو دو چار باتوں میں مخالفت بھی کیا کرو تو وہ ضرور پوچھتے کہ حضرت
مخالفت کسی خاص وجہ سے کی جائے یا خواہ مخواہ بلاوجہ بھی مخالفت
کی ضرورت ہے۔ اور اگر یہ قاعدہ بتایا جاتا کہ صریح حدیث کے مخالف
جو بات ہو اُس میں مخالفت کیجائے تو وہ اُس کے جواب میں صدیق اکبر
عمر فاروق عثمان ذی النورین عایشہ صدیقہ ابن عمر اور ابن عباس
رضی اللہ عنہم کا طریقہ عمل بلکہ کل صحابہ کا اجماع پیش کرسکتے تھے
کہ مجتہد کو ضرور نہیں کہ ہر ایک حدیث پر عمل کرے بلکہ یہ بتلا سکتے تھے کہ

خود محدثین نے ہزارہا حدیثوں کو متروک العمل کر دیا۔ اور یہ تو ضرور کہیں گے کہ ہم نے ایسے مذہب کی تقلید کی کہ اُس کی تدوین میں ہزارہا محدث شریک تھے اور تمام روے زمین پر جو حدیثیں اُس وقت موجود تھیں تدوین کے وقت سب پیش نظر تھیں۔ اور ایسے شخص کی تقلید کی ہے کہ بحسب گواہی اکابر محدثین وہ تمام محدثوں سے اعلم و افقہ اور اورع ہیں ایسے شخص کی مخالفت کیونکر جائز ہو۔ اور اگر چند مسائل میں مخالفت کی تو وہ ابوحنیفہ کی مخالفت ہوگی یا آیات واحادیث کی جن کی بنا پر اُنہوں نے فتویٰ دیا تھا۔ غرضکہ فقہ کی حقیقت معلوم ہونیکے بعد مقلد اپنے امام کی مخالفت سے ہرگز نہیں ہوسکتا ورنہ لازم آئیگا کہ اُس کا حسن ظن جو امام کے اعلم اور افقہ ہونے پر تھا جاتا رہا حالانکہ صحت عمل کا مدار اسی حسن ظن پر ہے۔

اب ضرورت تقلید پر بھی غور کیجئے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مقتضاے فطرت انسانی ہے کہ آدمی اپنے ہم خیال وہم مشربوں کو دوست رکھتا ہے اور جو ہم خیال نہ ہو اُس سے اجنبیت بلکہ کبھی وحشت اور نفرت ہوتی ہے جس سے مخالفت اور عداوت تک نوبت پہونچ جاتی ہے تھوڑے روز کی بات ہے کہ قصبۂ بیڑ میں ایک صاحب نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ جمعہ کے دونوں خطبوں کے بیچ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا منع ہے۔ تھوڑے لوگ اُن کے موافق ہوے اور تھوڑے مخالف اور ان دونوں فرقوں میں باہمی مخالفت کی یہاں تک نوبت پہنچی

کہ ایک دوسرے کے دشمن بنگئے اور ایک دوسرے کی اقتدا کو جائز نہیں رکھتے تھے حالانکہ یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ اس قدر اس میں تشدد کیا جائے جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

گرز عشقت خبری است بگوای واعظ ورنہ خاموش کہ این شور وفغان چیزی نیست

دیکھیے حالانکہ جامی رح ظاہری علم میں بھی علامہ تھے مگر چونکہ طبیعت میں عشق تھا واعظ سے کہدیا کہ چپ رہ شور وفغاں کیوں کر رہا ہے۔ وجہ یہی تھی کہ اُس کو اپنا ہم مشرب نہیں پایا۔ بخاری شریف میں یہ روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رض کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا تھا کسی قدر اُسکے خلاف پڑھ رہا تھا میں نے اُس کو پکڑ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا اور اس واقعہ کی خبر دی حضرت نے اُس کی اور میری قرارت سنکر فرمایا تم دونوں محسن ہو یعنی اچھا پڑھتے ہو۔ اسکے بعد فرمایا کہ اختلاف مت کیا کرو تم سے پہلے جو اُمتیں تھیں وہ اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں دیکھئے قرارت کے اختلاف کی وجہ سے اُن کو تحمل نہ ہوسکا اور اس شخص کو پکڑ کر حضرت کے پاس لے گئے۔ اور بخاری ومسلم میں ہے کہ عمر رض نے ہشام بن حکیم کو دیکھا کہ اپنی قرارت کے خلاف پڑھ رہے ہیں فوراً اُن کے گلے میں چادر ڈال کھینچتے ہوے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے غرضکہ اختلاف سے خلاف

ضرور پیدا ہوتا ہے خواہ منشا اُس کا نفسانیت ہو یا للہیت اسی وجہ سے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی اصلاح فرما دی کہ ایسے خفیف
امور میں اگر اختلاف نہو تو مخالفت کی نوبت نہ آنے پاے اسی طرح
ہر ایک موقع میں مخالفت باہمی کی خرابیاں اور وعید اور اتحاد و موافقت
کے منافع اور فضیلتیں بیان فرمایا کئے اور آیات بھی اس باب میں
نازل ہوئیں۔ چونکہ صحابہ نے خدا و رسول کے ارشادات کے مقابلہ
میں اپنے اقتضاے طبعی کو کان لم یکن اور نفسانیت کو بالکلیہ ترک
کر دیا تھا اس لئے جزئی مسائل میں اختلاف ہونے سے مخالفت
نہیں ہوتی تھی۔ ہر شخص جس سے چاہتا مسئلہ پوچھ لیتا اور اُسکے
مطابق عمل کرتا اور مختلف فتووں سے جو اختلاف پیدا ہوتا تھا
اُس سے مخالفت کی نوبت نہیں آتی تھی اور وہی اثر اوائل زمانہ
تابعین میں بھی تھا پھر جوں جوں زمانہ دور ہوتا گیا مقتضیات طبع
سر اٹھانے لگے اور رفتہ رفتہ یہ حالت ہوئی جو فی زماننا مشاہد ہے
کہ دیکھنے کو تو علم کی تحصیل ہے مگر عمل کی حالت ناگفتہ بہ اور چھوٹے
چھوٹے مسائل میں ایسا اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ مخالفت اور دشمنی
کی نوبت پہونچ جاتی ہے۔ اس کی ابتدا اسی زمانہ سے ہو گئی تھی
غرضکہ علما نے جب دیکھا کہ مذاہب باطلہ کا شیوع اور اختلاف
و مخالفت باہمی روز افزوں ہے اس لئے فقہ کی تدوین کی طرف
متوجہ ہوے جس سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اختلاف باہمی جاتا رہا

اور تمام مقلد ہم مشرب ہو گئے جس سے اتحاد باہمی جو مقصود خدا و رسول ہے
قائم ہوا۔ دیکھ لیجئے کروڑہا مسلمان ہیں کہ فقہ کے متفق علیہ مسائل پر
برابر عمل کرتے ہیں اور اختلاف کی نوبت ہی نہیں آتی اور جن مسائل
میں امام کا قول مصرح نہیں علما کے فتووں پر کیسی کیسی مخالفتیں ہوتی
ہیں۔ غرضکہ ہم مشربی اتفاق پیدا کرنے کا ایک قوی ذریعہ ہے
پھر مذہب حنفیہ کے بعد دوسرے مذاہب حقہ کی جب بنیاد قائم
ہوئی تو اُس کے ساتھ ساتھ مخالفت کی بھی بنیاد پڑی۔ چنانچہ
تاریخ دانوں پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اہل مذاہب اربعہ میں کیسی
کیسی مخالفتیں اور ہنگامے برپا ہوے مگر خدا کا فضل یہ ہوا کہ صرف
چار ہی مذہبوں میں اختلاف منحصر ہوگیا اور علما نے فیصلہ کردیا کہ
اب پانچواں مذہب ضرورت سے زاید ہے۔ اس فیصلہ کا پُرزور
اثر یہ ہوا کہ یہی چار مذہب بالاجماع حق سمجھے گئے اور ہر ایک
آزادانہ بلاتعرض اپنے مذہب پر عمل کرنے کا مجاز قرار دیا گیا جس سے
باہمی مخالفت بہت کم بلکہ منہدم ہو گئی۔ اور ہر مذہب کا مقلد یہ سمجھنے
لگا کہ دوسرے مذہب والے کا عمل گو اپنے عمل کے مخالف ہو
مگر اُس کا فرض منصبی وہی ہے۔ ہر چند مسائل جزئیہ میں اہل مذاہب
اربعہ ہم مشرب نہیں ہیں مگر وہاں ایک نئی قسم کی ہم مشربی قائم ہوگئی
کہ نفس تقلید میں سب ہم مشرب ہیں اور جو مقلد نہ ہو اسکو اجنبی اور مخالف
سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے شافعی المذہب پر آمین بالجہر کہتے ہیں۔

اور کوئی تعرض نہیں کرتا۔ اور غیر مقلدوں کا آمین بالجہر ایک ہنگامہ برپا کر دیتا ہے۔

ہم نے جو لکھا کہ مذاہب حقہ یہی چار مذہب ہیں سو یہ صرف ہماری رائے نہیں بلکہ مولنا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے عقید الجید میں اسی پر فیصلہ کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں ولما اندرست المذاهب الحقہ الا هذہ الاربعۃ کان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم۔ یعنی تمام مذاہب حقہ مٹ گئے اب اُن میں سے یہی چار مذہب باقی ہیں جن کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہے۔ اور اُن سے خارج ہونا سواد اعظم سے خارج ہونا ہے۔ مولنا نے مذاہب اربعہ کو جو سواد اعظم لکھا ہے وہ اشارہ اس حدیث شریف کی طرف ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار رواہ ابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ یعنی سواد اعظم یعنی بڑی جماعت کی اتباع کرو اس لئے کہ جو اس سے علٰحدہ ہوا وہ اوس سے علٰحدہ ہو کر دوزخ میں گیا۔

ہم نے اختلاف کو باعث خلاف جو لکھا اور مشاہدہ سے ثابت کیا سو وہ احادیث سے بھی ثابت ہے چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی میں یہ روایت ہے کہ عثمان رضؓ نے منا میں چار رکعتیں پڑھیں۔ یعنی نمازوں میں قصر نہیں کیا ابن مسعودؓ نے یہ دیکھکر کہا کہ

کہ ہم نے اس مقام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعت
پڑھی یعنی قصر کیا پھر ابوبکر رضہ کے ساتھ ہی دو رکعت پڑھی پھر عثمان
رضی اللہ عنہ کے اوائل زمانہ خلافت میں اُن کے ساتھ ہی دو ہی
رکعت پڑھی مگر جب عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں پڑہیں تو
انہوں نے بھی قصر کو ترک کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے
قصر نہ کرنے کا عیب عثمان رضی اللہ عنہ پر لگایا تھا اور اب آپ خود
قصر نہیں کرتے اس کی کیا وجہ فرمایا الخلاف شر دیکھئے ابن مسعود رضہ
نے اختلاف کو باعث خلاف سمجھا اور رفع مخالفت کی غرض سے
حدیث صحیح پر عمل نہیں کیا اور تقلید کو اُس پر ترجیح دی اہل بصیرت
غور فرماویں کہ ایک جلیل القدر صحابی کے قول و فعل سے ثابت ہے
کہ تقلید باعث رفع شر و فساد ہے کیوں نہ ہو دینی مصالح کو جاننا
اُنہی کا کام تھا یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
خصوصیت کے ساتھ اُن کی ذاتی لیاقت و مصلحت اندیشی کی
خبر دی ہے جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے عن
علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لو کنت مستخلفا احدا عن غیر مشورۃ لاستخلفت
ابن ام عبد رواہ ابن ماجہ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے اگر میں کسی کو بغیر مشورت کے اپنا خلیفہ بناتا تو ابن ام عبد
یعنی عبد اللہ ابن مسعود رضہ کو بناتا۔ انتہیٰ۔ دیکھئے دینی مصالح میں

اُن کی عقل خداداد کس قدر رسا ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنی جانشینی کے لئے اعلیٰ درجہ کے اہل اُن کو تصور فرمایا یہ روایت اوپر ذکر
ہوئی کہ عمر اور علی رضی اللہ عنہما کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مرد عورت
کو طلاق کا اختیار دے مگر باوجودیکہ علی کرم اللہ وجہ کا اجتہاد عمر رضی اللہ عنہ
کے اجتہاد کے مخالف تہا۔ علی کرم اللہ وجہ نے اپنے اجتہاد پر فتوی نہیں
دیا اور عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے رہے۔ اسی وجہ سے کہ اختلاف
باعث شر و فساد ہے۔ دیکھئے کہ ایسے دو جلیل القدر صحابیوں نے
صرف فساد کے خیال سے تقلید کو تحقیق پر ترجیح دی ہر اب اصلاح پسند
حضرات کو تقلید مذاہب کر کے مخالفت باہمی جومانع ترقی ہورہی ہے بلکہ
تنزل اور ادبار کو روزافزوں ترقی دے رہی ہے اُس کو اٹھانے
اور قوم کی اصلاح کرنے میں کیا تامل ہے صحیح حدیث ہے کہ اصحابی
کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم یعنی صحابہ مثل ستاروں
کے ہیں اُن میں سے جس کی اقتدا کی جاوے باعث ہدایت ہے"
جب ایسا قوی دستاویز ہمارے ہاتھ آگیا ہے تو اگر بالفرض تقلید کے
باب میں پرسش بہی ہوجاوے تو یہ جواب ہوسکتا ہے کہ جس طرح صحابہ نے
دفع مخالفت کی غرض سے تقلید کی ہتی ہم نے بہی کی۔ بلکہ ہم اس کی بدولت
مستحق اجر جزیل ہیں کیونکہ یہ صحیح حدیث ہمیں پہونچی ہتی عن ابی الدرداء رضی
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم بافضل
من درجۃ الصیام والصدقۃ والصلوۃ قلنا بلیٰ قال اصلاح

ذات البین وفساد ذات البین ھی الحالقۃ رواہ ابو داؤد والترمذی وقال ھذا حدیث صحیح" یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اصلاح ذات البین یعنی قوم کی بگڑی حالت کو درست کرنا درجہ میں روزہ صدقہ اور نماز سے افضل ہے اور فساد ذات البین حالقہ ہے جس کی تفسیر خود حضرت ہی نے دوسری حدیث میں فرمائی جس کا مطلب یہ کہ وہ دین کو تباہ کر دیتا ہے مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رح نے عقد الجید میں لکھا ہے اعلم ان فی الاخذ بھذہ المذاھب الاربعۃ مصلحۃ عظیمۃ و فی الاعراض عنھا کلھا مفسدۃ کبیرۃ دیکھیے شاہ صاحب بھی تقلید کو مذاہب اربعہ میں منحصر فرما رہے ہیں اور ترک تقلید میں فساد عظیم بتلا رہے ہیں۔ شاہ صاحب جو تقلید میں مصلحت عظیم کہہ رہے ہیں سردست ایک مصلحت یہ ہے کہ سب ہم مشرب ہو جاتے ہیں اور مخالفت وفساد مبدل باتحاد ہو جاتا ہے جس سے مسلمانوں کی دینی اور دنیوی اصلاح اور رضامندی خدا اور رسول حاصل ہو سکتی ہے۔ البتہ اسمیں مولویوں کا اتنا نقصان تو ضرور ہو گا کہ چھوٹے چھوٹے جماعتوں کے جو مقتدا اور سرپرست بنے رہتے تھے وہ بات جاتی رہیگی اور جماعت متفرق ہو جائیگی مگر یہ ذاتی غرض ہے اگر اس پر دینی غرض اور ثواب اخروی اور خدا ورسول کی خوشنودی کو مقدم رکھیں تو علاوہ ان تمام فضایل کے دنیا میں بھی نیکنام ہو جائیں اور عجب نہیں کہ اس اتفاق باہمی سے اُن کی اور قدر بڑھ جائے اور چھوٹے جماعتوں کے جو مقتدا تھے ایک بڑی

جماعت کے مقتدا بن جائیں۔ خداے تعالیٰ ان حضرات کو توفیق عطا فرماے کہ مسلمانوں کی حالت زار پر رحم کرکے اصلاح ذات البین کی طرف متوجہ ہوں۔

الانصاف میں لکھا ہے کہ امام غزالی رح اور بعض علما کا قول ہے کہ مقلد اگرچہ عالم متبحر ہو مگر اُسکو جائز نہیں کہ کسی مسئلہ میں اپنے امام کا قول چھوڑکر دوسرے امام کی تقلید کرے اس لئے کہ ہر آدمی پر واجب ہے کہ ہر مسئلہ میں دلیل کے مطابق عمل کرے اور جب اُس میں صلاحیت نہ ہو کہ ہر مسئلہ دلیل سے نکال سکے تو اپنے امام کی نسبت جو اُس کا اعتقاد ہے کہ ہر مسئلہ کو اُنہوں نے دلیل سے نکالا ہے اور وہ قوت اجتہادی میں دوسرے اماموں سے افضل ہیں۔ وہی اعتقاد افضلیت دلیل کے قائم مقام ہوجائیگا اور جس طرح دلیل کی مخالفت درست نہیں قائم مقام دلیل کی مخالفت بھی درست نہیں۔ مگر یہ دلیل مخدوش ہے اس لئے کہ اپنے امام کو دوسرے اماموں سے افضل سمجھنا ضرور نہیں کیونکہ صحابہ اور تابعین ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو تمام صحابہ سے افضل سمجھتے تھے باوجود اس کے بہت سے مسائل میں دوسرے صحابہ کی ہی تقلید کیا کرتے تھے اس سے ثابت ہے کہ جس کی تقلید کی جاے اُسکو افضل سمجھنے کی ضرورت نہیں انتہیٰ۔

یہاں یہ بات بتانے کی ضرورت تھی کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کسی خاص مسئلہ کے عالم سمجھنے کے بعد بھی صحابہ کسی دوسرے سے وہ مسئلہ پوچھتے تھے مگر یہ بات نہیں بتلائی گئی۔ صحابہ کا دستور تھا کہ جسکی

نسبت یہ خیال ہوتا کہ کسی مسئلہ میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کو روایت ہے تو وہ مسئلہ اُنہی سے پوچھے چنانچہ صدیق اکبر اور عمر رضی اللہ عنہما کی یہی عادت تہی جیسا کہ کتب احادیث سے ثابت ہے کہ جس سے جو مسئلہ پوچھا جاتا تھا وہ اُس مسئلہ کے علم میں افضل سمجھا جاتا تہا اور صدیق اکبر رضہ بہی اُس سے پوچھنے کو عیب نہیں سمجھتے تہے ۔

اب یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ آدمی لاکہوں علما میں سے کسی ایک شخص کو جو اپنا مقلد بنالیتا ہے اُس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوگی ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی جو جائز نہیں پہر وہ مرجح بہی ایسا ہوگا جو مناسب ہو مثلاً امام صاحب کی تقلید مسائل فقہ میں اس وجہ سے کسی نے نہیں کی کہ وہ بڑے عابد یا تاجر تہے بلکہ اُس زمانہ کے محدثین نے جب دیکھ لیا کہ حدیث تفقہ فہم نصوص اور تدین وغیرہ ضروریات اجتہاد میں کوئی اُن کا نظیر نہیں اس لئے خود بخود ان کے دلوں میں ایک انقیادی کیفیت پیدا ہوگئی ۔ جو ایک متبحر متدین عالم کا حال دیکہنے کے بعد پیدا ہوا کرتی ہے کیونکہ کسی ضعیف روایت سے بہی یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی کہ امام صاحب نے کسی کو مجبور نہ کیا تہا یا جس طرح اندنوں بذریعہ اشتہارات اپنے فضایل معلوم کرائے جاتے ہیں امام صاحب نے بہی کیا تہا بلکہ برخلاف اس کے وہ ہمیشہ یہی فرمایا کرتے تہے کہ آیات و احادیث وغیرہ میں غور کرکے اپنے اجتہاد سے ہر مسئلہ میں ہم نے ایک رائے قائم کی ہے جس کا جی چاہے مانے اور اگر اُس سے بہتر کوئی بات ثابت کردیجائے تو ہم اُس کو مان لیں گے ۔

باوجود اس کے جب علمانے اُن کو اپنا مقتدابنا لیا تو معلوم ہوا کہ ان کا
سب سے افضل ہونا اُن حضرات کے نزدیک مسلم ہوگیا تھا پھر اُس
زمانہ کے اکابر محدثین کی متواتر شہادتوں نے بعد والوں کے
دلوں میں وہی انقیادی کیفیت پیدا کردی جس سے یہ ثابت ہوگیا کہ
ہر مقلد کے نزدیک امام صاحب کی افضلیت مسلم ہے جسکی نسبت امام غزالی
فرماتے ہیں کہ وہ قائم مقام دلیل ہے اگر یہ فضلیت مسلم ہو تو۔پھر دوسرے
کے مقلد کہلانا ترجیح بلامرجح ہے۔یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ
جو مقلد اپنے امام کے قول کو چھوڑکر دوسرے امام کے قول کو ترجیح دینا
چاہے وہ دو حال سے خالی نہ ہوگا۔مقلد سمجھا جائیگا یا مجتہد اگر مقلد
ہے تو دلیل قائم کرنے اور دلائل میں ترجیح دینے سے اُس کو
کیا تعلق مقلد کا فرض یہی ہے کہ اگر ممکن ہو تو اپنے امام کی دلیلوں کو تقویت
دے ورنہ امام کے قول کو واجب العمل سمجھے اور اگر مجتہد ہے تو
شرائط اجتہاد مفقود ہیں چند حدیثوں کو یاد کرلینے سے آدمی مجتہد
نہیں ہوسکتا اس کے لئے بقول امام احمد رح کم سے کم پانچ لاکھ حدیثیں
یاد ہونے کی ضرورت ہے۔پھر لاکھوں صحیح حدیثیں جو مفقود ہوگئی ہیں
اُن کو فراہم کرنے کی کیا صورت۔غرض مقلد آخر مقلد ہی ہے یعنی امام
کی تقلید کے بغیر اس کو چارہ نہیں۔اگر اپنی حد سے وہ قدم باہر رکھے تو بیموقع
اور ظلم سمجھا جائیگا۔اب رہی یہ بات کہ باوجود صدیق اکبر اور عمر رضی اللہ عنہما
کی افضلیت کے لوگ دوسرے صحابہ کی بھی تقلید کیا کرتے تھے

سوا اُس کی وجہ یہ ہے کہ خود یہ حضرات فرمایا کرتے تھے کہ تجارت وغیرہ مشاغل میں بہت سی حدیثیں ہم سے فوت ہوگئیں اسی وجہ سے جب ضرورت ہوتی تو صحابہ سے دریافت کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں کیا فرمایا ہے پھر جو حدیث وہ بیان کرتے اُسپر خود بھی عمل کرتے اور لوگوں کو اُس پر عمل کرنے کے لئے فرماتے اور عند الضرورت بہت سے مقدمات میں صحابہ کی رائے بھی دریافت کرتے تھے بہرحال جس طرح مجتہدین نے احادیث کو فراہم کرنے اور اجتہاد کرکے ہر مسئلہ میں ایک رائے قائم کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا تھا ان حضرات نے اپنے ذمہ نہیں لیا اور کیونکر لے سکتے اُسوقت کی ضرورتیں ہی دوسری تھیں اگر وہ حضرات اس کام میں مشغول ہوجاتے تو دین کی اس قدر اشاعت کیونکر ہوسکتی۔ غرضکہ شیخین کی فضلیت دوسری قسم کی ہے امام کی فضلیت کو اُس سے کوئی تعلق نہیں امام کی افضلیت باعث تقلید ہے اور شیخین کی افضلیت باعث تقلید نہیں۔ اب تھوڑا سا حال محدثین کی تقلید کا بھی سن لیجئے۔

یہ بات ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتی ہے کہ امام بخاری رح نے صحت جامع کا جو دعویٰ کیا ہے اُس میں وہ اُن محدثین کے مقلد ہیں جنکے نام اُس کی اسنادوں میں مذکور ہیں کیونکہ نہ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے وہ حدیثیں سُنیں نہ اُن کے اساتذہ نے بلکہ ہر تابعی نے صحابی سے سُنکر بلا دلیل مان لیا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے اسی طرح ہر محدث اپنے اپنے استاد کے مقلد رہے اور یہ تقلید دینی مسائل میں ہوا کی کیونکہ کسی خاص عبارت کو یہ کہدینا کہ وہ حضرت کا ارشاد ہے اور اس کے حدیث ہونیکا اعتقاد رکھنا ایک دینی مسئلہ ہے جس کی تحقیق بغیر اسکے ممکن نہیں کہ کسی معتمد علیہ کے قول کو بلا دلیل مان لیا جاوے اور یہ تقلید بعینہ ایسی ہے جیسے مقلدین دینی مسائل کو تقلیداً بلا دلیل مان لیا کرتے ہیں اب دیکھئے کہ جس طرح امام بخاری رح وغیرہ محدثین اُن حضرات کی تقلید سے بخاری شریف کو حدیث کی صحیح کتاب کہتے ہیں اسی طرح حنفیہ بھی انہی حضرات کی تقلید کر کے فقہ کو مطابق حدیث اور واجب العمل کہتے ہیں پھر بیچارے حنفیہ تقلید کے باب میں کیوں مورد طعن بنائے جاتے ہیں اگر تقلید حرام ہو جاوے تو معاذ اللہ بخاری شریف کو صحیح کہنا بھی حرام ہو جائیگا کیونکہ اُس کو صحیح کہنا بھی تقلید ہی پر مبنی ہے۔

ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ کسی صنعت اور حرفت اور فن میں بغیر تقلید کے کام چل نہیں سکتا۔ محقق ہر صنعت و فن میں بہت کم ہوتے ہیں۔ محدثین کو دیکھ لیجئے کہ کیسے ہی محقق کیوں نہ ہوں بغیر تقلید کے اُن کو گزیر نہیں اس لئے کہ فن رجال سے ظاہر ہے کہ ایسے محدث بہت ہی کم ہیں کہ جن کی توثیق کل محدثوں نے کی ہو بلکہ تقریباً کل محدث ایسے ہیں جنپر بعضوں نے جرح کی ہے اور بعضوں نے توثیق اور ظاہر ہے کہ قابل اعتماد وہی جرح و تعدیل ہوگی جو معاصرین نے بعد تحقیق

اپنے چشم دید واقعات بیان کر کے اپنی رائے ظاہر کی ہے اور وہی حضرات
اُس جرح و تعدیل خاص میں مجتہد اور محقق سمجھے جاینگے کیونکہ لیس الخبر کالمعاینہ
پھر اُن کے بعد کے طبقے والے خواہ جرح کریں یا تعدیل صرف تقلید
سے ہو گی - کیسا ہی محقق شخص ہو اس باب میں وہ مقلد ہو گا ممکن نہیں
کہ تحقیق کا دعویٰ کر سکے - اس دعویٰ پر بہت سی شہادتیں موجود ہیں
اُن میں سے ایک یہ ہے جو مقدمہ فتح الباری میں مذکور ہے کہ عکرمہؓ
جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اُن کو بہت سے اکابر دین
نے کاذب اور خارجی وغیرہ کہا ہے چنانچہ عبد اللہ بن عمرؓ
اور سعید ابن مسیب اور عبد اللہ ابن عباس رضؓ کے فرزند علی
اور ابن سیرین اور یحییٰ اور ابن سعید انصاری اور امام مالک
اور امام شافعی اور قاسم بن معین رضی اللہ عنھم سے اس قسم کے
امور قادحہ اُن کی نسبت مروی ہیں اسی وجہ سے امام مسلم رحؒ نے انکی
روایتیں صحیح میں داخل نہیں کی - اور امام احمد اور اسحٰق ابن راہویہ
اور ابو ثور اور یحیٰی بن معین اور ابو حاتم رحمھم اللہ نے اُن کی
توثیق کی ہے اور اسی بنا پر امام بخاری رحؒ نے اُن کی بہت سی روایتوں
کو صحیح میں داخل کیا ہے - اب دیکھئے کہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ امام بخاری رحؒ
نے اپنی ذاتی تحقیق اور چشم دید مشاہدوں سے اُن کی توثیق کی ہو
کیونکہ وہ تابعی اور یہ نویں طبقہ والے اس سے ظاہر ہے کہ امام احمدؒ وغیرہ
اساتذہ کی تقلید سے اُنہوں نے اُن کی توثیق کی اب غور کیجئے کہ

اس تقلید کو کس درجہ کا رسوخ اور وثوق ہے کہ اُسی کی بنیاد پر اُن کی حدیثیں صحیح اور واجب العمل مانی جاتی ہیں۔

ہمیں اس میں کلام کرنیکا کوئی حق نہیں کہ اُنہوں نے ایسے شخص کی توثیق کی جسکی نسبت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ نے کہا کہ وہ کذاب ہے اور خود ابن عباس رضہ نے اُن کو خبیث کہا اور ابن مدینی کہتے ہیں کہ وہ خارجی تھے اور دراوردی نے کہا ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ کو کافر کہتے تھے۔ غرضکہ مقدمہ فتح الباری میں یہ اور اس قسم کے اور اقوال اُن کے نسبت میں منقول ہیں باوجود اس کے امام بخاری رحہ نے اُن کی توثیق کی۔ ہرچند ہم اس توثیق میں کلام نہیں کرسکتے بلکہ امام بخاری رحہ کی تقلید کرکے اُنکی کل روایتوں کو اعلیٰ درجہ کی صحیح سمجھتے ہیں لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ جسطرح اس باب میں ہم امام بخاری رحہ کے مقلد ہیں وہ بھی اپنے اساتذہ کے مقلد ہیں۔ البتہ یہ ماننا پڑیگا کہ وہ جرح و تعدیل کے باب میں مجتہد ہیں جسکی وجہ سے جتنے اقوال ان کی جرح و تعدیل کے باب میں وارد ہیں سب کو پیش نظر رکھکر اُنہوں نے اُن کی توثیق کا حکم لگادیا اور چونکہ فن رجال میں اُن کو یدطولیٰ تہا اس سلئے اُن کے بعد کے محدثین نے اُن کو اپنا امام بنالیا اور اُنہی کی تقلید سے عکرمہ رحہ کی کل روایات کو صحیح قرار دیا اور امام مسلم وغیرہ کے اقوال کا کچہ اعتبار نہ کیا۔ اسی کا نام تقلید شخصی ہے۔ اس تقلید نے محدثین کے دل پر ایسا اثر کر رکہا ہے کہ جس راوی کا نام بخاری میں ہو اگر کسی نے اُسپر جرح بہی کی ہو تو وہ قابل التفات نہیں سمجہتے۔

چنانچہ ابن حجر رح نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے وقد کان الشیخ
ابو الحسن المقدسی یقول فی الرجل الذی یخرج عنہ فی الصحیح ھذا
جاز القنطرۃ یعنی بذلك انہ لا یلتفت الی ما قیل فیہ یہ روایت
بخاری شریف میں ہے عن ابی ھریرہ رضؓ قال قال رسول اللّٰہ
صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ قال من عادیٰ لی ولیا فقد
اذنتہ بالحرب وما تقرب الی عبدی شیئ احب الی مما
افرضت علیہ ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی
احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی
یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا وان
سألنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ وما ترددت عن
شیئ انا فاعلہ ترددی عن نفس المومن یکرہ الموت وانا
اکرہ مساءتہ ۔ فتح الباری میں ابن حجر عسقلانی رح نے میزان الاعتدال
سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث نہایت غریب ہے اگر جامع صحیح کی حدیث
نہ ہوتی تو محدثین اس کو منکرات خالد بن مخلد سے ضرور کہتے انتہیٰ بہرحال اس
حدیث شریف کا مضمون محدثین کے مذاق کے بالکل خلاف میں ہے اگر
یہی حدیث کسی دوسری کتاب میں نہ ہوتی تو صاف کہدیتے کہ وہ موضوع
ہے اور باوجود صحیح بخاری میں ہونے کے اتنا کہنے پر تو آمادہ تھے کہ منکرات
خالد بن مخلد میں شمار کرکے اس کو منکر قرار دیں مگر امام بخاری رح کی رای
میں جب یہ بات آگئی کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اپنے ذاتی خیالات کو ترک کرکے

انہی کی تقلید سے سب نے اس حدیث کو صحیح کہدیا اسی کو تقلید شخصی کہتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ امام بخاری رح کی کس قدر جلالت شان اس سے ظاہر ہے کہ باوجودیکہ جرح کرنے والوں نے اپنے ذاتی تجربوں اور چشم دید واقعوں کے لحاظ سے کسی راوی میں جرح کی پھر وہ جارحین بھی معمولی لوگ نہیں بلکہ امام بخاری رح ہی کے سلسلہ اساتذہ میں ہیں اور اُن کی گواہی اس باب میں مثبت ہے اور اہل تعدیل کی گواہی نفی کی ہے اس وجہ سے کہ جارحین جس بات کا اثبات کر رہے ہیں وہ اُس کی نفی کرتے ہیں حالانکہ نفی کی گواہی شرعاً معتبر نہیں جیسا کہ تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ قیل ان زاد المعدلون قدم التعدیل لان کثرتھم یقوے حالھم ویوجب العمل بخبرھم وقلۃ المجرحین یضعف خبرھم قال الخطیب وھذا خطاء بعد من توھمہ لان المعدلین وان کثروا لم یخبروا عن عدم ما اخبر بہ الجارحون ولو اخبروا بذلک لکانت شھادتھم باطلۃ علی نفی۔ مگر امام بخاری رح کے اجتہاد اور رائے کے مقابلہ میں یہ سب امور نظر انداز کر دئے جاتے ہیں اور اُن کی رائے کے مطابق حدیث صحیح مان لی جاتی ہے چنانچہ مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے ینبغی لکل منصف ان یعلم ان تخریج صاحب الصحیح لکل راو کان مقتض بعدالتہ عندہ وصحۃ ضبطہ وعدم غفلتہ ولاسیما ما انضاف الی ذلک من اطباق جمھور الائمۃ

علی تسمیۃ الکتابین بالصحیحین وھذا معنی لم یحصل بغیر من خرج عنہ فی الصحیح فھو بمثابتہ اطباق الجمہور علی تعدیل من ذکر فیھما او اخرج لہ فی الاصول حاصل یہ ہے کہ جس راوی کا نام بخاری شریف کی روایتوں میں ہے اُس کا عدل اور ضابط ہونا جمہور آئمہ کے نزدیک مسلم ہو گیا ہے یہاں یہ بات یاد رکھنے کے لایق ہے کہ بخاری شریف میں اسی راوی ایسے ہیں جن کو قدما نے ضعیف اور غیر معتبر کہا ہے جیسا کہ مقدمہ فتح الباری میں مذکور ہے مگر محدثین نے امام بخاری رح کو جب مجتہد اور اپنا امام مان لیا ہے اس لئے اُن کی تقلید سے اُنہوں نے بھی اُن سب کو عدل ضابط اور موثق مان لیا ہے اور اُن قدما کے قول کا کچھ اعتبار نہ کیا جنہوں نے اُن کو غیر معتبر کہا تہا باوجودیکہ وہ اکابر محدثین کے بلکہ خود امام بخاری رح کے اساتذہ میں ہیں۔

ان اکابر محدثین کے طریقہ عمل سے تقلید کی حقیقت بہی معلوم ہو گئی کہ جس باب میں تقلید کی جاتی ہے اُس باب میں کتنا ہی سرمایہ علم مقلد کے پاس ہو وہ اُس سے اجتہاد کا کام نہ لے اور اپنے امام کے مخالف کسی عالم کا قول ہو اُس پر عمل تو کجا التفات بہی نہ کرے اور مقتضی حق پسند طبائع کا بہی یہی ہے کہ جب کسی کو علم و فضل اور تقوی اور تدین میں اپنے سے فائق پاتے ہیں تو اُس کو اپنا مقتدا اور امام مان لیتے ہیں۔ اور اُس کی تقلید کو باعث نجات سمجہتے ہیں محدثین نے جو تقلید کا طریقہ برتا ہ

اُس سے ظاہر ہے کہ مقلد کو یہ ضرور نہیں کہ اپنے امام کے قول کا ماخذ اور
دلیل بھی معلوم کرے پھر جو عقد الجید میں لکھا ہے کہ قال الشافعی اذا صح
الحدیث فھو مذھبی واذا رأیتم کلامی یخالف الحدیث
فاعملوا بالحدیث واضربوا بکلامی علی الحائط وقال ملک
ما من احد الا وماخوذ من کلامه ومردود علیه الا
رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وقال ابو حنیفہ رح لا
ینبغی لمن لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی وقال احمد
لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا ولا غیرہ وخذ الاحکام
من حیث اخذوا من الکتاب والسنة - اس سے ان حضرات
کا یہ مقصود نہیں کہ جو صحیح حدیث مل جاے اُس پر عمل کر لیا جاے۔
اگر یہی بات ہوتی تو ہر امام کے زمانہ میں صحیح حدیثیں بکثرت موجود تہیں یہ
کہدیتے کہ بھائیو تمہیں اختیار ہے جس حدیث پر چاہو عمل کرلو اسکی
کیا ضرورت تہی کہ سب کام چھوڑ کر عمر بھر اجتہاد کرتے رہے اور اُسکے
طریقہ ایجاد کئے اور ہر مسئلہ میں تمام آیات واحادیث واقوال
سلف ولغت وغیرہ پیش نظر رکھہ کر اپنے اجتہاد سے ہر مسئلہ میں خاص
طور پر حکم دیا کہ اس میں یہ کرنا چاہئے جس سے فقہ مدون ہوئی ان اقوال
سے اُن حضرات کا مقصود یہ تہا کہ ہر شخص علم میں تبحر حاصل کرے۔
اور موقع اجتہاد پر مطلع ہو کر خود کتاب وسنت سے مسائل مستنبط کرے
پھر یہ بھی صاف کہدیا کہ جب تک کسی کو پانچ لاکھہ حدیثیں یاد نہ ہوں فتوی

دینے کا مجاز نہیں جیسا کہ امام احمد رح سے منقول ہے اب اگر مفتی یہ قول بھی معلوم ہو اور تقلید بھی نہ کی جاے تو عمل کرنے کی کیا صورت۔

اصل منشا ان اقوال کا یہ تھا کہ یہ حضرات بکمال تدین اور خشیت الہی یہ نہیں چاہتے تھے کہ مقتدا بنیں اور چونکہ علم کافی اور قوت اجتہادی موجود تھی یہ بھی ممکن نہ تھا کہ اُس کو ضائع کر کے مستوجب باز پرس ہوں اس لئے اجتہاد کر کے اپنا فرض منصبی ادا کر دیا اور اپنے ابراے ذمہ کے لئے کہہ بھی دیا کہ تم خود جانچ لو ہم جو کہتے ہیں وہ صحیح ہے یا نہیں مگر جب محدثین نے ہر طرح سے جانچ لیا اور تبحر علمی اور اجتہاد کو قابل وثوق پایا تو خود اُن کو اپنا امام تصور کر لیا تاریخ خلفا میں لکھا ہے کہ جب مسئلہ خلافت میں گفتگو ہوئی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عمر رضہ اور ابو عبیدہ ابن الجراح کا ہاتھ پکڑ کے کہا کہ خلافت قریش میں ہونی چاہئے اور میں اس بات پر راضی ہوں کہ مسلمان ان دونوں صاحبوں سے جس کو چاہیں خلیفہ مقرر کر لیں۔ عمر رض کہتے ہیں کہ مجھے اُس وقت اپنا قتل کیا جانا اس قدر ناگوار نہ تھا جیسے یہ بات ناگوار تھی کہ جس قوم میں ابو بکر رضہ موجود ہوں میں اُس کا امیر بنوں۔ غرضکہ صدیق اکبر رضہ نے ہر چند خلافت سے ابراے ذمہ کیا مگر کسی نے نہ مانا اسی طرح ائمہ رضی اللہ عنہم بھی امامت سے بری الذمہ ہونا چاہتے تھے مگر محدثین نے نہ مانا اور اپنا مقتدا اُن کو بنا ہی لیا۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ عقد الجید میں لکھا ہے کہ کسی معین شخص کی تقلید

جمیع مسائل میں جائز نہیں"۔ مگر محدثین کے عملدرآمد سے ثابت ہے کہ انہوں
نے امام بخاری رح کی تقلید جمیع مسائل میں کی ہے یہاں تک کہ امام
مسلم رح شرط لقا میں جو کلام کیا اُس میں بھی محققین امام بخاری رح ہی
کے طرفدار ہیں جس سے ظاہر ہے کہ وہ کل مسائل میں امام بخاری رح
کے مقلد ہیں اور یہ بات قابل انکار ہی نہیں اس لئے کہ جب کسی کا تبحر
علمی اور تدین مسلم ہو جاتا ہے تو دل خود اُس کی تقلید پر مجبور اور منقاد
ہو جاتا ہے اور اگر کوئی بات اُس نے اپنے اجتہاد سے بھی کہی تو اُس
میں بھی حسن ظن ہوتا ہے کہ بغیر تحقیق کے اُسنے یہ نہ کہا ہوگا یہی وجہ ہے
کہ امام ترمذی رح نے جامع کے ابواب تفسیر میں اسکی تصریح کی ہے۔
چنانچہ وہ کہتے ہیں واما الذی روی عن مجاهد وقتادة
وغيرهما من اهل العلم انهم فسروا القران فليس الظن
بهم انهم قالوا في القران اوفسروه بغير علم او من قبل
انفسهم۔ یعنی مجاہد اور قتادہ وغیرہ اہل علم سے جو روایتیں قرآن
کی تفسیر میں وارد ہیں ان کی نسبت یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ بغیر علم کہ
یا اپنی طرف سے اُنہوں نے قرآن کی تفسیر کی ہے"۔ اب بتائیے کہ
ان حضرات نے ہر ایک آیت کی تفسیر میں کب کہا کہ بواسطہ صحابہ یہ تفسیر
ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہونچی ہے مگر اُن کی جلالت شان
اس اعتقاد پر مجبور کرتی ہے کہ اُنہوں نے اپنی راے سے یہ تفسیر نہیں
کی۔ اسیطرح امام کی جلالت شان مقلدونکو اس اعتقاد پر مجبور کرتی ہے

کہ امام نے کوئی دینی مسئلہ بغیر کسی اصل محکم کے اپنی رائے سے نہیں کہا
یہاں یہ دیکھنا چاہیئے کہ مقلد کو اپنے امام پر حسن ظن ہے یا نہیں۔ اگر
نہیں ہے تو اُس کی تقلید ہی کیوں کی۔ اگر ہے تو بعض اقوال کو ماننا
اور بعضوں کو نہ ماننا ترجیح بلا مرجح ہے۔ اور اگر کوئی حدیث مرجح ہے تو
جب بھی حسن ظن نہ رہا اور کیا ضرورت تھی کہ ایسے جاہل کی تقلید کی
جس کی حدیث دانی پر وثوق اور بھروسا نہیں غرضکہ اُس کا تقلید کرنا اس
بات پر دلیل ہے کہ وہ جانتا ہے کہ ہر ایک جزئی مسئلہ میں اپنے جمیع معلومات
سے امام کے معلومات بڑے ہوئے ہیں۔ امام ترمذی رح نے جامع
کے ابواب الطلاق میں یہ روایت بیان کی ولا طلاق لہ فیما
لا یملک یعنی جب تک کسی عورت کو نکاح نہ کیا ہو اُس کو طلاق دینے کا
حق حاصل نہیں اور اُس کے دلیل میں یہ واقعہ بیان کیا کہ ابن مبارک
سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص کہے کہ کسی عورت کو میں اگر نکاح کروں تو
اُس پر طلاق ہے اور اُس کے بعد اُس نے نکاح کیا تو جن فقہا نے
اس نکاح کو جائز رکھا ہے اُن کی تقلید یہ شخص کر سکتا ہے یا نہیں فرمایا
ان کان یریٰ ھذا القول حقا من قبل ان یبتلی بھذہ
المسئلۃ فلہ ان یاخذ بقولھم فاما من لم یرض بھذا فلما ابتلی
احب ان یاخذ بقولھم فلا اریٰ لہ ذلک یعنی اگر پہلے سے
وہ مقلد تھا اور اس قول کو حق سمجھتا تھا اور اُس کے بعد اس قسم کے
نکاح کا اتفاق ہوا تو اُس قول کے مطابق وہ عمل کر سکتا ہے یعنی

صحیح ہو جائیگا اور اگر پہلے سے اس قول کا وہ معتقد نہ تھا اور بعد اس قسم کا
نکاح کیا تو میری رائے میں اب اس قول کی تقلید اس کو درست نہیں
دیکھئے کہ مقلد کے ظن کا کس قدر اعتبار کیا گیا۔ باوجودیکہ حدیث صاف
طور پر ثابت ہے مگر پہلے سے اگر وہ مقلد اُس امام کا ہو جس کے نزدیک
یہ نکاح جائز نہیں تو مبتلے ہونے کے بعد اُس کو ترک تقلید کی اجازت
نہیں دی۔ اس سے ظاہر ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث نے تقلید کو کس
قدر زور دیا۔

امام بخاری رحمہ کو محدثین نے جو اپنا امام بنالیا ہے اُس کا سبب صرف تبحر علمی
نہیں بلکہ اُس میں اُن کے تقدس اور تدین کو بھی دخل تام ہے کیونکہ
کسی میں علم کے ساتھ تدین نہ ہو تو اہل تدین ہرگز اُسکو اپنا مقتدا نہیں بناسکتے
اب اُن کے تقویٰ اور تقدس کا حال سُنیئے مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے
کہ امام بخاری رحمہ کے والد مالدار شخص تھے پچیس ہزار درہم انہوں نے
کسی کو مضاربت کی غرض سے دئے تھے اُن کے انتقال کے بعد
اُس نے وہ مال غصب کرنا چاہا لوگوں نے امام بخاری رحمہ سے کہا کہ والی
سے اس باب میں مدد لیجئے آپ نے فرمایا کہ اگر میں والی سے کوئی درخواست
کروں تو وہ مجھ سے کچھ خواہش کریگا اور میں دین کو دنیا کی عوض ہرگز
بیچنا نہیں چاہتا اُسکے بعد اُس شخص نے اس بات پر صلح کی کہ ہر مہینے دس درہم
دیا کروں گا چنانچہ آپ اُسی پر راضی ہو گئے۔

اور فرماتے تھے کہ میں نے کبھی کوئی چیز اپنی ذات سے نہ بیچی نہ خریدی

ضرورت کے وقت کسی سے کہدیا جاتا ہے کسی نے اُس کی وجہ دریافت کی فرمایا کہ اس میں زیادتی اور نقصان اور تخلیط کا اندیشہ ہے۔

ایک بار آپ تیراندازی کر رہے تھے اتفاقاً پل کی ایک میخ آپ کے تیر سے پھٹ گئی آپ فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور نہایت غمگین اور متفکر ہو صاحب پل کو کہلا بھیجا کہ یہ خطا تو ہو گئی مگر اجازت ہو تو دوسری میخ اُسکے معاوضہ میں لگادی جاتی ہے یا اُس کی قیمت قبول کیجیے اُسنے کہا کہ وہ میخ کیا چیز تھی میرا تمام مال آپ پر فدا ہے یہ سنکر آپ اتنا خوش ہوئے کہ چہرہ چمکنے لگا اور اُس کے شکریہ میں پانسو حدیثیں مسافروں کو پڑھایا اور تین سو درہم صدقہ دیے۔

اور فرماتے تھے کہ میں نے دو دعائیں کیں جن کے آثار فوراً ظاہر ہو گئے اُس کے بعد میں دعا کرنے کو پسند نہیں کرتا اس خیال سے کہ کہیں حسنات میں اُس کی وجہ سے کمی نہ ہو۔

اور فرماتے تھے کہ قیامت میں میرا کوئی خصم نہ ہوگا کسی نے کہا آپ نے جو تاریخ لکھی ہے اُس میں محدثین پر بہت سی جرحیں ہیں۔ فرمایا میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا صرف محدثین کے اقوال نقل کر دیے۔

ایک بار آپ بیمار ہوے جب قارورہ طبیب کو دکھلایا گیا تو اُس نے یہ تشخیص کی کہ روٹی بغیر سالن کے کہانیکی وجہ سے یہ بیماری لاحق ہوئی ہے آپ نے اُس کی تصدیق کی اور فرمایا کہ فی الحقیقت چالیس سال سے میں نے کبھی سالن نہیں کہایا۔ طبیب نے سالن کہانے کی ضرورت بتلائی

آپ نے قبول نہ کیا مگر مشایخ علم کے اصرار پر فرمایا کہ خیر روٹی صرف شکر سے کہا لیا کروں گا۔

آپ کی عادت تہی کہ جب رمضان شریف کی پہلی تاریخ ہوتی تو آپکے اصحاب سب آپ کے یہاں جمع ہوجاتے اور آپ امامت کرتے۔ اور ہر رکعت میں بیس بیس آیتیں پڑہ کر قرآن ختم کرتے۔ پھر سحر کے وقت ثلث قرآن پڑہتے اور دن کو ہر روز ایک قرآن پڑہ کر افطار کے وقت ختم کرتے۔

آپ کے پاس چند موئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تہے جنکو تبرکًا اپنے ملبوس میں رکہتے تہے۔ یہہ چند روایتیں مقدمہ فتح الباری سے نقل کی گئیں ان کے سوا اور بہی اُس میں مذکور ہیں ماحصل سب کا یہی ہے کہ امام بخاری رح تقویٰ اور ورع اور کثرت عبادت اور خوش اعتقادی میں ممتاز اور یگانۂ روزگار تہے۔ دیکہئے موی مبارک کی کس قدر وقعت امام بخاری صاحب کے دل میں تہی جس کو ہمارے زمانہ کے بعض صاحب لوگ فضول سمجہتے ہیں۔

اور آپ کے تبحر علمی کی یہ کیفیت تہی کہ بڑے بڑے محدثین آپ کے روبرو حدیث بیان کرنے سے ڈرتے تہے چنانچہ مقدمہ فتح الباری میں لکہا ہے کہ محمد ابن سلاّم کہتے ہیں کہ جب محمد ابن اسمٰعیل میرے پاس آتے تو مجہے خوف ہوتا کہ کہیں غلطی نہ ہوجاے آخر اپنی کتابیں پیش کرکے کہدیا کہ جہاں ان میں خطا ہو اسکو کاٹ دیجئے جسین بن حریث کا قول ہے کہ

میں نہیں جانتا کہ محمد بن اسمٰعیل کا مثل میں نے دیکھا ہے۔ گویا وہ حدیث ہی کیلیے
پیدا کیئے گئے تھے۔ اسکے سوا محدثین نے جو اُن کے علم حدیث کی تعریفیں
کی ہیں اس مختصر میں اُن کی گنجایش نہیں۔
اب غور کیجئے کیا ممکن ہے کہ اس تبحر علمی اور تقویٰ و تقدس کو دیکھ کر
حق پسند محدث اُن کو اپنا مقتدا نہ مانتے۔ مقتضاے انصاف یہی تہا
جو اُن حضرات سے وقوع میں آیا کہ اُن کی تحقیق کے روبرو اپنے علم کو
کان لم یکن سمجہا اور ایسی مستحکم اُن کی تقلید کی کہ اُس سے بڑہ کر نہیں ہوسکتی
جس حدیث کو انہوں نے صحیح یا سقیم کہدیا اُسکو بلا دلیل تسلیم کرلیا۔ دیکھ لیجئے
مقدمہ فتح الباری سے ثابت ہے کہ بخاری شریف میں اسّی راوی
ایسے ہیں کہ اُن میں جہمی۔ قدری شیعی۔ خارجی اور مرجی وغیرہ ہیں
اور امام بخاری رح کے اقران بلکہ اساتذہ نے اُن کی نسبت کذاب یروی
المناکیر۔ یسرق الحدیث۔ یقلب الاخبار۔ مدلس۔ ضعیف۔ کثیر الوہم والخطا
مضطرب الحدیث۔ سیئ الحفظ وغیرہ الفاظ کہے ہیں جن سے حدیث قابل اعتبار
نہیں رہ سکتی۔ مگر اُس تقلید شخصی کی برکت سے ایک ایسی کتاب مسلمانوں کے
ہاتھ آگئی جسکو اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاری کا اعزاز و امتیاز حاصل ہی
اور تمام اہلحدیث بلکہ کل اہل سنت وجماعت قرناً بعد قرن اسی اعتقاد کو دار
و مدار سنیت کا قرار دیتے آئے اور کوئی مجاز نہیں کہ اس اجماع کو توڑ سکے
اب غور کیجئے کہ اس اجماع پر مجبور کرنے والی کون چیز تھی وہی
امام بخاری رح کا صدق تقدس تبحر علمی وغیرہ تہا جس سے خیال نہیں ہوسکتا

خلاف واقع انہوں نے کسی ضعیف حدیث کو صحیح کہدیا بلکہ کثرت قرائن اس بات پر گواہی دے رہے ہیں کہ اُن کو اس باب میں قوت اجتہادی حاصل تھی جس کو انہوں نے خالصاً لوجہ اللہ کام میں لاکر ایسی صحیح کتاب تصنیف کی کہ جس کے برکات اہل ایمان کے نزدیک اظہر من الشمس ہیں چنانچہ مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ بخاری شریف جس سختی اور آفت کے وقت پڑھی جاوے وہ دفع ہو جاتی ہے اور اگر جہاز میں وہ ساتھ رہے بفضلہ تعالیٰ وہ غرق سے محفوظ رہتا ہے کیوں نہ ہو جب یقیناً کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونا اُس کا مسلم ہو تو اُس یقین پر ضرور آثار مرتب ہونگے۔

فی الحقیقت یہ امام بخاری رہ کے صدق و تدین و تبحر علمی اور اجتہاد کا ثمرہ ہے جس سے تمام اہل سنت وجماعت نے نفع اٹھایا اور حسب مدارج یقین اب بھی اٹھا سکتے ہیں غرضکہ جس طرح امام بخاری رہ کے تقویٰ و تقدس تبحر علمی اور اجتہاد نے اُن کی اس تقلید پر مجبور کیا تھا امام ابوحنیفہ کا بھی تبحر علمی تفقہ تقویٰ ورع صدق اور حسن اجتہاد نے اکابر محدثین کو اُن کی تقلید پر مجبور کیا۔ اُن کے علم اور تفقہ کا حال تو کسی قدر معلوم ہوا کہ اکابر محدثین نے نہایت وضاحت سے گواہی دی کہ وہ اعلم الناس اور افقہ الناس تھے۔ اب ذرا انصاف سے دیکھا جاوے کہ امام بخاری رہ کے جن صفات نے اُن کے ہمعصر محدثوں کو اُن کی تقلید پر مجبور کر کے قیامت تک کے علما کو مسئلہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاری

میں اُن کا مقلد بنا دیا اور اسی تقلید نے اُن کے مقلدوں کو اس بات پر یقین دلایا کہ اُس میں جتنے حدیثیں ہیں واجب العمل ہیں۔ وہی صفات امام اعظم رحمہ میں بھی موجود ہیں بلکہ اگر کہا جاے کہ امام صاحب میں وہ صفات اُنسے بھی بڑے ہوے تھے توبےموقع نہ ہوگا اس لئے کہ امام صاحب قرون ثلٰثہ کے لوگوں میں ہیں اور امام بخاری صاحب کے اساتذہ اور اکابر محدثین نے خبر دی ہے کہ امام صاحب اپنے زمانہ میں ورع تقویٰ عبادت وغیرہ امور میں سب سے بڑے ہوے تھے اور یہ ہر شخص سمجھہ سکتا ہے کہ تابعین و تبع تابعین جو مبشر بالخیر ہیں اُن میں کس درجہ تقویٰ تورع اور خوف الٰہی وغیرہ امور رہتے تھے جب امام صاحب اُس وقت کے لوگوں سے ان صفات میں بڑے ہوے تھے تو نویں طبقہ والے امام بخاری رحمہ سے اُن میں بڑھے ہوے ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں غرضکہ مقلد بنانے والے صفات حمیدہ امام صاحب میں اعلیٰ درجہ اتم پائے گئے جس سے اُن کے زمانہ کے سربرآوردہ محدثین نے اُن کی تقلید کی اور وہی تقلید ہم تک بتواتر پہونچی تو کیا وجہ کہ امام صاحب کی تقلید توحرام ہوجاے اور بخاری صاحب کی واجب۔ حالانکہ دونوں تقلیدیں ایک قسم کی ہیں کہ امام بخاری صاحب کے مقلد بخاری شریف کو واجب العمل قرار دیتے ہیں اور امام صاحب کے مقلد فقہ کو جو خلاصۂ احادیث ہے۔ چونکہ امام صاحب پر اقسام کے طعن کئے جاتے ہیں جن سے مقصود فقہ کو بے اعتبار ثابت کرنا ہے اسلئے یہاں یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ

ان مطاعن کا منشا کیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سارے محدث امام کے دشمن ہو گئے تھے مگر جب تک دشمنی کے اسباب معلوم نہ ہوں دشمنوں کی طعن و تشنیع پر کوئی رائے قائم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ بغض للہ کے احکام جدا ہیں اور بغض نفسانی کے احکام جدا اس لئے پہلے اسباب بغض معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب مخالفت بہت سے تھے جنکو مجملاً ہم بیان کرتے ہیں۔

مک۔ ابن ہبیرہ نے (جو حاکم کوفہ تھا) جب خوارج سے صلح کی تو ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ سے (جو کوفہ میں سربرآوردہ محدث اور قاضی تھے) صلحنامہ لکھنے کو کہا اور مسودہ پیش کرنیکے لئے ایک مہینے کی مہلت دی مگر جو مسودہ پیش ہوا وہ پسند نہ آیا کسی نے اس موقع میں امام صاحب کی لیاقت علمی کا ذکر کیا حاکم نے آپ کو طلب کر کے وہ مسودہ دکھلایا آپنے اُس کو پڑھ کر فرمایا کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے متبرک ناموں کے جو کچھ اُس میں لکھا گیا ہے سب غلط ہے ابن ہبیرہ نے کہا کیا آپ صلحنامہ لکھ سکتے ہیں کہا اگر آپ کی خواہش ہو تو میں لکھ سکتا ہوں کہا میں تو یہی چاہتا ہوں امام صاحب نے کہا وہ کب ہونا چاہئے کہا اگر اسی وقت ہو تو بہتر ہے فرمایا اچھا کسی کاتب کو بلوائے چنانچہ کاتب آیا اور امام صاحب عبارت کہتے گئے اور اُسی وقت صلحنامہ ایسا لکھا گیا کہ سب مان گئے جس سے امام صاحب کی فضیلت مسلم ہوگئی ؛ جب سر دربار اُن حضرات کی ذلت

اور امام صاحب کی عزت ہوئی تو اُسی وقت سے دشمنی کی بنیاد قائم ہوئی اور وقتاً فوقتاً وہ مستحکم ہوتی گئی۔

اسکے بعد ابن ہبیرہ نے امام صاحب سے درخواست کی کہ خدمت قضا قبول کریں مگر آپ نے قبول نہیں کیا پھر چاہا کہ مہر حکومت آپ کے پاس رہے اور جو حکم نافذ ہو وہ آپ کی اطلاع سے ہوا کرے۔ آپنے اُس کو بھی نہیں قبول کیا جب دیکھا کہ آپ مانتے ہی نہیں تشدد شروع کیا اور پوری مخالفت ہوگئی یہاں تک کہ قید کردیا چنانچہ کئی روز امام صاحب قید میں رہے اور ہر روز آپ کو کوڑے لگوائے جاتے تھے۔

امام موفق رح وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک روز امام صاحب کسی ضرورت سے ابن ابی لیلیٰ کے یہاں گئے جو شہر کے قاضی اور مشہور فقیہ تھے اُنہوں نے گویا اپنی فقاہت امام صاحب کو بتلانے کی غرض سے اہل مقدمات کو طلب کیا چنانچہ دو شخص پیش ہوے۔ مدعی نے کہا اِسنے مجھے ابن زانیہ کہا ہے اس کو سزا دیجاے۔ قاضی صاحب نے مدعی علیہ سے جواب طلب کیا امام صاحب نے کہا دعویٰ تو ماں کو زانیہ کہنے کا ہے اِسلئے دعویٰ ماں کی طرف سے پیش ہونا چاہئے۔ البتہ یہ وکیل ہوسکتا ہے کیا آپ کے نزدیک اس کی وکالت ثابت ہوگئی۔ کہا نہیں۔ امام صاحب نے کہا اس سے پوچھئے کہ اس کی ماں زندہ ہے یا مرگئی اگر زندہ ہے تو اسکو سوائے وکالت کے اور کوئی حق نہیں۔ اور اگر مرگئی ہے تو اُسکا حکم دوسرا ہے۔ قاضی صاحب نے مدعی سے پوچھا۔ اُس نے

جواب دیا کہ وہ مرگئی اور اُس پر بینہ پیش کیا۔ قاضی صاحب نے مدعی علیہ سے جواب دعویٰ لینا چاہا امام صاحب نے فرمایا پہلے مدعی سے یہ تو پوچھئے کہ اُس کی ماں کا اور بھی کوئی وارث ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو حق مطالبہ سب کو ہوگا اور نہ ہو تو اُس کا حکم دوسرا ہے۔ قاضی صاحب نے دریافت کیا اُس نے کہا کوئی دوسرا وارث نہیں اور اُس پر بینہ قائم کیا۔ قاضی صاحب نے چاہا کہ اب مدعیٰ علیہ سے جواب لیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ مدعی سے یہ بھی تو پوچھئے کہ اُس کی ماں حرہ تھی یا امہ قاضی صاحب نے پوچھا اُس نے کہا حرہ تھی اور اُس پر بینہ قائم کیا۔ اسکے بعد چاہا کہ اب مدعیٰ علیہ سے جواب لیں۔ امام صاحب نے فرمایا مدعی سے یہ بھی تو پوچھئے کہ وہ مسلمہ تھی یا ذمیہ۔ قاضی صاحب نے پوچھا اُس نے کہا مسلمہ اور فلاں قبیلہ کی لڑکی تھی اور اُسپر بینہ قایم کیا امام صاحب نے فرمایا اب آپ مدعیٰ علیہ سے جواب لیجئے اور مقدمہ دریافت کیجئے" غور کیجئے جب سر اجلاس اہلمقدمات کے روبرو بات بات میں قاضی صاحب بے علم بنائے گئے تو اُس وقت اُن کا کیا حال ہوا ہوگا۔ کیا ممکن ہے کہ کسی نامآور عالم اور قاضی کو کوئی عالم سرکچہری عین اجلاس کے وقت علمی مباحث میں ذلیل کرے اور اُس کا کچھ اثر دل پر نہ ہو۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مقتدر حکام جب کسی کے دشمن ہوجاتے ہیں تو شہر کے اکثر زردار لوگ اُن کی خوشنودی کے خیال سے خود بھی مخالفت کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی اُسپر آمادہ کیا کرتے ہیں

ہیں۔ چونکہ خود حاکم اور قاضی شہر جس کو حکومت کے کل اختیارات حاصل تھے امام صاحب کے دشمن تھے اس لئے لوگوں نے اُن کی خوشنودی کی غرض سے آپ کی بدنامی کی ایسی ایسی تدبیریں کیں کہ کوئی دیانت دار نہیں کرسکتا۔ یہاں تک تو کیا کہ دہوکا دیکر آپ کو کسی زانیہ کے مکان پر لے گئے اور زنا کے الزام میں قاضی صاحب کے یہاں مقدمہ دائر کردیا مگر تائید الہی تہی کہ وہ عورت خود تائب ہوگئی اور مقدمہ خارج ہوا یہ واقعہ اور اس کے سوا بہت سے واقعات امام موفق اور کردری رح نے لکھے ہیں اب قیاس کیجئے کہ جن لوگوں نے یہاں تک نوبت پہونچائی تو اور کیا کچھ الزامات نہ لگائے ہوں گے۔

ہرچند حکام کو خوش کرنے کی غرض سے بہت کچھ نکتہ چینیاں کی گئیں۔ اقسام کے الزام لگائے گئے۔ مگر جو حق پسند اہل انصاف علما تہے وہ حق بات کہنے سے کب باز رہ سکتے تھے صدہا اکابر محدثین نے جن کا کلام جمیع اہل سنت وجماعت کے نزدیک مستند ہے برغم مخالفین امام صاحب کی اقسام کی تعریفیں کیں اور صاف صاف کہدیا کہ ابو حنیفہ کا مثل علم وفقہ وورع وغیرہ فضایل میں دنیا میں نہیں۔ اگر روے زمین کے علما کا علم اُن کے علم کے ساتھہ وزن کیا جاے تو اُنہی کا علم زیادہ ہوگا۔ اُن کے علم سے کوئی مستغنی نہیں ہوسکتا۔ تابعین اور تبع تابعین میں اُن کا سا بصیرت والا نکتہ رس دیکھا نہیں گیا۔ اگر اکابر تابعین بہی اُن کے زمانہ میں ہوتے تو اُن کے طرف محتاج ہوتے۔ کوئی فتویٰ انہوں نے

بغیر اصل محکم کے نہیں دیا۔کسی بات میں اُن کی مخالفت درست نہیں وہ فقہ میں موفق اور موئد من اللہ ہیں۔ اُن کے حلقہ میں بیٹھنا اور انکی کتابیں دیکھنی باعث حصول علم ہے۔جو شخص تمامی دنیا کے موجودہ علما سے اُن کو علم میں زیادہ نہ سمجھے اُس کے تدین میں شک ہے وغیرہ وغیرہ۔اس قسم کے تعریفیں جو ان حضرات نے کیں امام صاحب کے حق میں وہ بھی وبال جان ہوئیں کیونکہ جب یہ تعریفیں شہرہ آفاق ہوئیں طالبین حق جوق جوق امام صاحب کے حلقہ میں آکر شریک ہونے لگے جس سے مولویوں کی کساد بازاری ہوئی۔

م ک یحییٰ ابن آدم کہا کرتے تھے کہ کوفہ فقہ سے بھرا ہوا تھا اُسمیں فقہا ابن شبرمہ بن ابی لیلیٰ ۔حسن بن صالح۔شریک۔اور اُن کے امثال بہت سے تھے مگر ابو حنیفہ کے اقوال سے اُن کی کساد بازاری ہوئی اور ابو حنیفہ کے علم کی شہرت تمام شہروں میں ہوئی اور خلفا اور حکام نے اُن کی فقہ کو جاری کیا اور امر اُسی پر قرار پایا“

اب غور کیا جاے کہ اس قدر نیکنامی امام صاحب کی جب ہوئی جسکی وجہ سے وہ مرجع آفاق ہوے اور دوسرے مولوی کس میپر حالت میں ہو گئے تو رشک بھری طبیعتوں کا کیا حال ہوا ہوگا۔آخر انسان آقتضاے طبع سے کچھ نہ کچھ متاثر ہو ہی جاتا ہے۔یہ ممکن نہیں کہ جتنے مولوی اُس زمانہ میں تھے سب اصحاب نفوس قدسیہ ہوں جنکو مطلقاً حسد نہ ہو البتہ ایسے بھی تھے کہ آیہ شریفہ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء کو پیش نظر رکھ

بلاکم وکاست امام صاحب کے فضایل بیان کرتے بلکہ حلقہ میں اکثر شریک ہوتے تھے مگر ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔ عموماً ایسے موقع میں حسد ضرور ہوتا ہے چنانچہ خود بعض اہل انصاف محدثین نے صاف کہدیا کہ ہم لوگ ابو حنیفہ پر حسد کرتے ہیں جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے جو اوپر لکھی گئی کہ جس وقت کوئی مشکل مسئلہ سفیان ثوری رح کے پاس پیش ہوتا تو فرماتے کہ اس کا جواب وہی خوب جانتے ہیں جنپر ہم لوگ حسد کرتے ہیں یعنی ابو حنیفہ۔

م ک یحییٰ ابن معین کے روبرو اگر ذکر کیا جاتا کہ فلاں شخص ابو حنیفہ میں کلام کرتا ہے تو وہ یہ اشعار پڑھتے۔

حسدوا الفتی اذلم ینالوا سعیہ فالقوم اعداء لہ وخصوم

کضرائر الحسناء قلن لوجہہا حسدا وبغیاً انہ لذمیم

یعنی لوگ اُن کے دشمن ہوگئے اس وجہ سے کہ اُن کی سی سعی اُن سے نہ ہوسکی۔ اُن کی مثال ایسی ہے جیسے خوبصورت عورت کی سوکنیں اُسکو بدصورت کہتے ہیں" مطلب یہ کہ جتنے لوگ امام صاحب پر کسی قسم کا الزام لگاتے ہیں وہ سب مفتری اور جھوٹے ہیں۔ اُن کی مثال ایسی ہے کہ دشمنی سے خوبصورت کو بدصورت کہا جاتا ہے۔

ک۔ ابو داؤد رح کا قول ہے کہ ابو حنیفہ میں کلام کرنے والا یا حاسد ہے یا ایسا شخص ہے کہ علم کی قدر نہیں جانتا۔

م ک سلم بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک رح سے

سنا ہے کہ فرماتے تھے سفیان اور اوزاعی رح کے اور ابو حنیفہ رح کے درمیان میں منافرت تھی اور اُن دونوں نے پوری کوشش کی کہ ابو حنیفہ رح کی منقصت اور کسرشان کریں مگر اُن کی کچھ نہ چلی۔ اور ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ اور شریک اور حسن بن صالح ابو حنیفہ رح پر حسد کرتے تھے۔ مگر وہ بھی اُن کو کچھ نقصان نہ پہونچا سکے تو اب ان لونڈوں سے اُن کا کیا ضرر ہوگا۔ جو خود اپنی بات آپ نہیں سمجھ سکتے میں دیکھ رہا ہوں کہ ابو حنیفہ رح کا معاملہ ہر روز زور بڑتی ہے" اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب پر حسد کی ایک عام شورش تھی کہ بڑوں سے لیکر چھوٹوں تک اسی دہندے میں لگے ہوے تھے کہ اُن کے کمالات پر کسی قسم کا دہبہ لگائیں مگر کسی سے نہ ہوسکا اور وہ کمالات روز افزوں ترقی کرتے رہے یعنی فقہ نیک نامی کے ساتھ شائع ہوتی گئی۔

یہ بات پیشتر لکھی گئی کہ یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ شریک ابو حنیفہ رح کے اقوال کو پسند کرتے اور سنا بھی کرتے مگر حسد کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتے تھے اور اعمش رح کا قول بھی مذکور ہوا کہ امام صاحب کے مسایل کو سمجھکر لوگ دشمن اور حاسد ہوگئے۔ اور عبید ابن اسحٰق کا قول بھی مذکور ہوا کہ ابو حنیفہ پر تہمت لگانے والا حاسد یا شریر ہے۔ اور یحییٰ بن آدم کا قول بھی مذکور ہوا کہ امام صاحب کے حاسد بکثرت تھے باوجود اس کے فقہ جو آفاق میں مشہور ہوئی اُس کا سبب اُن کا خلوص تھا۔

تبیض الصحیفہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ ابن داؤد کہتے ہیں کہ جو شخص

ابوحنیفہ میں کچھ کلام کرے وہ حاسد یا جاہل ہے کہ علما کی قدر نہیں جانتا،،
جس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ جن محدثین نے امام صاحب میں کلام کیا
وہ سب حاسد تھے،، اس قسم کی تصریحات اور بہی اکابر دین سے
مروی ہیں۔
اب اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ جب اکابر محدثین نے گواہی دی ہے
کہ امام صاحب کے حاسد بکثرت تھے اور یہ قاعدہ بتلادیا کہ جس نے انہیں
کلام کیا وہ حاسد یا شریر یا جاہل تھا تو اب اہلحدیث کو کیونکر شایاں ہوگا
کہ حاسدوں کی تقلید کرکے جھوٹے الزام انہوں نے شرارت یا جہالت
سے امام صاحب کی نسبت لگائے ہیں بیان کریں۔
م ک۔ ابوالخطاب جرجانی کہتے ہیں کہ میں ایک بار امام صاحب کی مجلس
میں بیٹھا تھا کہ ایک نوجوان شخص آکر ایک مسئلہ پوچھا آپ نے اس کا
جواب دیا۔ اس نے کہا کہ تم نے خطا کی۔ پھر دوسرا مسئلہ پوچھا آپ نے اسکا بھی
بھی جواب دیا پھر اس نے وہی کہا کہ تم نے خطا کی میں نے اہل حلقہ سے کہا
سبحان اللہ تم لوگ اپنے استاد کی کچھ بھی تعظیم نہیں کرتے لونڈے آکر دو وبا
ان کا تخطیہ کرتے ہیں اور تم لوگ کچھ نہیں کہتے۔ امام صاحب نے کہا انکا
قصور نہیں میں نے ان کو تاکید کی ہے کہ میرے معاملہ میں کسی سے
کچھ نہ کہیں،، اسکے سوا اور بہت سے واقعات لکھے ہیں کہ لوگ مناظرہ کو آتے
اور سخت سست کہہ جاتے جن سے ظاہر ہے کہ طلبہ استادونکی طرف سے مامور
ہوا کرتے تھے ورنہ جنکے مقابلہ میں اکابر شیوخ سر جھکاتے تھے طلبہ کی حیثیت ہی کیا تھی کہ انکے منہ آسکیں اور گفتگو بہ

ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ حسد ایسی بری بلا ہے کہ آدمی کو اندھا کر دیتی ہے جس سے کمال نقصان کی صورت میں نظر آنے لگتا ہے یا یوں کہئے کہ حاسد اوروں کو اندھا بنانے کی فکر میں ہوتا ہے کہ کمال کو نقصان کی صورت میں مشاہدہ کرائے۔ بہرحال یہ ایسی بلا ہے کہ اس سے پناہ مانگنے کی ضرورت ہے جیسا کہ آیہ شریفہ ومن شر حاسد اذا حسد سے مستفاد ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے اُس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جمیع شرور کا مبدا حسد ہے آسمان زمین میں جو پہلا گناہ ہوا حسد ہی تھا وہاں ابلیس نے آدم علیہ السلام پر حسد کیا تھا یہاں قابیل نے ہابیل پر۔" پھر امام صاحب پر اگر حسد کیا گیا تو کوئی نئی بات نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اہل کمال کا محسود ہونا ایک امر لازمی ہے جیسا کہ کہا گیا۔

وازداد لی حسدا من لست احسدہ ان الفضیلۃ لا یخلو عن الحسد

اس وجہ سے امام صاحب کا محسود ہونا ضروری تھا چنانچہ امام بخاری رح پر بھی محدثین نے حسد کیا تھا جیسا کہ تاج الدین سبکی رح نے طبقات شافعیہ میں لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ امام بخاری رح جب نیشاپور گئے اور اس وجہ سے کہ پیشتر سے آپ کی شہرت بلاد اسلامیہ میں ہو چکی تھی طالبین حدیث جوق جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ اور محمد ابن یحییٰ ذہلی رح کا مجمع ٹوٹا تو اُنھوں نے اُن کی بدنامی کی یہ تدبیر نکالی کہ تلفظ بالقرآن کا مسئلہ چھیڑ دیا جائے اس وجہ سے کہ مسئلہ خلق قرآن

اُس زمانہ میں مہتم بالشان تہا جیسے امام احمد ابن حنبل رح صدمے اٹہا چکے تہے
اور محدثین اُس میں نہایت احتیاط کرتے تہے کہ قرآن کے مخلوق ہونیکا
ایہام بہی نہ ہونے پائے۔ ایک روز جب طلبہ اور علما سے مجلس مالامال
تہی ایک شخص کہڑا ہوگیا اور پوچہا حضرت اس مسئلہ میں آپ کیا فرماتے
ہیں کہ قرآن کا تلفظ جو کیا جاتا ہے وہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق آپنے کچہ جواب
نہ دیا اُس نے پہر دوبارہ پوچہا پہر اعراض کیا جب تیسرے بار پوچہا تو
فرمایا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے اور بندہ کے
جتنے افعال ہیں سب مخلوق ہیں اور امتحان بدعت ہے یہ سنتے ہی
مجلس میں شور ہوگیا اور سب چلے گئے اور اودہر ذہلی رح نے اعلان
دیدیا کہ جو شخص بخاری کے پاس جاوے وہ ہمارے یہاں نہ آے کیونکہ جو شخص
قرآن کو مخلوق کہے وہ تو کافر ہے اور جو یہ کہے کہ تلفظ بالقرآن مخلوق
ہے وہ بدعتی ہے اور بدعتی کی صحبت میں بیٹہنا اور اُس سے بات
کرنا درست نہیں اور کہا کہ علماے بغداد نے ہمیں لکہا ہے کہ بخاری
تلفظ بالقرآن کے باب میں کلام کرتے ہیں اُن کو بارہا ہم نے اُس سے
منع کیا مگر وہ مانتے نہیں چاہیے کہ کوئی اُن کی صحبت میں نہ جاے ہر چند
امام بخاری رح نے کہا کہ میں بندوں کی حرکات اصوات اکتسابات
اور کتابت کو مخلوق کہتا ہوں اور قرآن جو پڑہا جاتا ہے اور لکہا جاتا ہے
اور دلوں میں جو محفوظ ہے اُس کو مخلوق نہیں کہتا مگر کسی نے نہ مانا
اور ذہلی ہی کی چل گئی۔ اب ذہلی رح کو دیکہیے کہ وہ بہی کوئی معمولی آدمی نہ تہے

تذکرۃ الحفاظ میں ذہبیؒ نے نویں طبقے کی ابتدا انہی سے کی جس میں امام بخاریؒ بھی ہیں۔ اور اُن کے نام پر لکھا ہے الامام شیخ الاسلام حافظ الذہلی اور محمد ابن سہل کا قول نقل کیا ہے کہ ہم ایک روز امام احمدرحؒ کے یہاں بیٹھے تھے کہ محمد ابن یحییٰ الذہلی آئے امام احمد رحؒ اُن کے لیے کھڑے ہو گئے جس سے لوگوں کو تعجب ہوا پھر امام نے اپنے فرزندوں اور شاگردوں سے کہا کہ اُن کے یہاں جاؤ اور اُن سے حدیثیں لکھہ لو ابو حاتم کہتے ہیں کہ ذہلی اپنے زمانہ کے امام ہیں ابوبکر کا قول ہے کہ وہ امیرالمومنین فی الحدیث ہیں۔ انتہیٰ۔

اب دیکھئے کہ امام بخاری رحؒ مسافرانہ وارد نیشاپور ہوئے تھے مگر چند روز کی کساد بازاری کے خیال سے ایسے جلیل القدر بزرگوار پر کس بلا کا اثر پہونچا امام صاحب تو کوفہ ہی کے مقیم تھے اُن کی وجہ سے جب علمای کوفہ کی ہمیشہ کے لئے کساد بازاری ہو گی تو اُس کا اُنپر کس قدر اثر ہوا ہوگا اور کیسی کیسی تدبیریں امام صاحب کی بدنامی کے لئے سوچی گئی ہونگی غرض کہ حسد ایک بلائے بے درماں ہے۔

کل العداوۃ قد یرجیٰ ملاسلامتہا الاعداوۃ من عاداک عن حسد

یہ بات واضح رہے کہ امام صاحب کے بعد والے محدثین مثلاً امام شافعی امام احمد امام بخاری وغیرہ رحمہم اللہ کو ہم امام صاحب کے حاسدوں میں شریک نہیں کر سکتے اس لئے کہ بظاہر کوئی منشا حسد کا اُسوقت قایم نہ تہا پھر وہ حضرات فقہ حنفیہ کے جو قائل نہ ہوے اُس کی وجہ یہی ہے کہ اُن کی توجہ

ظاہر حدیث کی طرف مبذول تھی اور امام صاحب کے اجتہاد میں غوامض علمیہ ہوا کرتے تھے جن تک ان حضرات کی رسائی نہ ہوئی یا اُن کو ضروری نہ سمجھا۔ امیر المومنین فی الحدیث یعنی عبد اللہ بن مبارک رح نے خود اپنا حال بیان کیا کہ کئی روز تک امام صاحب کی تقریر کچھ سمجھ میں نہ آئی۔ اور تبرکاً شریک حلقہ رہا کرتے تھے اور اکابر شیوخ سے مروی ہے کہ بڑے بڑے محدثین امام صاحب کی تقریر کے تہہ تک نہیں پہونچ سکتے تھے جس کی وجہ سے بمصداق الانسان عدوٌ ما جھل دشمن ہو گئے۔

الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ اعمش رح سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا فرمایا اس کا جواب نعمان بن ثابت خوب جانتے ہیں اس پر یحییٰ بن آدم نے پوچھا آپ اُن لوگوں کے باب میں کیا فرماتے ہیں جو ابو حنیفہ کی بُرائیاں بیان کرتے ہیں فرمایا بات یہ ہے کہ جو مسائل اُنہوں نے ان بیان کئے کچھ تو لوگوں نے اُن کو سمجھا اور کچھ نہ سمجھا اس لئے اُن کے دشمن ہو گئے اور حسد کرنے لگے۔

الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ شعبہ ابو حنیفہ رح پر نہایت ترحم کیا کرتے اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ اُن کا فہم نہایت درست اور حافظہ نہایت قوی تھا جن مسائل میں لوگوں نے اُن کی تشنیع کی ہے وہ ایسے مسائل تھے کہ اُن کی سمجھ وہاں تک نہ پہونچ سکی اور ابو حنیفہ اُن کو خوب جانتے تھے پھر فرمایا خدا کی قسم خدای تعالیٰ کے روبرو وہ اُس کا نتیجہ دیکھیں گے غرضکہ کمی فہم سبب عداوت ہوئی۔

الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ ابو سلیمان کہتے تھے کہ ابو حنیفہ عجب شخص تھے اُن کے کلام سے وہی شخص منہ پھیرتا ہے جو اُس کے سمجھنے پر قادر نہیں۔ مطلب یہ کہ نا سمجھی سے لوگوں نے فقہ سے اغراض کیا۔

موفق رح نے ابن مبارک رح کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص ابو حنیفہ کو بُرائی سے ذکر کرتا ہے اُس کا سبب تنگی علم ہے۔ اس وجہ سے کہ علم میں وسعت ہو تو معلوم ہو کہ کونسا مسئلہ کس آیت وحدیث کے مطابق ہے اور جب کم علمی سے وہ معلوم نہیں تو جس طرح جاہلوں کی عادت ہوتی ہے دشمنی ظاہر کرتے ہیں اور بُرا بھلا کہنے لگتے ہیں۔

الانتصار میں لکھا ہے کہ خارجہ بن مصعب کہتے ہیں کہ جو شخص ابو حنیفہ کی بدگوئی کرتا ہے وہ ناقص العقل ہے۔" مطلب یہ کہ نقصان عقل کی وجہ سے جب مطلب سمجھ میں نہ آیا دشمن ہو گئے اس قسم کی اور بہی روایتیں ہیں جن سے ظاہر ہے کہ مطلب اور مقصود امام صاحب کا نہ سمجھ کر بہی بعض لوگ دشمن ہو گئے یہ بہی ایک مستقل سبب ہے اس میں حسد کو چنداں دخل نہیں بلکہ اس کا منشا اکثر حرارت طبع ہوتا ہے کیونکہ جب انہوں نے دیکھا کہ بہت سارے مسائل صراحۃً احادیث کے مخالف ہیں اور طبیعت میں یہ صلاحیت تو تہی ہی نہیں کہ غوامض علمیہ اور اجتہاد کے دقائق پر مطلع ہوں جس سے وجہ مخالفت معلوم ہو سکے اس لئے دشمن ہو گئے۔ ابن مبارک رح کی سی عقل ہر کسی کو کہاں نصیب کہ صبر و تحمل سے کام لیکر

دیکھتے کہ آخر اس مخالفت کا سبب کیا ہے اگر دقائق علمیہ ہیں تو انکو معلوم کرنیکا کو
طریقہ بھی ہے یا نہیں۔ مغلوب الغیظ ہر زمانہ میں ہوتے ہیں دیکھا جاتا ہے
کہ ایسے لوگوں کی طبیعت میں جب اشتعال ہوتا ہے تو اُن کی عقل ہی ٹھکانے
نہیں رہتی اور ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے جو مشابہ جنون ہوتی ہے ایسی
حالت میں کسی کا فضل وکمال پیش نظر رہتا ہے نہ اپنے ناشائستہ حرکات کا
مآل۔ غرضکہ کج فہمی اور نافہمی ہی بعض لوگوں کی مخالفت اور دشمنی کا سبب
ہوئی۔ اس کے سوا اور مختلف اسباب بھی تھے جن کو خود امام صاحب نے
بیان فرمایا ہے۔

امام موفق رح اور سبط ابن جوزی رح وغیرہ نے بکیر بن معروف سے نقل کیا
ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رح سے سنا ہے فرماتے تھے کہ کسی
نے میرے ساتھ بُرائی کی تو میں نے کبھی اُس کا بدلہ نہیں کیا اور نہ کبھی بُرائی
سے کسی کا ذکر کیا باوجود اس کے مجھ سے بغض رکھتے ہیں۔ تم جانتے ہو
کہ اہل مکہ کیوں ہم سے بغض رکھتے ہیں اُس کی وجہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ
میں جو ناسخ آیتیں نازل ہوئیں ہم اُن سے منسوخ آیتوں کو رد کردیتے ہیں
جو مکہ میں نازل ہوئیں تھیں۔ اور جانتے ہو کہ اہل مدینہ کیوں ہم سے بغض
رکھتے ہیں وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک رعاف اور حجامت سے
وضو ٹوٹتا ہے جس کے وہ قائل نہیں اور ہم اُن کی نماز کے فساد کا
حکم کرتے ہیں۔ جانتے ہو کہ اہل بصرہ کیوں ہم سے بغض رکھتے ہیں
وجہ یہ ہے کہ ہم مسئلہ قدر میں اُن کے مخالف ہیں جو اُن کے یہاں

ایک بڑا مہتم بالشان مسئلہ ہے۔ اور جانتے ہو کہ اہل شام کیوں ہم سے بغض رکھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہم کو علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ایک خصوصیت ہے اگر ہم اُس وقت موجود ہوتے تو علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں رہ کر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرتے۔ اور جانتے ہو کہ اہل حدیث کیوں ہم سے بغض رکھتے ہیں اس وجہ سے کہ ہم اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتے ہیں اور علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں اور وہ نہیں کرتے"۔ انتہیٰ۔

الحاصل مختلف اسباب سے امام صاحب کی دشمنی محدثین کے دلوں میں متمکن ہوئی جس کی وجہ سے اقسام کے الزام آپ پر لگائے جاتے ہیں اور ہر طرف شہرہ تھا کہ وہ صاحب الرائے تھے۔ احادیث کے مخالف اپنے دل سے مسئلے تراشتے ہیں جس سے اہل تدین کو دلی نفرت آپ سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر اگر کوئی شخص آپ کے حلقہ میں شریک ہوتا تو وہ ضعیف بنایا جاتا گویا محدثین کے دفتر سے اُس کا نام خارج کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ انتصار میں سبط ابن جوزی رحمہ نے محمد ابن خزیمۃ کا قول نقل کیا ہے کہ حسن بن عمارہ ابوحنیفہ کی مدح کیا کرتے اور اُن کی طرف مائل تھے اس وجہ سے محدثین نے اُن کو ضعیف قرار دیا اور میزان الاعتدال وغیرہ کتب رجال سے واضح ہے کہ امام صاحب کی طرفداری اور شاگردی کے الزام میں کتنے محدث ساقط الاعتبار کر دئیے گئے پھر یہاں تک نوبت پہونچی کہ کیسے ہی جلیل القدر محدث کیوں نہ ہو اگر امام صاحب کا نام

کسی روایت میں نے لیتے تو ادنیٰ ادنیٰ طلبہ صاف کہدیتے کہ اُن کی روایت سے ہمیں معاف رکھئے جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ ابھی معلوم ہوگا۔ غرضکہ محدثین نے امام صاحب کو ایسا بنا رکھا تھا جیسے ہمارے ملک میں جان اللہ شاہ۔ فقیروں میں ایک بہت بڑا گروہ ہے جس میں تقریباً کل فقرا شامل ہیں وہ باب اللہ شاہی کہلاتے ہیں اُن کے مشرب میں یہ بات داخل ہے کہ جو فقیر جان اللہ شاہ کی سرحد میں جاوے وہ گروہ فقرا سے خارج ہے۔ اُن کے زمانہ سے آج تک یہ بات چلی آرہی ہے کہ اگر کوئی فقیر اُن کے مزار کے سرحد میں جاوے (جو جالنہ ضلع اورنگ آباد میں واقع ہے) تو وہ زمرۂ فقرا سے خارج ہے۔ چنانچہ یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک تازہ وارد ہندوستانی فقیر پانی پینے کے لئے اُس نہر پر گیا جو اُن کے گنبد کے نیچے بہتی ہے اور پانی کی طرف ہاتھ دراز کیا تھا کہ ایک فقیر نے پکار کر کہا ارے یہ کیا کرتا ہے یہ تو جان اللہ شاہ کی نہر ہے یہ سنتے ہی اُس نے فوراً اپنی انگلی کاٹ ڈالی جو پانی سے تر ہوئی تھی اسی طرح امام صاحب کے حلقہ میں جانا تو درکنار روایت میں اُن کا نام سُننا بھی ناگوار تھا کیسے ہی جلیل القدر محدث اُن کی روایت بیان کریں۔ قابل اعتبار نہیں سمجھی جاتی تھی اور اُس کی کچھ پروا نہ تھی کہ اس میں اپنے استاد کی بے اعتباری ہوئی جاتی ہے کیونکہ جب یہ بات مسلم ہوگئی کہ ابوحنیفہ بیعلم غیر متدین اور مخرب دین ہیں اور اپنے استاد نے ایسے شخص کو استاد بنایا اور اُن کی مدح کی تو یقیناً معلوم ہوا کہ اُن تمام صفات پر

وہ بھی راضی ہیں جس سے اُن کا تدین باقی نہ رہا پھر ایسے شخص سے دوسری روایتوں کا لینا کیونکر جائز ہوگا۔ انہی اسباب سے ابن مبارکؒ نے ایسے لوگوں کو سفہا کہا اور فرمایا کہ اگر ان سفہا کی باتوں کو مان کر میں ابوحنیفہ کی خدمت میں نہ جاتا تو نعمت عظمیٰ سے محروم رہجاتا اور حلال وحرام سے واقف نہ ہوتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ طالبین حق کو امام صاحب کے یہاں حاضر ہونے سے روکتے تھے۔ مگر محققین اُنکی سماعی باتوں پر قناعت نہ کرکے بالمشافہ تحقیق کرلیا کرتے۔

م ص ک عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ امام صاحب اور امام باقرؒ سے مدینہ طیبہ میں ملاقات ہوئی امام باقرؒ نے کمال غضب سے امام صاحب سے کہا کیا تم ہی ہو کہ ہمارے جد امجد صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی مخالفت قیاس سے کرتے ہو۔ امام صاحب نے کہا معاذ اللہ آپ ذرا تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں آپ کی حرمت بھی ہم پر ایسی ہے جیسے آپ کے جد امجد صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت صحابہ پر تھی۔ امام باقرؒ بیٹھ گئے اور امام صاحب بھی روبرو بیٹھ گئے اور عرض کی کہ میں آپ سے تین مسئلے پوچھتا ہوں اُن کا جواب ارشاد ہو۔ ایک یہ کہ مرد ضعیف ہے یا عورت فرمایا عورت امام صاحب نے کہا عورت کا حصہ کتنا ہے اور مرد کا کتنا فرمایا عورت کا حصہ مرد کے حصہ کا نصف ہے عرض کی اگر میں قیاس سے مسئلے بناتا تو اُس کے خلاف میں حکم دیتا کہ عورت کا حصہ دونا چاہیئے۔ دوسرا مسئلہ۔ نماز افضل ہے یا روزہ

فرمایا نماز۔ کہا اگر میں قیاس سے حکم دیتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضا کرے اور روزہ کی قضا نہ کرے۔ تیسرا مسئلہ یہ کہ پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی فرمایا پیشاب۔ کہا اگر میں قیاس جاری کرتا تو پیشاب کو موجب غسل قرار دیتا۔ اس کے بعد عرض کی میں پناہ مانگتا ہوں کہ کوئی حکم خلاف حدیث دوں۔ یہ سنتے ہی امام باقر رح اپنے مقام سے اٹھکر امام صاحب کی پیشانی پر بوسہ دیا انتہیٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ امام باقر رح عام شہرت کی وجہ سے امام صاحب سے بدظن تھے مگر تحقیق کرکے صفائی کرلی اور کمال درجہ کا اخلاص ظاہر فرمایا۔

یہ روایت اوپر مذکور ہوئی کہ مالک بن سلیمان کہتے ہیں کہ حسن بن عمارہ ابوحنیفہ کی شان میں بدگوئی کیا کرتے تھے ایک بار کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے امیر کوفہ نے جمیع علماء کو طلب کیا مناظرہ کے بعد سب کا اتفاق ابوحنیفہ رح کے جواب پر ہوا جب امیر نے لکھنے کو کہا تو ابوحنیفہ نے تامل کرکے کہا کہ اس مسئلہ میں ہم سب خطا پر تھے اور صواب وہی ہے جو حسن بن عمارہ کہتے ہیں چنانچہ وہی لکھا گیا اسکے بعد حسن بن عمارہ امام صاحب کی نہایت مدح کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اگر ابوحنیفہ چاہتے تو میرا قول رد کردیتے اور باوجودیکہ وہ مجلس مفاخرت کی تھی مگر انہوں نے الزام اپنے ذمہ میں لینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا اس سے مجھے یقین ہوا کہ وہ ورع میں سب سے زیادہ ہیں۔

غرضکہ امام صاحب کے تقویٰ کو دیکھ کر اُنھوں نے مخالفت سے توبہ کی۔
یہ بات بھی اوپر مذکور ہوئی کہ ابتدا میں حسن بن صالح امام صاحب کے سخت مخالف تھے یہاں تک کہ اُن کی تعریف کرنے والے کی نماز میں اقتدا نہیں کرتے تھے پھر یہ نوبت پہونچی کہ مسائل فقہ حنفیہ کی نہایت تحسین کیا کرتے۔
الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ اوزاعی رح نے عبد اللہ بن مبارک سے پوچھا وہ کون بدعتی ہے جو کوفہ میں نکلا ہے جس کی کنیت ابوحنیفہ ہے ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں اس وقت تو خاموش ہو گیا مگر اُسکے بعد چند مشکل مسائل پیش کر کے کہا کہ یہ نعمان بن ثابت کے افادات ہیں کہا وہ کون ہے۔ میں نے کہا عراق میں ایک شیخ ہیں جن سے میں نے ملاقات کی ہے۔ فرمایا وہ شیخ نبیل ہیں اُن کے پاس جاؤ اور اُنسے علم حاصل کرو۔ میں نے کہا یہ وہی ابو حنیفہ ہیں جن کے ملنے سے آپنے منع فرمایا ہے۔ ابن مبارک رح کہتے ہیں کہ اُس کے بعد اوزاعیؒ اور ابو حنیفہ رح کی ملاقات مکہ معظمہ میں ہوئی اور اُن مسائل کا ذکر آیا امام صاحب نے جس قدر لکھا تھا بیان میں اُس سے زیادہ توضیح کی بعد برخاست اوزاعی رح نے کہا مجھے اُن کی کثرت علم اور وفور عقل پر رشک آتا ہے۔ اور میں جو اُن سے بدگمان تھا وہ سخت غلطی تھی جو لوگوں کے کہنے سے ذہن نشین ہو گئی تھی میں یہ دیکھتا ہوں کہ جو لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے وہ اُس کے بالکل برخلاف ہیں اب میں خدا ے تعالیٰ

سے مغفرت چاہتا ہوں کہ یہ بدگمانی معاف فرماوے۔ انتہیٰ۔

دیکھئے ایسے جلیل القدر محدث کو مخالفوں نے امام صاحب سے بدظن کردیا تھا مگر بالمشافہ اُس کا تصفیہ ہوگیا کہ جتنے الزام لگائے جاتے ہیں سب بے اصل محض ہیں اسی وجہ سے اُس سے توبہ کرنے کی اُن کو ضرورت ہوئی۔

الانتصار میں ابراہیم بن اشعث رح کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں فضیل بن عیاض کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے آکر خبر دی کہ عبداللہ بن مبارک حج کے لیے آئے ہیں اُنہوں نے کہا میں امید کرتا ہوں کہ اُن کی وجہ سے اہل موقف کی بھلائی ہوگی۔ اُس نے کہا وہ تو ابوحنیفہ کے پاس جایا کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ایسا شخص جو ابوحنیفہ رح کے پاس جاوے ممکن نہیں کہ بارگاہ الٰہی میں اُس کو اس قسم کا تقرب ہو فضیل نے کہا کہ وہ جانتے ہیں کہ ابوحنیفہ افضل ہیں اس وجہ سے اپنے فائدہ کیلئے اُنہوں نے اُن کو اختیار کیا اور میں نے بھی وہی بات اختیار کی جو عبداللہ نے کی ہے۔ اُس شخص نے کہا آپ نے بھی تو ابوحنیفہ میں کلام کیا ہے۔ فرمایا یوں تو سفیان بھی اُن میں کلام کرتے تھے مگر جب اُن کیساتھ بیٹھے اور اُن کا حال معلوم کیا تو نادم ہوکر اُس سے استغفار کیا کرتے تھے انتہیٰ۔

یہ بات اوپر معلوم ہوئی کہ وکیع رح ابتدا میں امام صاحب کے سخت مخالف تھے شاہ ولی اللہ صاحب رح نے حجۃ اللہ البالغہ میں

لکھا ہے کہ مسئلہ شعار میں انہوں نے صاف کہدیا کہ ابو حنیفہ نے حدیث کی مخالفت کی اور امام صاحب کے کسی مقلد نے جب امام صاحب کی طرف سے جواب دیا تو نہایت غضب سے کہا کہ تو اس قابل ہے کہ قید کردیا جائے اور جب تک توبہ نہ کرے رہا نہ کیا جائے۔ اُس کے بعد انہی کی یہ حالت ہوئی کہ امام صاحب کے معتقد بلکہ شاگرد اور مقلد ہو گئے۔

یہاں یہ بات قابل یاد رکھنے کی ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ میں جو وکیع رح کی مخالفت کا حال لکھا ہے اُس سے ہر شخص یہی خیال کرے گا کہ وکیع رح امام صاحب کے سخت مخالف تھے اور جتنے مخالفانہ اقوال مل سکیں اُن کو امام صاحب کی توہین میں پیش کریگا حالانکہ اُن کے کل اقوال اس باب میں ساقط الاعتبار ہیں اس لئے کہ تذکرۃ الحفاظ وغیرہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ امام صاحب کے شاگرد اور مقلد ہو گئے تھے جس سے ظاہر ہے کہ اُنہوں نے اُن تمام اقوال سے رجوع کیا ہے۔ اسی پر اور محدثین کے اقوال کا قیاس کیا جائے کہ بمرور ایام امام صاحب کی حالتوں پر مطلع ہوتے اور اپنے اقوال سے رجوع کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ شدہ شدہ کل اہل انصاف امام صاحب کے موافق بلکہ مداح ہو گئے جن کے بیش بہا اقوال سے کتابیں بھری ہیں جن میں سے چند اس کتاب میں بھی لکھے گئے۔ البتہ جن لوگوں نے انصاف سے کام نہیں لیا وہ اپنے مخالفانہ اقوال پر اڑے رہے مگر ظاہر ہے کہ بے انصاف حاسدوں کی مخالفت نہ شرعاً قابل اعتبار ہے نہ عقلاً۔

الانتصار میں لکھا ہے کہ شریک بن عبد اللہ نے حضار مجلس سے خطاب کر کے کہا کہ اے لوگو ہم سے ابو حنیفہ رح کے باب میں لغزشیں ہو گئی ہیں جیسا کہ ہوا ہی کرتی ہیں لیکن اب ہم اللہ تعالی سے اُن کی معافی چاہتے ہیں۔" دیکھئے شریک رح کی مخالفتیں کس وضاحت سے منقول ہیں مگر اس روایت سے ظاہر ہے کہ اُنھوں نے آخر میں مخالفت سے توبہ کی۔ جس سے کل مخالفانہ اقوال کان لم یکن ہو گئے۔

مولانا مولوی استادی محمد عبدالحی رح نے الکلام المبرور میں میزان شعرانی سے نقل فرمایا ہے کہ ابو مطیع بلخی رح کہا کرتے تھے کہ ایک روز میں امام ابو حنیفہ کے پاس جامع کوفہ میں بیٹھا تھا کہ سفیان ثوری اور مقاتل بن حیان اور حماد بن سلمہ اور جعفر صادق وغیرہ فقہا آئے اور کہنے لگے کہ ہمیں یہ خبر پہونچی ہے کہ تم دین میں قیاس کیا کرتے ہو جس سے ہمیں تمہارے ضرر کا اندیشہ ہے اس لئے کہ پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس ہے امام صاحب نے کہا میرا حال سنئے میں پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر سنت پر پھر صحابہ کے فیصلوں پر اور اُن میں بھی اُن کو مقدم کرتا ہوں جن پر اتفاق ہی اُس کے بعد قیاس کرتا ہوں اور اس بات پر مسائل فقہیہ پیش کرنا شروع کئے یہاں تک کہ صبح سے دوپہر تک یہی گفتگو رہی۔ چنانچہ سب قائل ہو گئے اور کوئی صاحب اُن کے زانو پر بوسہ دیتے تھے اور کوئی ہاتھ چومتے۔ پھر جاتے وقت اُن حضرات نے کہا کہ آپ سید العلما ہیں ہم نے جو نادانستگی سے آپ کی نسبت جو کچھ کہا ہے وہ معاف کر دیجئے

امام صاحب نے کہا غفر اللہ لنا ولکم اجمعین۔
غرضکہ اہل انصاف شیوخ وقتاً فوقتاً اپنے خیالات سے رجوع کرتے جاتے تھے اور اُس کے ساتھ ہی حاسد او رمخالف جو الزام امام صاحب پر لگاتے اُس کو رد کرکے اُن لوگوں کو زجر و توبیخ کیا کرتے کہ طالبین حق متنبہ ہوکر اُن لوگوں کے دام سے نکل جائیں۔
موفق رح نے لکھا ہے کہ محمد ابن عبد الوہاب کہتے ہیں کہ ایک روز ہم عبد اللہ بن یزید مقری رح کے حلقہ میں بیٹھے تھے اُنہوں نے ایک حدیث شروع کی جس کی ابتدا یہ تھی حدثنا ابو حنیفہ یہ سنتے ہی کسی نے کہا لا مزید یعنی ہم اُن کی روایت نہیں چاہتے کہا خیر اسکو جانے دو پھر کہا حدثنا النعمان بن ثابت لوگ اُس روایت کو لکھنے لگے یہ دیکھکر فرمایا جو لوگ ابو حنیفہ کے نام کو بھی نہیں پہچانتے تو اُن کے فضل و تقدم کو کیا جانیں باوجود اس کے کہتے ہیں کہ ہم اُن کی روایت نہیں چاہتے ایسے لوگ زندے نہیں بلکہ مردے ہیں پھر غصہ سے فرمایا ایک مہینے تک تم لوگوں سے کوئی روایت بیان نہ کروں گا" امام ذہبی رح نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ عبد اللہ بن یزید مقری ابو حنیفہ رح کے شاگرد اور امام بخاری رح وغیرہ کے استاد ہیں اور خلاصہ میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔
غور کرنے کا مقام ہے کہ جس بزرگوار نے تمام حلقہ کی طرف سے لا مزید کہدیا حاسدوں کی بات کا کس قدر اُس کو وثوق تھا کہ ایسے

جلیل القدر محدث جن کو خود نے بھی استاد تسلیم کیا تھا اُن کی بات کو امام صاحب کے معاملہ میں نہ مانا۔ ہر چند انہوں نے حدثنا کہکر یہ باور کرایا کہ وہ میرے استاد ہیں جن کا حال میں خوب جانتا ہوں مگر کچھ پروا نہ کی اور امام صاحب کی توہین کرکے اُن کے دل پر ایسا صدمہ پہونچایا کہ ایک مہینے تک اُس گستاخی کے بدلہ میں تمام اہل حلقہ کو افضل العبادات سے محروم کردیا۔ مقری رحمہ نے نام بدلکر جو وہی روایت پھر شروع کی اُس سے غرض اُن لوگوں کی حماقت ثابت کرنی تھی کہ جو اتنا بھی نہ جانتے کہ ابوحنیفہ کون ہیں اور نعمان کون ایسے لوگ ایک مسلم اور محقق شیخ پر یہ الزام لگائیں کہ کسی غیر متدین اور بے علم شخص سے روایت لی ہے کس درجہ کی حماقت اور بیباکی ہے۔ اور امام صاحب کے فضایل نہ جاننے والوں کو جو مردے قرار دے اُس کی وجہ یہ کہ اُن کو ذرا بھی معنوی احساس ہوتا تو حاسدوں کے اقوال اور امام صاحب کے احوال کا موازنہ کرکے حق و باطل میں امتیاز کرتے۔

یہ روایت اوپر لکھی گئی کہ اسمٰعیل بن بشر کہتے ہیں کہ ایک بار میں مکی بن ابراہیم کی مجلس میں حاضر تھا انہوں نے ایک روایت کی ابتدا یوں کی حدثنا ابوحنیفہ ایک شخص نے کہا حضرت ابن جریج کی کوئی روایت بیان کیجئے ابوحنیفہ کی روایت کی ہمیں ضرورت نہیں یہ سنتے ہی وہ غضبناک ہوگئے اور کہا اے شخص میری مجلس سے اٹھ جا اور جبتک وہ اٹھایا نہیں گیا کوئی روایت نہیں بیان کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ

مکی بن ابراہیمؒ نے امام صاحب میں کلام کرنے والے کو اس قابل نہیں سمجھا کہ اُس کو علم حدیث کی تعلیم دیجائے اس لئے کہ جس کی طبیعت میں بیباکی ہو اور بزرگان دین کو وقعت کی نگاہوں سے نہ دیکھے اُس کو علم سکہانا ایسا ہے جیسا کہ سعدی علیہ الرحمہ نے کہا ہے۔

بد گہر را علم وفن آموختن دادن تیغ است دست راہزن

موفق رح نے لکہا ہے کہ ایک بار عبداللہ بن مبارک رح نے ایک روایت ابوحنیفہ رح سے بیان کی اُس میں کسی نے کلام کیا تو آپ نے غصہ سے فرمایا اس سے تمہارا مقصود کیا ہے جسکو خدا تعالیٰ نے رفعت دی وہ ضرور رفیع المنزلت ہے۔ اور خدا نے جس کو پسند کیا اُسکے ممتاز اور پسندیدہ ہونے میں کلام نہیں پھر اُس سے پوچھا کیا تم نے ابوحنیفہ کو دیکھا ہے کہا نہیں فرمایا اگر دیکھتے تو کہدیتے کہ اللہ تعالےٰ نے اس امت کے لئے انکو رحمت پیدا کیا۔ پھر فرمایا اے لوگو تم ابوحنیفہ کے باب میں بہت فضول گوئیاں کرتے ہو مگر سمجھ رکھو جو شخص اُن کی مجلس میں نہیں گیا اور اُن کی کتابیں نہیں دیکھیں وہ محروم اور ناقص ہے انتہیٰ۔

ابن مبارک رح نے جو اُس شخص سے پوچھا کہ کیا تم نے ابوحنیفہ کو دیکھا ہے" اُس سے مقصود یہ تہا کہ اُس کی زبان سے کہلوادیں۔ اِسلئے کہ وہ جانتے تہے کہ جس طرح سفہا نے اُن کو امام صاحب کی ملاقات سے روکا تہا سب کو وہ روکتے تھے۔ پھر جب وہ نہ دیکھنے کا اقرار

کرلیگا تو یہ بات ظاہر ہوجائیگی کہ بلا تحقیق مخالفوں کی باتوں پر اُسکو ایسا وثوق ہے کہ اُس کے مقابلہ میں اپنے مستند محقق استاد کی ذاتی تحقیق کو بھی لغو سمجھتا ہے۔

الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن مبارک رح کے یہاں ایکبار طلبہ کا مجمع تھا آپ حدیثیں بیان کرتے اور لوگ لکھتے جاتے تھے ایک حدیث کی اسناد میں آپ نے کہا حدثنا نعمان بن ثابت یہ سنتے ہی لوگوں کو توحش ہوا چنانچہ ایک شخص نے جرارت کر کے پوچھ ہی لیا کہ "نعمان کون،، مطلب یہ کہ اگر کوئی دوسرے نعمان ہوں تو مضائقہ نہیں کہیں ابو حنیفہ نہ ہوں۔ مگر انہوں نے کہدیا ابو حنیفہ جو مغز علم ہے یہ سنتے ہی لوگ لکھنے سے ہاتھ کھینچ لئے۔ ابن مبارک رح تھوڑی دیر چپ رہ پھر فرمایا اے لوگو تم کیسے بے ادب اور ائمہ کے حال سے جاہل ہو اور علم و علما کی معرفت تمہیں کس درجہ کم ہے۔ تم نہیں جانتے کہ ابو حنیفہ سے زیادہ کوئی مستحق اقتدا نہیں وہ متقی سراپا مغز پارسا اور فقیہ تھے۔ علم کو انہوں نے ایسا منکشف کیا کہ کسی نے کیا ہی نہیں۔ پھر قسم کھائی کہ ایک مہینے تک اُن لوگوں کو حدیث کا درس نہ دونگا،، انتہی۔

الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن مبارک رح نے ایک بار فرمایا کہ ابو حنیفہ رح افقہ الناس تھے اُن سے زیادہ سمجھدار میں نے نہیں دیکھا وہ ایک آیت تھی۔ ایک شخص نے کہا حضرت خیر میں یا شر میں۔

فرمایا اے شخص چپ رہ شر میں مبالغہ منظور ہوتا ہے تو غایۃ فی الشر کہا جاتا ہے اور آیت خیر کے ساتھ خاص ہے ؟

دیکھئے اتنی تعریف اور توصیف کے بعد معترض صاحب کو لفظ آیت میں پوچھنے کا موقع ملا کہ وہ نشانی خیر کی تھی یا شر کی کاش یہی استفہام نیک نیتی سے ہوتا جس کے جواب سے اصلاح کی توقع ہو سکتی مگر وہ تو ازراہ تمسخر تھا کیونکہ اتنی تعریفوں کے بعد جب لفظ آیت کہا گیا تو کیسا ہی بیوقوف ہو یہی سمجھیگا کہ اس سے تعریف مقصود ہے شر کا وہاں کیا ذکر اس سے ظاہر ہے کہ مخالفوں میں ایسے مسخرے بھی تھے جو امیر المومنین فی الحدیث سے عین درس میں تمسخر کیا کرتے بخلاف اس کے امام صاحب کے مدّاح جتنے تھے نہایت مہذب متدین و دیانت و تقویٰ میں ممتاز محدثین کے شیوخ تھے۔

م ص ک احمد ثقفی کہتے ہیں کہ ایک بار ہم عیسیٰ بن یونس کے یہاں بیٹھے تھے (غالباً وہ حلقۂ درس تھا) اُنہوں نے کہا حدثنا ابو حنیفہؒ یہ کہتے ہی ایک شخص نے چیخ مار کر کہا حضرت کیا اُن سے دوبار توبہ نہیں لی گئی۔ فرمایا خدا تجھکو جلد ہلاک کرے کفار سے روایت کرتا ہے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا لکھو میں ابو حنیفہ سے اورع نہیں دیکھا

امام صاحب کے توبہ کا قصہ یہ ہے کہ جب خوارج کا کوفہ پر تسلط ہوا تو لوگوں نے اُن سے کہا کہ اہل سنت وجماعت کے شیخ ابو حنیفہ ہیں اُنہوں نے آپ کو گرفتار کیا اور چونکہ اُن کا اعتقاد ہے کہ جو شخص

اُن کے اعتقادات کے مخالف ہو وہ کافر ہے اس بناپر امام صاحب سے کہا کہ اے شیخ کفر سے توبہ کرو۔ آپ نے کہا میں ہر کفر سے توبہ کرتا ہوں اس کے بعد آپ کو چھوڑ دیا جب آپ جانے لگے تو کسی نے کہدیا کہ اُنہوں نے دھوکا دیا اُن کی مراد یہ ہے کہ تم جس کفر پر ہو اُس سے توبہ ہے۔ یہ سنکر پھر آپ کو بلایا اور کہا اے شیخ تم نے اُس کفر سے توبہ کی جسپر ہم ہیں۔ امام صاحب نے کہا یہ تم ظن سے کہتے ہو یا علم سے کہا ظن سے فرمایا حق تعالیٰ فرماتا ہے ان بعض الظن اثم۔ اس آیت کے مطابق یہ ظن تمہاری خطا ہے اور جو خطا ہے وہ تمہارے نزدیک کفر ہے اسلئے پہلے تم کفر سے توبہ کرو اُنہوں نے کہا تم سچ کہتے ہو ہم اپنے کفر سے توبہ کرتے ہیں مگر تم بھی توبہ کرو۔ امام صاحب نے کہا میں ہر کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ یہ قصہ امام موفق اور کردری رحہ نے ابوبکر عتیق یمانی سے روایت کرکے اُن کا قول نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے مخالفین جو کہا کرتے ہیں کہ اُنسے دوبار توبہ لی گئی سو وہ یہی توبہ ہے لوگوں کو شبہ میں ڈالنے کی غرض سے وہ اُس کو ذکر کیا کرتے ہیں"

اب حاسدوں کی افتراپردازی پر غور کیجئے کہ صرف دو بار کے توبہ کا لفظ اُن کو مل گیا اور اُس پر ایک بڑی بنیاد قائم کردی کہ اور فسق وفجور اور مخالفت حدیث کا تو کیا ذکر کفر تک نوبت پہونچ گئی تھی جس سے دوبارہ توبہ لی گئی۔ یعنی توبہ پر قائم ہی نہ رہی بلکہ بار دیگر کفر ثابت ہونے پر مکرر توبہ پر مجبور کئے گئے جو بیباک افتراپرداز اس قسم کے بے اصل الزام

لگاتے ہوں تو اُن کا یہ کہنا کہ وہ حدیث نہیں جانتے تھے صرف رائے سے فقہ گھڑی " کونسی بڑی بات ہے مگر حیرت اُن لوگوں سے ہے جو ایسے بے اصل باتوں کی تصدیق کر لیتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ مخالف کیسا ہی عالم کیوں نہ ہو مخالفت کی راہ سے جو کچھ کہیگا ہرگز قابل التفات نہیں دیکھئے تہذیب التھذیب میں حریز بن عثمان کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ اسمعیل بن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے خود حریز سے سنا ہے کہ کہتے تھے " یہ حدیث جو روایت کی جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضہ سے فرمایا کہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ حق ہے لیکن سُننے والے نے اُس میں خطا کی میں نے کہا پھر اصل میں کیا ہے کہا انت منی بمنزلۃ قارون من موسیٰ۔ لیجئے جو حدیث علی کرم اللہ وجہ کی کمال فضیلت پر دلیل تھی اُس کو انہوں نے کمال منقصت اور مذمت پر دلیل بنا دی۔ کہاں ہارون اور کہاں قارون مگر موقع اتنا مل گیا کہ سُننے میں صرف قاف کی جگہ خوش اعتقادی سے ہا سُن لیا ہوگا اور حریز سے یہ بھی روایت اُس میں لکھی ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغلہ پر سوار ہونا چاہتے تھے علی رضہ نے آکر تنگ کو ڈھیلا کر دیا کہ حضرت گر پڑیں۔ موقع یہ ہو گا تنگ کھینچنے کی ضرورت سے علی کرم اللہ وجہ نزدیک گئے ہونگے اُسکو مخالفانہ پیرایہ میں بیان کر دیا۔ اسی قسم کی یہ توجیہ بھی سنی گئی کہ کسی صاحب نے مناظرہ میں صدیق اکبر رضہ کی فضیلت پر یہ آیت پیش کی اذ ھما فی الغار

اذ یقول لصاحبہ لا تحزن توشیعی صاحب اس کے جواب میں کیا فرماتے ہیں کہ غار میں ابوبکر پکار پکار کر روتے تھے اس غرض سے کہ لوگ جمع ہو کر حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرلیں اور ہر چند حضرت لاتحزن فرماتے تھے مگر وہ چپ نہیں رہتے تھے۔ دیکھئے بغض وحسد نے کہاں تک نوبت پہونچا دی کہ قرآن وحدیث میں تحریف وتصرف کرڈالا۔ اب حریز بن عثمان کا حال بھی معلوم کیجئے جنہوں نے ہارون کو قارون بنادیا۔ تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ "وہ تابعی ہیں امام بخاری رح نے اُن کی روایت کو بخاری شریف میں داخل کیا ہے امام احمد رح وغیرہ نے اُن کی توثیق کی ہے،، مگر علی کرم اللہ وجہ سے چونکہ اُن کو بغض تھا اس وجہ سے توہین کے اسباب پیدا کرتے تھے اور اسی میں لکھا ہے کہ ابن حبان کہتے ہیں کہ اُن کی عادت تھی کہ ہر روز ستر بار صبح اور ستر بار شام کو حضرت علی کرم اللہ وجہ پر لعنت کرتے تھے جب اُس کا سبب دریافت کیا گیا تو کہا کہ اُنہوں نے میرے آبا واجداد کا سر کاٹا ہے" جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اُسی زمانہ میں ایسے ہی لوگ تھے کہ علی کرم اللہ وجہ جیسے جلیل القدر صحابی کی شان میں اپنی ذاتی خصومت کی وجہ سے بے اصل باتیں تراشتے اور لعنت کرتے تھے تو ابو حنیفہ کی نسبت بے اصل باتیں بنانا اور الزام لگانا کونسی بڑی بات ہے آخر امام صاحب سے بھی تو اُن کو سخت صدمہ پہونچا تھا کہ اُن کی کساد بازاری ہوگی جس کی خبر اکابر محدثین

نے دی ہے۔
تہذیب الکمال میں لکھا ہے کہ ابی عائشہ رح نے حلقہ درس میں ایک روایت ابوحنیفہ رح سے کی بعض حاضرین درس نے کہا لانریدہ یعنی ہم اُن کی روایت نہیں چاہتے اُنہوں نے کہا اگر تم اُن کو دیکھتے تو اُن کی روایت کی خواہش کرتے" مطلب یہ کہ جنہوں نے اُن کو دیکھا ہے اور اُن میں بھی خاص کر وکیع اور مسعر اور عبد اللہ ابن مبارک جیسے اہل تدین ہوں اُن کی قدر جانتے ہیں ہرکس وناکس کو کیا قدر گویا حاسدین نے بھی اُن کو دیکھا تھا مگر حسد وبغض نے اُن کی آنکھوں پر کچھ ایسا پردہ ڈالدیا تھا کہ وہ دیکھ نہ سکے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے تراہم ینظرون الیك وھم لا یبصرون -
م ص احمد بن حاج نیشاپوری کہتے ہیں کہ مسلم بن خالد زنجی ایک فاضل تھے جو تدریس اور مسائل کی تحقیق کیا کرتے تھے ایک روز میں اُن کے حلقہ میں تھا اور محمد بن مسلم طائفی بھی شریک تھے ابوحنیفہ رح کا ذکر آیا۔ مسلم بن خالد نے اُن کی ثنا وصفت میں بہت سارے امور بیان کئے محمد بن مسلم نے کہا اتنے اوصاف اُن میں نہ تھے مسلم نے کہا بلکہ اس سے بھی زیادہ تھے یہ سنکر محمد بن مسلم خاموش ہوگئے اور اُن کے طور سے معلوم ہوتا تھا کہ اُن کو بھی اِن امور کا اقرار تھا" انتہیٰ۔
غرضکہ حق پسند اور اہل انصاف علما نے امام صاحب کی ثنا وصفت کو اور معترضین کی جرح کے مقابلہ میں اُن کی تعدیل کو لازم سمجھا تھا۔

م ص بشر بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم عبداللہ بن مبارک رح کے پاس بیٹھے تھے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا اُنہوں نے طاؤس رح کے قول کی روایت کی اور اُس کے خلاف میں ابوحنیفہ رح سے ایک روایت کی۔ اُس شخص نے کہا ہم طاؤس کا قول قبول کرتے ہیں اور ابوحنیفہ رح کے قول کو دیوار پر دے مارتے ہیں۔ فرمایا اے کمبخت خدا کی قسم اگر تو اُن کو دیکھتا تو یہ کبھی نہ کہتا اور وہ اتنے دلائل قائم کرتے کہ تجھسے اُن کے قول کو رد کرنا نہ ہوسکتا۔

م ص ک خلف ابن ایوب کہا کرتے تھے کہ جو شخص ابوحنیفہ کے باب میں افراط نہ کرے ہم اُس سے بدگمان ہوتے ہیں کسی نے پوچھا افراط کی کیا صورت فرمایا یہ کہنا چاہیے کہ اُن کے زمانہ میں کوئی اُنسے اعلم اور افقہ نہ تھا۔ انتہیٰ بدگمانی کی یہی وجہ تھی کہ اُس نے ایسی بات کا انکار کیا جس کے تمام محققین قائل ہیں جس سے خیال کیا جاتا ہے کہ حاسدوں کا افسوں اُس پر کارگر ہوگیا۔ دیکھئے محدثین کو امام صاحب کے باب میں کس قدر تشدد تھا اگر یہ تشدد نہ ہوتا تو اُنکے حاسد اُس زمانہ میں اس کثرت سے تھے کہ فقہ حنفیہ کو کبھی فروغ پانے نہ دیتے اور اُن کے افترا پردازیوں سے یہ مذہب حق نیست و نابود ہوجاتا چونکہ اہل حق کا فرض ہے کہ احقاق حق میں مبالغہ کریں اسلئے ان حضرات کو اس قدر تشدد کرنے کی ضرورت ہوئی۔

م ص عبدالعزیز بن ابی رواد رح کہتے ہیں کہ ہمارے اور لوگوں کے

بیچ میں ابو حنیفہ ہیں جس نے اُن کو دوست رکھا ہم اُن کو اہل سنت وجماعت سے سمجھتے ہیں اور جس نے اُن کے ساتھ بغض رکھا ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اہل بدعت سے ہے"۔ انتہیٰ۔

دیکھئے سنی اور بدعتی کی یہ شناخت اُس زمانہ میں قرار دی گئی تھی جو خیر القرون سے تھا۔ اصل منشا اس کا یہ ہے کہ امام صاحب کی تقریر کے مقابلہ میں کوئی بدعتی ٹھہر نہیں سکتا تھا جس کا حال اوپر معلوم ہوا اسوجہ سے کل اہل مذاہب باطلہ آپ کے دشمن اور اہل حق آپ کے دوست اور خیر خواہ تھے۔ اور چونکہ حاسد امام صاحب کی توہین کرتے اہل بدعت کو تقویت دیتے تھے اور حدیث شریف میں ہے من کثر سواد قوم فھو منہم یعنی جو کوئی کسی قوم کے مجمع کو زیادہ کرے وہ بھی اُنہی میں سے ہے اس لئے اہل سنت وجماعت نے یہ شناخت ہی مقرر کردی کہ جو امام صاحب کا مخالف ہو وہ بدعتی ہے اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بہت سے حاسدوں کو امام صاحب کی بدگوئی سے زبان روکنے کی ضرورت ہوئی۔ اور رفتہ حنفیہ بہت جلد شائع ہوگئے۔

مرک ابن مبارک رح فرماتے ہیں جب میں سنتا ہوں کہ کوئی شخص ابوحنیفہ رح کی بدگوئی کرتا ہے تو مجھے اُس کی صورت دیکھنی اور اُس کے پاس بیٹھنا گوارا نہیں ہوتا اس خوف کے مارے کہ کہیں عذاب الٰہی نازل نہ ہو جائے جس میں میں بھی مبتلا ہو جاؤں اُس کے بعد کہا یا اللہ تو جانتا ہے کہ یہ لوگ جس قسم سے اُن کا ذکر کرتے ہیں میں اُس سے راضی نہیں ہوں

اور یہ لوگ جو بیان کرتے ہیں وہ اس سے بہتر تھے خدا کی قسم وہ پرہیزگار تھے اور زبان کو بری باتوں سے روکتے تھے " انتہی امیر المومنین فی الحدیث جن کا اولیاء اللہ میں ہونا محدثین اور اولیاء اللہ کی تصریحات سے ثابت ہے اُن کو اس بات کا احساس تھا کہ امام صاحب کی بدگوئی موجب عذاب الٰہی ہے۔ عوام الناس خصوصاً حاسدین اس کو کیا جانیں۔

م ص عبد العزیز کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مبارکؒ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے خدا خوار کرے اُس شخص کو جو ابو حنیفہ رح کو برائی سے یاد کرتا ہے۔

خ ابراہیم بن معاویہ ضریر کا قول ہے "تمام السنۃ حب ابی حنیفۃ" ابراہیم بن معاویہ کا حال میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ابوزرعہ نے اُن کی نسبت کہا ہے کہ وہ صدق اور صاحب سنت ہیں"

دیکھئے صاحب سنت امام صاحب کی محبت کو تتمہ سنت کہہ رہے ہیں تو خیال کیجئے کہ کس درجہ اُن کی محبت کی ضرورت سمجھی گئی ہے۔ غرضکہ حاسدین اور مخالفین کے تعلیم یافتہ لوگ جب اکابر محدثین کے حلقوں میں جاتے اور امام صاحب کی شان میں کچھ کلام کرتے تو خوب ہی زجر و توبیخ ہوتی جس سے اکثروں کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ مگر جس بری بات کی بنیاد پڑھ جاتی ہے اُس کا بالکلیہ قلع وقمع ہونا قریب قریب محال کے ہے دیکھئے کیسے کیسے مذاہب باطلہ دنیا میں رائج ہیں کہ نہ عقل اُن کو قبول کر سکتی ہے نہ نقل یاری دیتی ہے۔

اور باایں ہمہ اہل حق نے اُن کے ابطال میں زور بہی لگایا اور کوشش کیں مگر یہ نہ ہوسکا کہ صفحہ ہستی کو اُن سے پاک وصاف کریں اسی طرح جو مذہب امام صاحب کے معاملہ میں حاسدوں نے تراشا تہا اہل حق کی سعی سے اُس کا قلع وقمع نہ ہوسکا چنانچہ اور مذاہب کے پہلو بپہلو وہ بہی اب تک دائر وسائر ہے۔ حالانکہ ہر زمانہ کے علمائے اہل سنت وجماعت اُس مذہب کے مقلدوں کے مقابلہ میں امام صاحب کے مناقب میں کتابیں تصنیف کرتے رہے۔

مولٰنا استاذنا مولوی محمد عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے التعلیق الممجد میں لکھا ہے کہ ایک جماعت نے امام صاحب کے مناقب میں کتابیں لکہی ہیں۔ اگر اُن پر طعن کرنے والا محدث یا شافعی المذہب ہو تو اُسکے ہم مذہب علما کی تصانیف کو ہم پیش کریں گے۔ جیسے تبیض الصحیفہ مولفہ امام سیوطی اور خیرات الحسان مولفہ ابن حجر مکی اور امام ذہبی کی تصانیف جیسے تذکرۃ الحفاظ اور کاشف اور وہ رسالہ جو خاص امام صاحب کے مناقب میں اُنہوں نے لکہا ہے اور ابن خلکان اور یافعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام نووی اور امام غزالی رح وغیرہم کی تصانیف جن میں امام صاحب کے مناقب مذکور ہیں۔ اور اگر وہ مالکی ہو تو علمائے مالکیہ مثل حافظ ابن عبدالبر وغیرہ کی تصانیف پر اُس کو مطلع کریں گے۔ اور اگر حنبلی ہو تو تنویر الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ مولفہ یوسف بن عبدالہادی الحنبلی وغیرہ پیش کریں گے۔ اور اگر مجتہد ہو تو مجتہدین نے جو اُنکی

ثنا و صفت کی ہے اُس کو دکھائیں گے۔ اور اگر کوئی عامی لامذہب ہو تو عوام کالانعام کا اعتبار ہی کیا انتہی۔ دیکھئے صرف صاحب کشف الظنون نے امام صاحب کے مناقب کی جو خبر دی ہے وہ بیس سے زیادہ کتابیں ہیں جن کی فہرست شمس العلما مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النعمان میں لکھی ہے۔ غرضکہ کل مذاہب اہل سنت میں کوئی مذہب ایسا نہیں جس کے منصف مزاج علما نے امام صاحب کے مناقب میں کتابیں نہیں لکھیں حتیٰ کہ جاراللہ زمخشری نے بھی شقائق النعمان لکھی ہے ان کے سوا معلوم نہیں اور کتنی کتابیں بلاد اسلامیہ میں لکھی گئی ہیں۔

یہاں یہ بات معلوم کرنے کے قابل ہے کہ تبیض الصحیفہ میں امام سیوطیؒ نے اور الخیرات الحسان میں ابن حجر رحہ نے جو روایتیں امام صاحب کے مناقب میں لکھی ہیں اکثر بلکہ تقریباً کل خطیب بغدادی کی تاریخ سے نقل کی ہیں اُس کی وجہ یہ ہوگی کہ خطیب امام صاحب کے سخت مخالف تھے اس لئے کہ حاسدین کے اقوال کا ایک بڑا ذخیرہ انہوں نے تاریخ میں جمع کر دیا ہے پھر جب اُسی تاریخ میں اکابر محدثین کے اقوال امام صاحب کی تعریفوں میں منقول ہیں تو مقبولہ خصم ہونے کی وجہ سے اُن کو زیادہ تر وقعت اور وثوق ہوگا۔

اب یہ بات معلوم کرنی چاہیے کہ خطیب بغدادی رحہ نے امام صاحب کی توہین میں جتنے اقوال نقل کئے ہیں اُن میں سے اُن لوگوں کے اقوال جنہوں نے امام صاحب کو دیکھا ہی نہیں خواہ وہ اُن کے زمانہ میں ہوں

یا نہ ہوں اُن کی تقلیدی جرح اور بدگوئیاں امام صاحب کی نسبت کسی طرح
مقبول ہو ہی نہیں سکتی۔ جیساکہ ابن مبارک رح وغیرہ کے ارشاد سے
معلوم ہوا کہ اگر وہ لوگ امام صاحب کو دیکھتے تو مخالفت کر ہی نہ سکتے۔
انتہیٰ۔ وہ لوگ جو امام صاحب کے معاصر تھے اور اُن کے فضل کو دیکھکر
اور اُن کی تقریروں کو سُنکر بدگوئیاں کیں وہ حاسد اور امام صاحب
کے دشمن تھے جس کی خبر اکابر محدثین نے دی ہے جیساکہ ابھی معلوم
ہوا اور یہ کوئی مستبعد بات نہیں اس قسم کے علما کی خبر بطور پیشین گوئی
خود ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے قال النبي صلی اللہ
علیہ وسلم یاتی علی امتی زمان یحسد الفقہاء بعضہم بعضا کذا
فی تاریخہ الخطیب وکذا فی کنز العمال اور حاسدوں کی
اس قسم کی خبروں کا کوئی اعتبار نہیں۔ مولانا مولوی محمد عبدالحی صاحب
رحمۃ اللہ علیہ نے السعی المشکور میں لکھا ہے کہ ابو عبد اللہ ذہبی
سیر اعلام النبلا میں محمد بن حاتم سمین مفسر کے ترجمہ میں لکھتے ہیں
ذکرہ ابو حفص الفلاس الفلاس فقال لیس بشیئ قلت ھذا
من کلام الاقران الذی لا یسمع فان الرجل ثبت
حجۃ انتہیٰ۔ اور ابن حجر مکی رسالہ الخیرات الحسان فی مناقب
النعمان میں لکھتے ہیں قول الاقران بعضہم فی بعض غیر مقبول قد صرح
الحافظان ابن الذہبي وابن حجر بذلک قال ولا سیما اذا لاح انہ لعداوۃ اولمذہب
اذ الحسد لا ینجو منہ الا من عصمۃ اللہ قال الذہبي وما علمت ان عصرا سلم اھلہ من ذلک

والصدق یقین انتہیٰ ۔ اور بھی اسی میں ہے قال التاج السبکی
فی الطبقات الحذر کل الحذر ان تفہم ان قاعدتہم
ان الجرح مقدم علی التعدیل علی اطلاقہا بل الصواب
ان من ثبت امامتہ وعدالتہ وکثر وجوہ وندر جارحہ
وکانت ہناک قرینۃ دالۃ علی سبب جرحہ من تعصب
مذہبی او غیرہ لم یلتفت الی جرح ثم قال بعد کلام
طویل قد عرفناک ان الجارح لا یقبل منہ الجرح وان
فسرہ فی حق من غلبت طاعاتہ علی معاصیہ ومادحوہ
علی ذامیہ ومزکوہ علی جارحیہ اذا کانت
ہناک قرینۃ یشہد العقل بان مثلہا حاملۃ علی الوقیعۃ[۲۲]
فیہ من تعصب مذہبی او بمناقشۃ دنیویۃ کما
یکون بین النظائر او غیر ذالک وح فلا یلتفت لکلام
الثوری وغیرہ فی ابی حنیفہ وابن ابی ذئب وغیرہ
فی مالک وابن معین فی الشافعی والنسائی فی احمد بن
صالح ونحو ذلک قال ولو اطلقنا تقدیم الجرح لما سلم
لنا احد من الائمۃ اذ ما من امام الا وقد طعن فیہ الطاعنون
وہلک فیہ ہالکون انتہیٰ ۔ اور فتح المغیث میں ہے
لکن قد عقد ابن عبد البر فی جامعہ بالکلام الاقران
المتعاصرین بعضہم فی بعض ورای ان اہل العلم لا تقبل

الجرح فیھم الا ببیان واضح فان انضم الی ذلک عداوۃ فھو اولی بعدم القبول انتہی اور جار اللہ بن عبد العزیز عمر الہاشمی المکی المعروف با بن فھد المتوفی فی سنہ ۹۶۶ھ ہو امش ضوء لامع فی اعیان القرن التاسع میں تحت ترجمہ سیوطی کے جو سخاوی نے ذکر کیا ہے لکھتے ہیں الذی الدین اللہ بہ ان ماقال کل منھما ای السیوطی والسخاوی فی صاحبہ لا یجتنی بہ کمقالتہ العصریین فی بعض مع ان الحافظ السخاوی انصف صاحب الترجمۃ بما ترجمہ بہ ولم ینصف بما قالہ فی کلامہ و عند اللہ یجتمع الخصوم انتہی۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ منھاج السنہ میں تحت جوابات مطاعن عثمانیہ میں لکھتے ہیں معلوم ان مجرد قول الخصم فی خصمہ لا یوجب القدح فی واحد منھا فھذا کلام احد المتشاجرین فی الاخر انتہی حاصل ان اقوال کا یہ ہے کہ ہمعصر علما جو ایک دوسرے میں کلام کرتے ہیں اُس میں دیکھا جاے کہ اُس کا منشا کیا ہے اگر حسد یا تعصب مذہبی یا مناقشہ دنیوی وغیرہ اور ایسے لوگوں میں کلام ہو جنکی امامت عدالت ثابت ہو اور طاعت معصیت پر غالب ہو اور مدح کرنے والے اُن کے کثرت سے ہوں تو ایسے لوگوں کی نسبت کسی کی جرح قابل التفات نہیں اس وجہ سے ثوری نے جو ابوحنیفہ میں اور ابن ابی ذئب وغیرہ نے امام مالک اور ابن معین نے شافعی

اور نسائی نے احمد بن صالح اور سخاوی نے سیوطی میں جو کلام کیا ہے
قابل اعتبار نہیں انتہی. طبقات شافعیہ میں امام سبکی رح نے لکھا ہے کہ ابوزرعہ
اور ابو حاتم رح نے امام بخاری رح کو بھی متروک لکھا ہے مگر ان کے کہنے
سے وہ متروک نہیں ہو سکتے اور لکھا ہے کہ ابن عبد البر رح نے کتاب العلم
میں علما کے باہمی کلام سے متعلق ایک باب ہی مستقل لکھا ہے اور اس
کی ابتدا اس حدیث سے کی ہے جو زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
دب الیکم داء الامم قبلکم الحسد والبغضاء یعنی تم لوگوں میں
پہلی امتوں کی بیماری حسد اور بغض سرایت کر گئی ہے اور ابن عباس
رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے استمعوا العلماء ولا تصدقوا
بعضہم علی بعض. یعنی علما کی بات سنو مگر ایک دوسرے میں جو وہ
کلام کرتے ہیں اس کی تصدیق مت کرو وعن مالک بن دینار یوخذ
بقول العلماء والقراء فی کل شیئ الا قول بعضہم فی بعض یعنی
ہر کلام میں علما کا قول قبول کیا جائے مگر ایک دوسرے میں جو وہ کلام
کرتے ہیں قابل اعتبار نہیں۔ ابن عبد الرفیع نے معین الحکام میں عبد اللہ
بن وہب سے روایت کی ہے کہ ایک عالم کی شہادت دوسرے عالم
کے ضرر پر قبول نہ کیجائے اس لئے کہ علما کا باہمی حسد اس بلا کا ہوتا ہے
کہ اوروں میں نہیں ہوتا سفیان ثوری اور مالک بن دینار کا بھی یہی قول
ہے انتہی۔ میزان الاعتدال میں امام ذہبی رح نے احمد بن عبد اللہ
ابو نعیم اصبہانی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ابن مندہ نے ان میں ایسا قبیح کلام

کیا ہے کہ اُس کی حکایت مناسب نہیں اسیطرح انہوں نے ہی ابن مندہ میں کلام کیا ہے مگر دونوں کے کلام قابل اعتبار نہیں کیونکہ وہ دونوں مقبول ہیں اُس کے بعد لکھا ہے کہ اقران جو ایک دوسرے میں کلام کرتے ہیں وہ قابل اعتبار نہیں خصوصاً جب معلوم ہو جائے کہ اُس کی وجہ عداوت یا مذہب یا حسد ہے یہ ایسی بلا ہے کہ اُس سے کوئی نجات نہیں پا سکتا سوائے اس کے کہ جس کو خدا بچائے میرے علم میں انبیا اور صدیقین کے سوا کسی زمانہ کے لوگ اس سے بچے ہوئے نظر نہیں آتے اگر چاہوں تو کئی جزء اس کے نظائر میں لکھ سکتا ہوں انتہیٰ۔

غرضکہ امام صاحب کے معاصر محدثین میں سے جن حضرات نے اُن میں کلام کیا ہے اکثر اُن میں وہ ہیں جو ابتدائی خیالات سے تائب ہو گئے جیسے سفیان ثوری اوزاعی اور وکیع وغیرہ اُن کے جسقدر کلام امام صاحب کی تشنیع اور الزامات سے متعلق ہیں اُن سے امام صاحب کی زیادہ تر توثیق ہوتی ہے اس لیے کہ اُن کا رجوع کرنا اس بات پر دلیل بیّن ہے کہ بعد تحقیق اُنپر یہ منکشف ہو گیا کہ امام صاحب اُن تمام الزامات سے بری ہیں مثلاً بڑا الزام تو یہی تھا بلکہ کل مخالف یہی لگاتے تھے کہ امام صاحب حدیث نہیں جانتے یا مخالف حدیث رائے قائم کیا کرتے ہیں سو جب یہ حضرات مخالفت سے توبہ کر کے امام صاحب کی تعریفیں کرنے لگے تو اس سے یقیناً معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک وہ الزامات

بے اصل ثابت ہوے۔ اس کے بعد جو لوگ یہی کہے جاتے ہیں کہ امام صاحب حدیث نہیں جانتے تہے اور راے پر عمل کرتے تھے سو وہ درپردہ سفیان ثوری وغیرہ اکابر محدثین پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ نعوذ باللہ وہ جھوٹے تھے۔ پھر امام صاحب کی جرح وتعدیل کرنے والوں کا موازنہ کیا جاے تو تعدیل کرنے والے محدثین اعلیٰ درجہ کے حضرات ہیں جنکے اسماے گرامی مع حالات اوپر مذکور ہوے اور نیز تعداد بہی انہی حضرات کی زیادہ ہے۔ اور جارحین کی تعداد بہی کم ہے۔ جیساکہ مولٰنا استادنا مولوی محمد عبدالحی صاحب رح نے الرفع التکمیل میں ابن عبدالبر رح کا قول نقل فرمایا ہے کہ الذین رووا عن ابی حنیفہ ووثقوہ واثنوا علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ اس سے ثابت ہے کہ جرح کرنے والے معاصرین تھوڑے تھے اور جو الزام وہ لگاتے تہے اکابر محدثین کی جماعت کثیرہ کی گواہی اُن تمام الزاموں سے امام صاحب کو بَری کر رہی ہے اور اسی سے یہ بہی ثابت ہوتا ہے الزام لگانے کا منشا حسد تہا یا لاعلمی اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی بات قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔ بہرحال اکابر محدثین کے تابع ہونے اور توثیق کرنے سے یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ امام صاحب اُن تمام الزاموں سے بَری ہیں جنکو مخالف نُقل محفل بناکر طالبین حق کو امام صاحب سے بدظن کرتے ہیں اور بمصداق آیہ شریفہ ان بعض الظن اثم خود بہی گناہ میں پڑتے ہیں اور اوروں کو بہی گناہ میں ڈالتے ہیں نعوذ باللہ من شرور انفسنا

ومن سیئات اعمالنا۔

جب ہمیں یہ بات معلوم ہوگئی کہ اکابر محدثین نے اوائل میں امام صاحب پر جرح الزام لگائے سب سے توبہ کرکے اُن کے علم و فضل اور ورع کا اعتراف کرلیا تو اُس کے بعد کوئی طعن قابل توجہ نہ رہا مگر مزید توضیح کے لئے بعض مطاعن میں تفصیلی بحث بھی کی جاتی ہے امام صاحب پر ایک طعن یہ کیا جاتا ہے کہ وہ حدیث نہیں جانتے تھے اس کا جواب مباحث سابقہ سے ظاہر ہے کہ اکابر محدثین نے اعتراف کیا ہے کہ امام صاحب علم و تفقہ میں بے مثل و بینظیر تھے اس سے اُن کی حدیث دانی کا حال خود معلوم ہوگیا کیونکہ اُس زمانہ میں سوائے قرآن و حدیث کے مسلمانوں میں کوئی علم ایسا نہ تھا جس کے جاننے والے کو عالم کہتے ہوں اور یہ نہیں ہوسکتا کہ امام صاحب کے علم کی تعریف کرنے والوں کی مراد رائے ہو۔ کیونکہ ابن عبد البر رح نے کتاب جامع بیان العلم و فضلہ کے باب معرفۃ اصول العلم میں لکھا ہے کہ متقدمین اور متاخرین کا اس پر اتفاق ہے کہ رائے کو علم نہیں کہتے اور ایک جماعت نے خاص حدیث کی تصریح بھی کردی ہے اور امیر المومنین فی الحدیث یعنی ابن مبارک رح نے اُن کو حدیث دانی ہی کی وجہ سے امام اعظم کہا ہے۔ ایک جماعت محدثین نے خبر دی ہے کہ مناظرہ (جو صرف احقاق حق کے لئے کیا جاتا ہے) اُس میں امام صاحب پر کوئی غالب نہیں آتا تھا اس سے بھی اُن کی حدیث دانی ظاہر ہے کیونکہ اگر حدیث ہی جانتے نہ تھے تو دلیل کیا پیش کرتے ہونگے

پھر جوق جوق محدثین دور دور سے آکر حلقۂ درس میں جو شریک ہوتے تھے
کوئی معمولی بات نہیں بلکہ اُن کے تبحر علمی اور علما میں ممتاز ہونے کی ایک
واضح دلیل ہے۔ بات یہ ہے کہ امام صاحب جس زمانہ میں تھے وہ شباب
علم کا زمانہ تھا اور اُس کے بعد انحطاط شروع ہوگیا اور جس قدر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بُعد ہوتا گیا علم میں کمی آتی گئی
دیکھ لیجئے امام احمد بن حنبل رح کو محدثین نے آٹھویں طبقہ میں لکھا ہے
اور امام بخاری رح کو نویں طبقہ میں اس ایک ہی طبقہ کے تقدم و تاخر میں
علم کی اس قدر کمی ہوئی کہ ایکبارگی چھ لاکھ سے زیادہ صحیح حدیثیں جاتی
رہیں اور صرف ایک لاکھ رہ گئیں جس کا ثبوت اس سے ہوتا ہے کہ امام
احمد رح سات لاکھ سے زیادہ صحیح حدیثوں کی خبر دیتے ہیں جو اُن کو یاد تھیں
اور امام بخاری رح کو اُن میں سے صرف ایک لاکھ صحیح حدیثیں پہونچیں
کیوں نہ ہو صحیح حدیث ہے کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لا یاتی علیکم زمان الا الذی بعدہ شر منہ الحدیث
رواہ البخاری یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر زمانہ کے
بعد والا زمانہ بدتر ہوگا" انتہیٰ۔

اب اس صحیح حدیث کے مقابلہ میں کون کہہ سکتا ہے کہ امام بخاری رح کا
زمانہ امام صاحب کے زمانہ سے فضیلت علمی میں بہتر تھا جب نویں طبقہ
کی نسبت آٹھویں طبقہ میں علم اس قدر زیادہ تھا تو امام صاحب پانچویں
طبقہ میں تھے قیاس کیجئے کہ اُس زمانہ میں کس قدر علم ہوگا اور نویں طبقہ کو

اُس کے ساتھہ کیا نسبت یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ امام بخاری رح نے طلب علم میں نہایت کوشش کی مگر صرف ایک ہزار اسّی ۱۰۸۰ استاد اُن کو ملے جیساکہ مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے اور اوپر معلوم ہوا کہ امام صاحب کے چار ہزار استاد تھے جن سے امام صاحب نے صرف حدیثیں حاصل کی تھیں۔

اب تعصب کو ایک طرف رکھ کے امام صاحب۔ اور امام بخاری رحمہا اللہ کے علم کا موازنہ کیا جاوے تو معلوم ہو کہ دونوں کے علم میں کس قدر تفاوت ہے امام صاحب اُس زمانہ میں تھے جس کا خیر القرون ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جو دینی اور علمی برکات سے مالامال تھا اُسپر امام صاحب کے اساتذہ کی کثرت اور اساتذہ بہی اُس زمانہ کے جنمیں جوش اسلامی اور شوق علم ہر فرد کے رگ و پے میں موجزن تہا اور امام بخاری ایسے زمانہ میں تہے کہ آثار قیامت کی ابتدا ہوچکی تہی کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے قال النبي صلى الله عليه وسلم من اشراط الساعة يظهر الجهل ويقل العلم الحديث رواه البخاری ہرچند پورا مصداق اس کا ہمارا زمانہ ہے لیکن امام احمد رح کو سات لاکھہ سے زیادہ صحیح حدیثیں پہونچی تہیں اور امام بخاری رح کو صرف ایک لاکھہ پہونچیں تو اس سے ظاہر ہے کہ قلت علم اسیوقت سے شروع ہوگئی تہی اور اُس زمانہ کے محدثین اور خود امام بخاری رح کے اساتذہ نے اُن کی تبحر علمی اور اعلم الناس ہونے کی شہادتیں دیں

اس سے اہل انصاف خود سمجھ سکتے ہیں کہ امام صاحب کو صحیح روایتیں زیادہ پہونچی ہوں گی یا امام بخاری صاحب کو۔

امام صاحب نے خدمت افتا حسبۃً للہ جو اپنے ذمہ لی اُس کی وجہ یہی تہی کہ اُس کا کافی سرمایہ اُن کے پاس مہیا ہو گیا تہا ورنہ اُن کا تقویٰ اور احتیاط کا مقتضی تو یہ تہا کہ کبھی اس کام کو قبول نہ کرتے جس طرح خدمت قضا کو قبول نہ کیا اور اگر بغیر سرمایہ حدیث کے اُن کی جرارت اس کام پر ثابت ہوتی تو اُن کے اساتذہ اُن کے فتوی کو ہرگز قبول نہ کرتے کیونکہ فتویٰ دینے کے لئے ایک معتدبہ سرمایہ حدیث کی ضرورت ہے جیساکہ مولنا شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ امام احمد رح سے کسی نے پوچھا کہ فتویٰ دینے کے لئے ایک لاکھ حدیثیں کافی ہوسکتی ہیں؟ فرمایا نہیں وہ شخص بڑہاتا گیا یہاں تک کہ جب اُس نے کہا کہ پانچ لاکھ حدیثیں کافی ہوسکتی ہیں؟ فرمایا میں امید رکہتا ہوں کہ اتنی حدیثیں کافی ہوجائنگی غرضکہ باوجود تقویٰ و احتیاط خالصًا لوجہ اللہ امام صاحب کا فقہ کو مدون کرنا اور اکابر محدثین نے اُس کو اور اُن کے فتووں کو مان لینا اس بات پر شہادت دے رہا ہے کہ اقلاً پانچ لاکھ صحیح حدیثوں کا سرمایہ تو ضرور انکے پاس تہا جس کی ضرورت امام احمد بن حنبل رح نے بیان کی ہے اور چونکہ امام بخاری رح کو خود اقرار ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ صحیح حدیثیں یاد نہیں ہیں اس لئے امام احمد رح کے قول کے مطابق وہ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ اس سے یہ بہی معلوم ہوگیا کہ عقد الجید میں جو لکھا ہے کہ

احادیث ترمذی ونسائی وابو داؤد پیش نظر ہوں تو اجتہاد کے لئے کافی ہیں۔ یہ شاید متاخرین نے شرط لگائی ہوگی مگر قدما میں یہ شرط نہ تھی کیونکہ امام احمد رح اُس کے لئے یہ شرط لگا رہے ہیں کہ اقلاً پانچ لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔

یہاں یہ بات بھی معلوم کرنیکے قابل ہے کہ امام احمد رح کو جو سات لاکھ صحیح حدیثیں یاد تھیں اگر بالفرض اتنی حدیثیں امام صاحب کو یاد نہوں اور صرف آٹھ دس ہزار ہی یاد ہوں تو وہی اُن لاکھوں حدیثوں کی قوت میں ہوسکتی ہیں۔ اس لئے کہ حجۃ اللہ البالغہ میں امام احمد رح کے طبقہ کی نسبت لکھا ہے کہ اُسوقت ایک ایک حدیث کے لئے سو سو طریقوں سے زیادہ طریقے یعنی اسنادیں طلب کی جاتیں اور اُس کے لئے متابعات اور شواہد ڈھونڈے جاتے تھے "انتہیٰ وجہ اُس کی یہ تھی کہ جوں جوں زمانہ نبوی سے دوری ہوتی گئی تدین میں ضعف آتا گیا۔ پھر جب وسائط بکثرت ہوں تو ہر شخص کا متصف بجمیع صفات حسنہ ثابت ہونا دشوار ہے جسپر صحت حدیث کا مدار ہے۔ یہ بات اس سے بآسانی معلوم ہوسکتی ہے کہ اگر امام بخاری رح ہمارے زمانہ میں ہوتے تو غالباً ایک روایت بھی اُن کے شروط کے مطابق اُن کو نہ ملتی۔ کیونکہ اُسی زمانہ میں اُن کو بعض اُمور سے اغماض کرنے کی ضرورت ہوگئی تھی جیسا کہ میزان الاعتدال میں امام ذہبی رح نے لکھا ہے کہ علی ابن عبداللہ ابن جعفر جو علی المدینی کے نام سے مشہور ہیں بعض محدثین نے اُن میں کلام کیا ہے چنانچہ امام احمد

سے نے اُن کو آخر میں ترک کر دیا اور ابراہیم حربی نے بھی اُن کی روایتیں نہیں لیں اور امام مسلم رح نے بھی اُن کو ترک کر دیا اور عقیلی نے اُن کو ضعفا میں ذکر کیا مگر امام بخاری رح نے ان امور سے اغماض کر کے عقیلی سے کہا کہ اگر ان بزرگواروں کی حدیثیں چھوڑ دی جائیں تو یہ نوبت پہونچ جائیگی کہ ہم لوگ دروازے بند کر کے بیٹھ رہیں اور خطاب منقطع ہو جاوے اور آثار فنا ہو جائیں اور زندیقوں کا غلبہ ہو جاوے۔ اے عقیلی کیا تمہیں عقل نہیں تم کیسے لوگوں میں کلام کرتے ہو۔ بھلا ایک ثقہ تو بتلاؤ جس سے کوئی غلطی نہ ہوئی ہو "الحاصل آٹھویں اور اُس کے بعد کے طبقہ والوں کو کثرت وسائط اور قلت تدین کی وجہ سے ایسی حدیثیں بہت کم ملیں جن کے اسنادوں کے کل راوی مستند اور مقبول ہوں اس لیے بہت سی حدیثوں کو ساقط الاعتبار کرنے کی ضرورت ہوئی چنانچہ نکت میں ابن حجر عسقلانی رح نے لکھا ہے کلما کثرت رجال الاسناد احتیاج الناقد له الی کثرت البحث عن احوالهم اسناد عالی جو محدثین کو مطلوب اور مرغوب ہوتی ہے اُس کی یہی وجہ ہے کہ جس قدر اسناد میں لوگ کم ہوں گے خلل کم ہوگا جیسا کہ ابن صلاح رح نے مقدمہ میں لکھا ہے العلو یبعد الاسناد من الخلل لان کل واحد من رجاله یحتمل ان یقع الخلل من جهته سهواً او عمداً ففی قلتهم قلة جهات الخلل وفی کثرتهم کثرت جهات الخلل وهذا اجلی واوضح حاصل یہ کہ جس قدر رجال اسناد میں کم ہوں خلل کا اندیشہ کم ہی

اور جس قدر زیادہ ہوں زیادہ ہے۔ دیکھئے کہ امام صاحب چونکہ پانچویں طبقہ میں ہیں اس لئے اُن کی اسنادمیں رجال بہت کم ہوتے تھے تقریباً کل اساتذہ تابعی تھے جن کا اہل خیراور متدین ہونا اس حدیث شریف سے ثابت ہے جو بخاری شریف میں ہے۔ قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یجیئ قوم یسبق شهادة احدهم یمینه و یمینه شهادته اور ایک روایت میں ہے ثم یفشوا الکذب اور قطع نظر اس کے اہل تدین جب کسی سے روایت لیتے ہیں پہلے اُن کو جانچ لیتے ہیں کیونکہ خبرمیں وارد ہے کہ جس سے تم علم لیتے ہو پہلے دیکھ لو کہ وہ اس قابل ہے یا نہیں کما ورد وعن علی کرم اللہ وجهه انظروا ممن تاخذون هذا العلم فانما هو الدین نکت میں ابن حجر رح نے لکھا ہے کہ اگرچہ امام بخاری رح کے بعض شیوخ میں کلام کیا گیا ہے لیکن چونکہ امام بخاری رح کو اُن سے ملاقات تھی اور اُن کے احوال کو خوب دریافت کر چکے تھے اس لئے اُن کی روایت معتبر سمجھی جاتی ہے کما قال الذین انفرد بهم البخاری ممن تکلم فیه اکثرهم من شیوخه الذین لقیهم وعرف احوالهم واطلع علی احادیثهم تمیز جیدها من ردیها بخلاف مسلم فان اکثر من تفرد بتخریج حدیثه ممن تکلم فیه من المتقدمین ولاشك ان المرء اشد معرفة بحدیث

شیوخہ وتصحیح حدیثہم من ضعیفہ ممن تقدم عن عصرہم
اسی طرح امام صاحب نے جنکو استاد بنا لیا تھا اُن کے تدین سے وہ بخوبی
واقف تھے اسوجہ سے اُن کے معتبر اور موثق ہونے میں کلام ہی نہیں
اب رہے اُن کے اساتذہ سو اگر وہ صحابہ میں ہیں تو اُن میں کون کلام
کرسکتا ہے وہ سب عدول ہیں نہ اُن کی تعدیل کی ضرورت ہے نہ
اُن کی حدیث کے لئے متابع اور شاہد کی تلاش کرنے کی احتیاج۔
اور اگر وہ بھی تابعی ہیں تو اُن میں بھی بحث کرنے کی چنداں ضرورت
نہیں کیونکہ یہ زمانہ مبشر بالخیر ہونے کی وجہ سے اُن حضرات میں کذب کا
احتمال بہت ہی ضعیف ہے اور اگر توثیق کے لئے متابع اور شاہد کی
ضرورت ہوئی بھی تو ایک دو روایتیں اُس کے لئے کافی ہیں میزان
الاعتدال میں امام ذہبی رح نے علی ابن عبداللہ کے حال میں امام بخاری رح
کا قول نقل کیا ہے۔ بل الثقہ الحافظ اذا انفرد باحادیث
کان ارفع لہ واکمل لرتبۃ وادل علی اعتنائہ بعلم
الاثر وضبطہ دون اقرانہ الاشیاء ماعرفوھا اللھم الا
ان تبین غلطہ ووھمہ فی الشی فیعرف ذلک فانظر اول
شی الی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکبار
والصغار ھا فیھم احد الاوقد انفرد بسنۃ فیقال لہ ھذا
الحدیث لایتابع علیہ وکذلک التابعون کل واحد
عندہ ما لیس عند الاخر من العلم امام بخاری صاحب کے

اس قول سے تو صاف ظاہر ہے کہ صحابہ اور تابعین سے جو روایت لیجاتی
تھی اُس کی توثیق کے لیے اس تحقیق کی حاجت نہ تھی کہ کسی دوسرے
نے بھی وہ روایت کی ہے یا اُسی کے معنی میں دوسری روایت
بھی وارد ہے یا نہیں۔ الحاصل آٹھویں اور نویں طبقے والوں کو ایک
ایک حدیث کے لیے سو سو طریقے معلوم کرنے کی ضرورت تھی جس کی
وجہ سے ایک ایک حدیث سو سو حدیثیں بنجاتی تھیں اور قدما کی سینکڑوں
یا ہزاروں حدیثیں متاخرین کو پہونچ تک لاکھوں کے شمار میں آجاتی تھیں
جس کا حال پیشتر معلوم ہوا غرض قدما کے یہاں قلت تعداد
احادیث بہ نسبت متاخرین کے ایک لازمی امر ہے اس سے اُس
اعتراض کا جواب بھی ہو گیا جو کہا جاتا ہے کہ متاخرین کو لاکھوں حدیثیں
پہونچی ہیں جو مجتہدین کو نصیب نہیں ہوئیں۔ اس لئے لاکھوں حدیثیں
پہونچنا مسلم ہے مگر وہی جو قدما کو پہونچی تھیں انہی میں اسنادیں کثرت
سے لگ کر لاکھوں بن گئیں ورنہ اُن کو موضوعات کہنا پڑے گا۔
اگر تعمق نظر سے غور کیا جاے تو یہ بات مبرہن ہو جائیگی کہ جس قدر
صحیح متون قدما کو ملے تھے متاخرین کو نصیب نہیں ہوے اسوجہ سے
کہ یہ بات قابل تسلیم ہے کہ جتنی روایتیں کسی محدث کو پہونچی ہوں ضرور
نہیں کہ وہ سب اُن کے شاگردوں کو بھی پہونچ گئیں ہوں دیکھ لیجئے
کہ امام بخاری رح کو ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد تھیں مگر اُن کے کسی شاگرد
نے یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ سب روایتیں ہم لوگوں کو پہونچ گئیں ہیں۔

اسی طرح امام احمد رحؒ کی سات لاکھ حدیثوں کا حال ہے اگر وہ ضرور ہوتا تو امام بخاری رحؒ کو اُن کی وہ کل حدیثیں پہونچتیں کیونکہ وہ اُن کے ارشد تلامذہ سمجھے حالانکہ اُن کو صرف لاکھ حدیثیں پہونچیں وہ بھی امام احمد رحؒ سے نہیں بلکہ ایک ہزار استادوں سے۔ اب غور کیجئے کہ پانچویں طبقے تک جو روایتیں پہونچی ہیں اُن میں سے نویں طبقہ تک کتنی تلف ہوئی ہوں گی پھر جو حدیثیں متاخرین کو پہونچیں اُن میں سے بہت سی ایسی اسنادوں سے پہونچیں جن سے حدیث میں ضعف آگیا۔ بلکہ قابل اعتبار نہ رہیں۔ غرضکہ صحیح حدیثوں کا جو ذخیرہ قدما کے پاس تھا متاخرین کو نصیب نہ ہوا چنانچہ ابن تیمیہ رحؒ نے رفع الملام میں لکھا ہے بل الذین کانوا قبل جمع هذه الدواوین اعلم بالسنة من المتاخرین بکثیر لان کثیرا مما بلغهم وصح عندهم قد لایبلغنا الا عن مجهول او باسناد منقطع او لایبلغنا بالکلیة فکانت دواوینهم صدورهم التی تحوی اضعاف مافی الدواوین وهذا امر لایشك فیه من العلم القضیة یعنی قدما جو مصنفین کتب حدیث سے پہلے گذرے ہیں اُن کو حدیث کا علم اُن مصنفین سے بدرجہا زیادہ تھا اس لئے کہ جو روایتیں اُن کو پہونچی تھیں اور اُن کے نزدیک صحیح تھیں اُن میں بعض مجہول شخصوں کے ذریعہ سے یا منقطع اسناد سے متاخرین کو پہونچی جس سے وہ صحیح نہ رہیں یا بالکل پہونچیں ہی نہیں۔ قدما کے پاس اگرچہ کتابیں نہ تھیں مگر اُن کے سینوں میں

ان کتابوں سے کئی حصے زیادہ حدیثیں جمع تھیں اور یہ ایسی ہی بات ہو کہ کوئی واقف شخص اس میں شک نہیں کرسکتا ابن تیمیہ رح کی تحقیق کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو صحیح روایتیں امام صاحب کو چار ہزار مستند استادوں سے پہونچی تھیں آٹھویں اور نویں طبقے والوں کو اُن میں سے ایک حصہ تو پہونچا ہی نہیں اور جو حصہ پہونچا ہے اُن میں سے بہت سی حدیثیں درجہ صحت سے ساقط ہوگئی ہیں۔ الحاصل اگر انصاف سے کام لیا جاوے تو یہ ماننا پڑے گا کہ جو صحیح روایتیں امام صاحب کو پہونچی تھیں وہ کل امام بخاری رح کو پہونچی تھیں اور جو ذخیرہ صحیح حدیثوں کا امام صاحب کے پاس تھا امام بخاری رح کے پاس نہ تھا اس تقریر سے اُس اعتراض کا بھی جواب ہوگیا جو کہا جاتا ہے کہ امام صاحب کے زمانہ کے بعد تحقیق اور تدوین احادیث کی ہوئی اس لئے جو حدیثیں صحاح ستہ میں ہیں وہی مستند ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اُس زمانہ میں تحقیق حدیث خوب ہوئی مگر باقتضاے زمانہ اس تحقیق کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرِ دست چھ لاکھ سے زیادہ حدیثیں جن کی صحت امام احمد رح کے نزدیک مسلم تھی ضعیف ہوگئیں۔ اگر صحت کا مدار صحاح ستہ ہی پر رکھا جاے تو جن احادیث کی صحت کو طبقہ خامسہ کے اکابر محدثین نے تسلیم کرلیا تھا جن پر فقہ کا مدار ہے اُن کو نویں طبقہ والوں کے خیال سے ضعیف بنانا ہوگا جو نہ عقلاً جائز ہوسکتا ہے نہ نقلاً۔ حالانکہ اس طبقہ والوں نے نہ اُن لاکھوں حدیثوں کو ذکر کیا نہ یہ تصریح کی اُس زمانہ کی کل حدیثیں

جو ان نئی تصنیفوں میں نہیں ہیں سب غلط یا ضعیف تہیں۔ قدما نے احادیث کو جو
مدون نہیں کیا اُس کی وجہ یہ ہے کہ تدوین احادیث کا مسئلہ اُس زمانہ میں
مختلف فیہ تہا چنانچہ امام سیوطی رح نے تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ ابن
عمر۔ زید ابن ثابت۔ ابو موسیٰ۔ ابو سعید خدری۔ ابو ہریرہ۔ اور ابن عباس
رضی اللہ عنہم اُس کو مکروہ سمجہتے تھے اس وجہ سے کہ یہ حدیث شریف جو مسلم
شریف میں ہے۔ ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لا تكتبوا
عني شيئاً الا القرآن ومن كتب عني شيئاً غير القرآن فليمحه
یعنی حضرت نے فرمایا کہ مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ مت لکھو اور اگر کسی
نے کچھ لکھا ہو تو مٹا دے۔ اور بعض روایات جواز کتابت پر بہی وارد ہیں
پھر جو حضرات کتابت کو جائز رکھتے ہیں اُنہوں نے بہی تدوین کتب کو جائز
نہیں رکھا چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ باوجودیکہ کتابت حدیث کو جائز رکھتے تہے
اور تدوین احادیث میں صحابہ سے مشورہ لیا اور سب نے جمع کرنیکی
رائے بہی دی مگر ہمت نہ ہوئی۔ اور ایک مہینے تک اس باب میں استخارہ
کرتے رہے آخر فرمایا کہ میں نے سُنن کو جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا
لیکن مجھے یہ بات یاد آگئی کہ گزشتہ امتوں کے لوگوں نے کتابیں
لکھیں اور اُنہیں میں مشغول ہو گئے اور خدائے تعالیٰ کی کتابوں کو چھوڑ کر۔
خدا کی قسم میں کتاب اللہ کو کسی چیز کے ساتھ ملتبس نہ کرونگا انتہی ملخصاً۔ اور
تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رح نے لکھا ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے
فرمایا کہ میرے والد نے پانسو حدیثیں جمع کی تہیں ایک رات میں نے اُنکو دیکھا

کہ بستر پر بے چین اور کروٹیں بدل رہے ہیں میں نے پوچھا کیا کوئی شکایت
لاحق ہوئی ہے یا کوئی متوحش خبر پہونچی ہے جس سے بے چین ہیں.
کچھ جواب نہ دیا اور صبح ہوتے ہی فرمایا اے لڑکی وہ احادیث جو تمہارے
پاس رکھی ہیں لے آؤ جب میں لے گئی تو آگ منگوا کر جلا دیا۔ میں نے جلانیکا
سبب دریافت کیا تو فرمایا مجھے اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو
کہ میں مرجاؤں اور وہ حدیثیں میرے پاس رہیں اور اُن میں کسی ایسے
شخص کی روایتیں بھی ہوں جس کو میں نے امانت دار سمجھا اور اُس کے
روایتوں کی توثیق کی اور دراصل وہ ایسی نہ ہوں جیسے اُس نے بیان
کیا اور میں اُن کے نقل کرنے کا باعث ہوجاؤں " انتہی۔ چونکہ وہ ابتدائی
زمانہ اسلام تھا اور قاعدہ کی بات ہے کہ ہر چیز کی ابتدا میں کمال درجہ کی
احتیاط اور اقسام کی پابندیاں اور رعایتیں ہوا کرتی ہیں اس لئے ایک
مدت تک یہ احتیاط جاری رہی کہ جب کسی سے حدیث لیتے تو بہت دیکھ
سمجھ کر لیتے اور اُس کی حفاظت میں اس قدر اہتمام کیا جاتا کہ اپنے ہاتھ کر
لکھے پر بھی بھروسہ نہ کرتے اور لفظ بلفظ اُس کو یاد کرتے اور شاگردوں کو
پہونچانے کے وقت ذرا بھی شبہ کسی لفظ میں ہوتا تو اُس کی تصریح
کر دیتے کہ راوی نے یہ لفظ کہا ہے یا وہ لفظ گو دونوں کے معنی ایک ہی
ہوں جیسا کہ احادیث کے دیکھنے والوں پر یہ امر منکشف ہے کہ جوں جوں
زمانہ گذرتا گیا طبیعتوں میں احتیاط کم ہونے لگی اور احادیث میں ضعف بڑہنے
لگا اور یہ امر مسلم ہوگیا کہ اب احادیث مدون نہ کئے جائیں تو آئندہ نسلوں کو

ایک حدیث بھی صحیح نہ پہونچیگی اس لئے حفاظ حدیث رحمہم اللہ کو قدما کی احتیاطیں مجبوراً چھوڑنی پڑیں۔

اب غور کیجئے کہ ان پچھلے طبقوں کا قیاس پہلے طبقوں پر کر کے ان کو اچھے ٹھہرانا اور اُن کی صحیح حدیثوں پر ضعف کا حکم لگانا اور پچھلے طبقوں کی حدیثوں کو مستند قرار دینا کس قدر بے موقع ہے اور الٹی بات ہے اس مقام میں یہ بھی لکھا جاتا ہے کہ صحابہ جب ہر طرف متفرق ہوگئے تو جو حدیثیں اُن کو معلوم تھیں وہ روایت کرتے اور جن امور میں کوئی حدیث اُن کے پاس نہ ہوتی تو قیاس کرتے اسی وجہ سے اختلافات واقع ہوے اور ہر شہر کے فقہا نے اُسی حدیث اور قیاسات کو قبول کیا جو اُن کے اسلاف میں مروج تھے چنانچہ امام محمد رہ کی کتاب الآثار سے ظاہر ہے کہ ابو حنیفہ ابراہیم اور اُن کے اقران کے مذہب پر تھے۔

یہ درست ہے کہ صحابہ جب متفرق ہوے تو کل احادیث کسی خاص شہر میں نہ رہے بلکہ متفرق ہوگئے۔ اور اختلاف پیدا ہوا اسی وجہ سے جب ہارون رشید نے امام مالک رہ سے کہا، میں چاہتا ہوں کہ موطا کو کعبہ شریف میں لٹکادوں اور حکم کروں کہ اُسی پر عمل کیا جاے امام مالکؒ نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ صحابہ شہروں میں متفرق ہوگئے اور اُنکی حدیثوں پر عمل ہوگیا ہے۔ مقصود یہ کہ موطا کی کل حدیثیں واجب العمل نہیں ممکن ہے کہ بعض ناسخ اور واجب العمل نہ ہوں دوسرے شہروں میں پہونچی ہوں اور اگر تلف ہوجائیں تو صحابہ اور تابعین نے جو کوششیں اشاعت علوم

یں کی ہیں ضائع ہو جائے گی اور دین صرف چند حدیثوں میں محدود ہو جائیگا
امام مالک رح چونکہ دین کے خیر خواہ تھے اور خود پسند نہ تھے اس لئے
اپنی کتاب کو واجب العمل بنانا پسند نہیں کیا تاکہ وہ کافی سرمایہ جو اسلامی
دنیا میں شائع ہو چکا تھا مجتہدوں کے ہاتھ سے جاتا نہ رہے چنانچہ وہ کل
سرمایہ امام صاحب کے ہاتھ آیا جیسا کہ خزانہ داران علم حدیث اور اُن اکابر
محدثین کے بیان سے ثابت ہے جنپر صحیح حدیثوں کی اسنادوں کا
مدار ہے۔ اور جوق جوق محدثین جو ہر ملک و دیار سے آکر شریک حلقہ ہوکر
اپنا اپنا فراہم کیا ہوا صحیح حدیثوں کا سرمایہ پیش کرتے تھے وہ علاوہ تھا
اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ امام صاحب ابراہیم وغیرہ کے مذہب پر تھے
جیسا کہ امام محمد صاحب کی کتاب الآثار سے معلوم ہوتا ہے سو یہ خلاف
واقع ہے اس لئے کہ ابن مبارک رح وغیرہ کے اقوال سے ثابت ہے
کہ امام صاحب کسی کے مذہب کے مقلد اور پابند نہ تھے بلکہ علم اور تفقہ
میں اُن کا وہ مرتبہ تھا کہ سید الفقہا سمجھے جاتے تھے اور یہ خیال کیا
جاتا تھا کہ اکابر تابعین کے زمانہ میں اگر وہ اس حالت پر ہوتے تو وہ بھی
مثل اعمش رح کے اُن کی طرف محتاج ہوتے۔ قابل حیرت یہ بات ہے
کہ امام صاحب ابراہیم رح کے مقلد بنائے جاتے ہیں حالانکہ جریر رح امام احمدؒ
وغیرہ کے استاد ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے مغیرہ رح نے وصیت کی کہ ابو حنیفہؒ
کے حلقہ کی ملازمت کروں کیونکہ وہ ایسے شخص ہیں کہ اگر ابراہیم بھی اسوقت
زندہ ہوتے تو اُن کی طرف محتاج ہوتے کما فی المناقب الکردری۔ دیکھو

اُس زمانہ کے اکابر محدثین کے حالات اور آخری زمانہ والوں کے خیالات
میں کس قدر تفاوت ہے۔ اور ابو عاصم نبیل رح کا قول آپ نے دیکھ لیا
کہ وہ قسم کہا کر کہتے تھے کہ سفیان ثوری تو کیا ابو حنیفہ ابن جریج سے
بھی افقہ ہیں اور مقاتل ابن حیان کا قول بھی اوپر مذکور ہوا کہ میں تابعین کو
بھی دیکھا اور تبع تابعین کو بھی مگر ابو حنیفہ کے جیسا نکتہ رس اور صاحب بصیرت نہیں دیکھا
اور یحییٰ ابن آدم کا قول بھی اوپر لکھا گیا وہ کہتے ہیں کہ شریک اور داؤد امام صاحب کے علم کے
مقابلہ میں گویا مکس لگتے ہیں کاش وہ انکا قول سمجھ لیتے حالانکہ یہ دونوں حضرات مشہور
غرضکہ مذکورہ اقوال محدثین کو کوئی دیکھے تو اسکے حاشیہ خیال میں بات نہ آئیگی کہ امام صاحب
کسی کے مذہب پر تھے بلکہ یہ سمجھ جائیگا کہ سرآمد وہ محدثین اُن کے مذہب پر
فتویٰ دیتے اور اُن کی تقلید کرتے تھے اور یہ بھی معلوم کریگا کہ انکے
اجتہاد کا مدار صرف اُن چند آثار پر نہیں جو کتاب الآثار میں ہیں بلکہ چار ہزار
استادوں سے اُنہوں نے حدیثیں لی ہیں اور صدہا محدثین ہر ملک سے
ذخیرے احادیث کے فراہم کرکے اُن کے حلقہ میں پیش کرتے تھے
صرف عبداللہ ابن مبارک ہی کے تبحر کو دیکھ لیجئے کہ محدثین نے کیا لکھا ہے
تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی لکھتے ہیں کہ اُن کے زمانہ میں اُن سے زیادہ حدیث
کی تلاش اور طلب کرنے والا کوئی نہ تھا چار ہزار استاد سے اُنہوں نے
علم حدیث حاصل کیا تھا۔ اگر اُن تمام دور دور سے آنے والے محدثین سے
قطع نظر کرکے صرف عبداللہ ابن مبارک رح کی دائمی حضوری امام صاحب کے
پاس تصور کرلیا جائے اور یہ بھی فرض کرلیا جائے کہ امام صاحب سے زیادہ

اُن کو حدیثیں یاد نہیں تو کیا کوئی عقلمند خیال کر سکتا ہے کہ امام صاحب کا
سرمایۂ اجتہاد صرف ستر احدیثیں یا وہی آثار تھے جو کتاب الآثار میں لکھے ہیں
امام احمد رح نے یہ کہاں لکھا ہے کہ امام صاحب کے اجتہاد کا مدار صرف
انہی چند آثار پہ ہے جو کتاب الآثار میں لکھے گئے۔

بات یہ ہے کہ ہر مصنف کو تصنیف کے وقت ایک غرض ملحوظ ہوتی ہے
جس کو وہ پوری کرتا ہے۔ فتح الباری میں امام بخاری رح کا قول نقل کیا
ہے کہ ہر ایک حدیث کے لکھنے سے پہلے وہ غسل کر کے دو رکعت
نماز پڑھتے جس سے سولا برس میں وہ کتاب یعنی بخاری شریف پوری
ہوئی۔ اور جتنے حدیثیں اُس میں لکھی گئیں سب صحیح ہیں اور اُن سے کئی
حصے زیادہ صحیح حدیثیں چھوڑ دی گئیں - انتہی - اب دیکھئے کہاں ایک لاکھ
صحیح حدیثیں جو اُنکو یاد تھیں اور کہاں سات ہزار دو سو پچھتر جو اُس میں لکھی
گئیں جیسا کہ فتح الباری میں بیان کیا ہے اگر بالالتزام اور اہتمام
وہ چھوڑ دیتے تو سولا سال سے کم مدت میں ایک لاکھ حدیثیں اُس کتاب
میں لکھ سکتے تھے۔ مگر پوری حدیثیں جمع کرنا اُن کو منظور ہی نہ تھا اسیطرح
امام صاحب کو کتاب الآثار کے لکھنے سے یہ مقصود نہ تھا کہ امام صاحب کے
اجتہاد کا کل مادہ فراہم کر دیں بلکہ صرف ابراہیم رح اور اُن کے چند اقران
کا مذہب بیان کرنا مقصود تھا جو امام صاحب کے اجتہاد کے مطابق ہو گیا
تاکہ اہل کوفہ کا توحش جو امام صاحب کے اجتہاد سے پیدا ہوا تھا جاتا رہے
الحاصل امام صاحب کے اجتہاد کا سرمایہ صرف علمائے کوفہ کے اقوال یاد ہیں

کی مرویات نہ تہیں بلکہ اسلامی ممالک کی کل حدیثیں اُن کے اجتہاد کے وقت اُن کے پیش نظر تہیں۔ یہاں شاید یہ سوال ہوگا کہ کل احادیث کا علم ایک شخص کو حاصل ہونا تقریبًا محال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فی الحقیقت قرائن اسی بات پر دال ہیں کہ کسی محدث کو پوری حدیثیں نہ ملی ہونگی چنانچہ اس سے ظاہر ہے کہ باوجودیکہ امام بخاری رح کا شوق اور حافظہ مافوق العادۃ تھا مگر سات لاکھ صحیح حدیثیں اُن کو بہی نہیں پہونچیں حالانکہ وہ امام احمد رح کے شاگرد خاص تھے اگر کروڑ حدیثیں اُن کی مرویات کو صحیح نہ ہونیکی وجہ سے نہیں لیا تہا تو سات لاکھ صحیح حدیثیں تو اُن سے ضرور لی ہوتیں اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ صحیح روایتیں اُن سے لی تو نہیں مگر اُن میں سے چھہ لاکھ ضعیف ہوگئیں اس لئے کہ امام احمد رح اُن کے نزدیک مُستند شخص تھے جس حدیث کو وہ صحیح کہدیتے اُن کو اُس کی صحت کا اعتراف کرنا ضرور ہوتا اور امام احمد رح کوئی گمنام شخص نہ تھے بلکہ امام الوقت اور شہرۂ آفاق تھے اور اس قدر زمانہ بہی اُن کو مل گیا تہا کہ لاکھوں حدیثیں لے سکتے تھے کیونکہ امام احمد رح کا انتقال ۲۳۵ھ دو سو پینتیس ہجری میں ہے اور امام بخاری رح کی ابتدائی طالب علمی ۲۰۵ھ دو سو پانچ ہجری میں ہے۔ جیسا کہ طبقات الحفاظ سے ظاہر ہے اور مقدمۂ فتح الباری میں لکھا ہے کہ اُنہوں نے علی ابن مدینی اور امام رح کو پوری بخاری شریف سنائی اور سوا سے چار حدیثو نکے کل کتاب کی اُنہوں نے تحسین کی۔ غرض کہ رفع موانع اور وجود اسباب سے یہ بات قرین قیاس تہی کہ امام احمد رح کے پاس جتنے صحیح حدیثیں تہیں امام بخاری رح کو

پہونچتیں مگر نہ پہونچیں اسکے بعد کیونکر توقع ہوسکتی ہے کہ کسی کو پوری صحیح حدیثیں پہونچی ہونگی۔ اگرچہ اس پر قیاس کرکے یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام صاحب کو بہی کل حدیثیں نہ پہونچی ہونگی مگر یہ کہنا تو بے موقع نہ ہوگا کہ جتنے حدیثیں امام بخاری رح کو ایک ہزار استاد سے پہونچی ہیں امام صاحب کو چار ہزار استاذ سے اُن سے زیادہ پہونچیں۔ پھر امام صاحب کے اجتہاد کا مدار صرف انہی روایتوں پر نہ تھا جو اُن کو اُن کے اساتذہ سے پہونچی تہیں بلکہ ہر ملک کی حدیثوں کا ذخیرہ فراہم کرکے جوق جوق محدثین امام صاحب کے روبرو پیش کرتے تھے اور اجتہاد کے وقت وہ سب پیش نظر رہتا تھا چنانچہ یہ بات ابہی معلوم ہوئی کہ اعمش رح سے اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے کہ ابوحنیفہ کے حلقہ میں جاؤ وہاں جو مسئلہ پیش ہوتا ہے اُسپر وہ لوگ یہاں تک غور کرتے ہیں کہ وہ روشن ہوجاتا ہے۔ اس موقع میں اگر یہ دعویٰ کیا جاوے کہ جتنے حدیثیں ممالک اسلامیہ میں پہونچی تہیں وہ کل امام صاحب کے اجتہاد کے وقت موجود تہیں تو کچہ بے موقع نہ ہوگا بلکہ بعض محدثین نے تو صاف کہدیا کہ صحابہ کا کل علم امام صاحب اور اُن کے اصحاب میں موجود تہا جس سے ثابت ہے کہ فقہ حنفیہ سے کوئی حدیث خارج نہ رہی اسی وجہ سے اکابر محدثین اور خزان حدیث نے اُن کے اقوال پر فتویٰ دئے اور اُن کی فقہ کی توثیق کی۔ کردوری رح نے مناقب میں ابن جریح کا قول نقل کیا ہے کہ ما افتی الامام الا من اصل محکم یعنی امام صاحب کا ہر فتویٰ ایک اصل محکم پر مُستند ہے یعنی قرآن وحدیث پر ایک اعتراض یہ بہی کیا جاتا ہے

کہ امام صاحب کو محدثین نے اہل رائے میں لکھا ہے جس کا مطلب یہ کہ وہ رائے سے مسئلے تراشتے تھے۔

قبل اسکے کہ اس اعتراض کا جواب دیا جائے رائے کی معنی بیان کرنیکی ضرورت ہے۔ منتہی الارب میں لکھا ہے کہ رائے کے معنی بینائی دل کی ہیں "اور اسی کو بصیرت بھی کہتے ہیں۔ فرائد اللغۃ میں لکھا ہے البصیرۃ فی القلب کالبصر فی العین البصیرۃ تدرک المعقولات والبصر المحسوسات یہی بصیرت ہے جس نے ایک جماعت کو عوام الناس سے ممتاز کر کے اعلیٰ درجہ کے خطاب الٰہی کا افتخار بخشا۔ کما قال اللہ تعالیٰ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اسی بصیرت اور بینائی دل کو حق تعالیٰ نے اور ناموں سے ذکر فرمایا چنانچہ ارشاد ہے ان فی ذلک لآیات لاولی النہی وقولہ تعالیٰ واتقون یا اولی الالباب ان احتمالات سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ بینائی دل عقل کے سوا اور کوئی چیز نہیں مگر فرائد اللغۃ میں لکھا ہے کہ الرائی ھو استحضار المقدمات واجالۃ الخاطر فیہا" اس معنی کے لحاظ سے رائے عقل کی اس کیفیت کا نام ہوگا جو نظر و فکر میں کام دیتی ہو۔ اور جب کمی وزیادتی عقل اُس کی بھی کمی وزیادتی ہوتی ہے۔ رائے کے یہ معنی لفظ فقہ کے معنی کے قریب قریب ہیں جیسا کہ اساس البلاغۃ کی اس عبارت سے مستفاد ہے کہ شہدت علیک بالفقہ ای بالفہم والفطنۃ اور رقایق میں علامہ زمخشری نے لکھا ہے فقہت

ای فطنت الحق والفقہ حقیقہ الشق والفتح والفقیہ العالم الذی یشق الاحکام ویفتش عن حقائقہا ویفتح ما استغلق منہا۔ حاصل یہ کہ فقہ اُس سمجھ کو کہتے ہیں جس سے موشگافیاں کرکے مسائل واحکام کا انکشاف کیا جاتا ہے جس سے اغلاق اُن کا جاتا رہے۔ غرضکہ رائے فقہ اور فہم عقل سے متعلق ہیں۔ اور اُن چیزوں کا کمال عقل کے کمال کے ساتھ وابستہ ہے۔ اب عقل کو دیکھئے کہ فی نفسہ کیسی شریف چیز ہے جہاں قرآن وحدیث میں عقل کا ذکر آتا ہے اُس سے عقل کی مدح اور تحسین ثابت ہوتی ہے مثلاً ان فی ذلک لآیات لاولی النہی ولقوم یعقلون وغیرہ اور جہاں بے عقلی مذکور ہے اُس سے مذمت مقصود ہے کما قال اللہ تعالیٰ صم بکم عمی فہم لا یعقلون اس میں شبہہ نہیں کہ عقل فی نفسہ ایک نعمت عظمیٰ ہے جس کی تعریف ممکن نہیں کیونکہ اسی عقل نے آدمی کو حیوانات سے جدا کرکے ممتاز بنایا۔ اسی عقل نے مسلمانوں کو کافروں سے علیحدہ کرکے اعلیٰ علیین تک پہونچا دیا۔ ہرچند کفار کو جانوروں سے ممتاز بنانے والی عقل ہی ہے مگر خدائے تعالیٰ نے اُس کا اعتبار نہ کرکے اُن کو بے عقل فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے لھم قلوب لا یفقہون بہا الی قولہ اولئک کالانعام بل ھم اضل وقولہ تعالیٰ فہم لا یعقلون۔ وجہ اُس کی یہ ہے کہ وہ اپنی عقلوں سے باتیں بنا کر خدا اور رسول کے کلام کی مخالفت کیا کرتے ہیں اس لئے کہ کوئی مسلمان متدین یہ جرارت نہیں کرسکتا کہ اپنی رائے اور قیاس کو

قرآن وحدیث کی مخالفت کرے مثلاً وہ لوگ عقل کی پیروی سے خدا کو اپنے پر
قیاس کر کے کہتے ہیں کہ خدا کو بھی اولاد ہے اور اپنی قدرت پر قیاس
کر کے کہتے ہیں کہ مردوں کو زندہ کرنے کی اس میں بھی قدرت نہیں
اور رسول کو اور آدمیوں پہ قیاس کر کے کہتے ہیں کہ وہ بھی ایک قسم کے
مجنون تھے اسی قسم کے اور بہت سارے مسائل ہیں کہ نصوص کے
مقابلہ میں اپنے قیاسات وہ پیش کرتے ہیں ایسے لوگوں کو حق تعالیٰ
نے قوم لایعقلون فرمایا ایسے قیاسات ہمارے دین میں ممنوع ہیں
اور انہی کی شان میں اول من قاس ابلیس وارد ہوا ہے اور عقل
سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام
کو سجدہ کرنے کا حکم ابلیس کو دیا تو اس نے یہ قیاس قائم کیا کہ آدمؑ کی پیدائش
خاک سے ہے اور اپنی پیدائش آگ سے جو مشت خاک سے لطیف و
عالی ہے اور عالی نژاد کا کثیف الاصل کو سجدہ خلاف شان ہے۔ گو عقلائے دہر
اس قیاس کی داد دیتے ہوں گے مگر اہل ایمان تو یہی کہیں گے کہ قیاس
کیسا ہی پُر زور ہو نص قطعی کے مقابلہ میں اُس کو پیش کرنا باعث لعنت الٰہی
ہے۔ ایسے قیاسوں میں بے شک ابلیس کی پیروی ہے جس سے
اول من قاس ابلیس صادق آتا ہے اور صحابہ وغیرہ اہل حق اس قسم کے
قیاسوں سے احتراز کیا کرتے تھے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے۔
عن عبد اللہ بن جبیر قال رایت علیا دعا بالماء لیتوضا فمسح
یدیہ مسحا و مسح علی قدمیہ وقال ھذا وضوء من لم یحدث

ثم قال لولا انی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مسح علی ظہر قدمیہ رایت ان بطونہما احق الحدیث خلاصہ
یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قدموں کے اوپر مسح کرکے فرمایا کہ
اگر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مسح کرتے نہ دیکھتا تو
اپنی رائے سے بطون اقدام پر مسح کرتا مگر چونکہ وہ رائے مخالف
حدیث ہے اس لئے اُس کو ترک فرمایا۔ اسی طرح امام صاحب نے بھی
کئی نظائر پیش کئے کہ احادیث کی وجہ سے اُنہوں نے اپنی رائے کو
ترک کردیا جس کا حال ابھی معلوم ہوا غرض کہ جو رائے نص قطعی کے
مخالف ہو اُس سے احتراز کی ضرورت ہے الحاصل آیات واحادیث
سے ثابت ہے کہ جس طرح عقل اور رائے کی تعریف میں آیات
وارد ہیں اُس کی مذمت بھی وارد ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ رائے
کی دو قسمیں ہیں ایک مذموم جو مقابل نصوص ہو اور دوسرے محمود جو
ایسی نہ ہو۔ اور جن روایتوں میں رائے کی مذمت ہے اُس سے رائے
مذموم مراد ہے مثلاً عمرؓ کا یہ قول جو کنز العمال میں ہے کہ ایاکم
واصحاب الرائی فانہم اعداء السنۃ الحدیث یعنی عمرؓ نے
فرمایا اصحاب الرائے سے بچو کیونکہ وہ اعدائے سنت ہیں اسیطرح
ابن عباسؓ کا قول جو درمنثور میں ہے ایاکم والرائی یعنی رائے سے
بچتے رہو" دیکھئے عمرؓ نے اصحاب الرائے کو اعداء السنہ کہا اس سے
ظاہر ہے کہ رائے مذموم مراد ہے اس لئے کہ جب اہل باطل کو منظور ہوتا ہے

کہ جو کچھ اپنی رائے میں آئے اُسپر عمل کریں تو وہ احادیث کو رد کر دیتے ہیں
اسی وجہ سے معتزلہ صحت حدیث کے لئے ایسی شرطیں لگائیں کہ کوئی
حدیث صحیح باقی نہ رہے اسی طرح قادیانی وغیرہ فرق باطلہ میں مشاہد ہے
کہ حدیث کو ساقط الاعتبار بنانے کی تدبیریں نکالتے جاتے ہیں بخلاف
ان کے امام صاحب تو حدیث مرسل کو بھی صحیح سمجھتے ہیں اور رائے پر مقدم
رکھتے ہیں حالانکہ محدثین نے اپنی رائے سے اُسکو دائرہ صحاح سے خارج
کر دیا ہے اب غور کیجئے کہ امام صاحب رائے کے زیادہ پیرو ہیں یا محدثین
اور امام صاحب حدیث کے زیادہ معتقد اور محب ہیں یا محدثین۔ مروی
ہے کہ امام جعفر صادق رحمہ کہا کرتے تھے کہ اس اُمت کا بڑا فتنہ وہ قوم ہے
جو اپنی رائے سے قیاس کر کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنادیگی
یہ ظاہر ہے کہ حرام کو حلال بنانا اُسی مذموم رائے کا کام ہے جو مخالف
قرآن و حدیث ہے۔ الحاصل جو رائے مخالف قرآن و حدیث ہو اُسکے
مذموم ہونے میں کسی کو کلام نہیں چنانچہ خود امام صاحب بھی اُس سے ڈراتے
ہیں جیسا کہ امام شعرانی رحمہ نے میزان میں فتوحات مکیہ سے نقل کیا ہے۔
ان ابا حنیفۃ کان یقول ایاکم والقول فی دین اللہ بالرأی
وعلیکم باتباع السنۃ یعنی امام صاحب کہا کرتے تھے کہ اللہ کے
دین میں کوئی بات رائے سے کہنا درست نہیں اُس سے بچو اور سنت
کی اتباع کرو۔ جب امام صاحب خود یہ فرما رہے ہیں تو یہ کیونکر کہا جاتا ہے
کہ وہ ایسے امر کے مرتکب تھے جس کو خود وہ برا سمجھتے تھے۔ اگرچہ

باقتضاے بدگمانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُن کا قول کچہ تہا اور عمل کچہ صرف
دہوکا دینے کی غرض سے راے کی بُرائیاں بیان کیا کرتے تھے
مگر یاد رہے کہ اس بدگمانی کا بُرا اثر دور تک پہونچیگا کیونکہ اسی کتاب
کی بحث اجتہاد و قیاس میں معلوم ہوا کہ صحابہ اپنی راے سے قیاس
کیا کرتے تھے حالانکہ وہ حضرات دین میں راے لگانے کو بُرا سمجھتے
تھے چنانچہ ابہی معلوم ہوا کہ عمر رضہ نے اصحاب الرآے سے اور
ابن عباس رضہ نے راے سے ڈرایا ہے باوجود اس کے
عمر رضی اللہ عنہ اپنی راے سے فتوے دیا کرتے تھے جیسا کہ امام
شعرانی رح نے میزان میں لکھا ہے کہ عمر رضہ جب فتویٰ دیتے تو فرماتے
ھذا رائی عمر فان کان صوابا فمن اللہ وان کان
خطاء فمن عمر یعنی یہ عمر کی راے ہے اگر صواب پر ہے تو اللہ کی
طرف سے ہے اور اگر خطا پر ہے تو عمر کی طرف سے ہے" اس
موقع میں یہ کسی نے نہیں پوچھا کہ حضرت راے تو بُری چیز ہے
جس سے آپ خود ڈراتے ہیں۔ پھر آپ راے سے فتویٰ کیوں
دیتے ہیں کاش امام صاحب کے مخالف اُس وقت ہوتے اور یہ
پوچھ لیتے جس کا خاطر خواہ جواب ملتا اور ہمیشہ کا جھگڑا مٹ جاتا
اور سُنن دارمی میں ہے عن عروۃ عن مروان بن حکم
قال قال لی عثمان بن عفان ان عمر قال لی انی قد رایت
فی الجد رایا فان رایتم ان تتبعوہ فاتبعوہ قال عثمان ان نتبع

رایك فانہ رشد وان تتبع رای الشیخ قبلك فنعم ذوی الرائی کان فکان ابو بکر یجعلہ ابا یعنی عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جد کی میراث کے بارہ میں میں نے ایک راے سوچی ہے اگر تم مناسب سمجھتے ہو تو اُس کی اتباع کروں۔ اُنہوں نے کہا اگر ہم آپ کی راے کی اتباع کریں تو وہ بھی رشید ہے لیکن آپ سے پہلے کے بزرگ یعنے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عمدہ ذی راے تھے اُن کی راے کی اتباع کریں تو بہتر ہوگا اُنہوں نے جد کو باپ قرار دیا تھا انتہیٰ۔ دیکھئے عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں بھی اپنی راے بیان کی اور عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس کی تعریف کی لیکن صدیق اکبرؓ کی راے کو ترجیح دی اور اُن کو اعلیٰ درجہ کے صاحب راے کہا۔ اب غور کیجئے کہ صدیق اکبرؓ باوجود صدیقیت کے جب صاحب راے ہوں تو ابو حنیفہ کا صاحب راے ہونا کیوں قابل طعن ہو۔ بلکہ غور کیا جاے تو امام صاحب کی کمال فضیلت اس سے ثابت ہوتی ہے ذلك فضل اللہ یوتیہ من یشاء یہاں یہ بھی معلوم کرلیا جاے کہ جس طرح عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کے ماننے پر جبر نہیں کیا اسیطرح امام صاحب بھی جبر نہیں کیا کرتے تھے جیسا کہ الخیرات الحسان میں امام صاحب کا قول نقل کیا ہے کہ ” ھذا الذی نحن علیہ رائی لا یجبر علیہ احد“ اب غور کیجئے کہ امام صاحب کس قدر صحابہ کے متبع تھے کہ بات بات میں اتباع کو ملحوظ رکھتے تھے۔ دارمی میں یہ روایت بھی ہے۔

عن طاؤس رح قال ربما رای ابن عباس الرای ثم ترکہ یعنی بار بار ایسا ہوتا تہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کسی مسئلہ میں کوئی رائے سوچتے پھر اُس کو ترک کر دیتے تھے" یہی حال امام صاحب کا تہا کہ جب کوئی نئی دلیل پیش نظر ہو جاتی تو سابق کی رائے سے رجوع کر جاتے اسی وجہ سے محدثین کا ایک اعتراض امام صاحب پر یہ بہی تھا کہ اُن کی بات میں قیام نہیں جس کا حال سابقاً معلوم ہوا۔ الحاصل امام صاحب کے قول وفعل میں مخالفت کا گمان کرنا صحابہ پر الزام لگانا ہے حالانکہ یہ الزام نہ صحابہ پر عائد ہو سکتا ہے نہ امام صاحب پر کیونکہ جس رائے کی بُرائی ان حضرات نے بیان کی ہے وہ رائے مذموم ہے جس کا حال ابہی معلوم ہوا۔ اور جس رائے کا وہ استعمال کرتے تھے اُس کی اجازت قرآن وحدیث سے ثابت ہے جس کو ہم بحث اجتہاد میں ثابت کرائے ہیں بحث قیاس میں حدیث معاذ رض مذکور ہوئی کہ "اجتہد برای ولا آلو" دیکہئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اُنہوں نے عرض کی کہ رائے لگانے میں ہرگز کمی اور کوتاہی نہ کرونگا اور ربیعہ رح کا قول بہی مذکور ہوا کہ ترك القران موضعاً للسنۃ موضعاً للرائی یعنی جس طرح قرآن نے حدیث کی جگہ چہوڑ رکہی ہے حدیث نے رائے کی جگہ چہوڑ رکہی ہے کنز العمال میں یہ روایت ہے۔

عن القاسم ان ابا بکر الصدیق رض کان اذا نزل بہ امر یرید مشاورۃ اہل الرائی واہل الفقہ دعا رجالا من

المہاجرین والانصار ودعا عمر وعثمان وعلیًا عبدالرحمٰن
بن عوف ومعاذ بن جبل وابی بن کعب وزید بن ثابت
وکل ہولاء کان یفتی فی خلافۃ ابی بکر وانما تصیر
فتوی الناس الی ہولاء فمضی ابو بکر علی ذلک ثم ولی عمر
فکان مدعوا ہولاء النفر وکانت الفتوی تصیر و
ہو خلیفۃ الی عثمان وابی وزید ابن سعد۔ ماحصل اس کا
یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عمر۔ عثمان۔ علی۔
عبدالرحمٰن بن عوف۔ معاذ بن جبل۔ ابی۔ زید رضی اللہ عنہم
اہل رائے اور اہل فقہ تھے اُنہی کا فتویٰ چلتا تھا۔ اُن کے بعد بھی
اُنہی کا فتویٰ جاری رہا؛ اب دیکھئے کہ تخمیناً ایک لاکھ صحابہ میں سے
فتویٰ کے لئے یہ چند حضرات جو اہل رائے اور اہل فقہ تھے منتخب
کئے گئے تھے حالانکہ اہل حدیث کل صحابہ تھے کیونکہ فن حدیث کی
ابتدا وہیں سے ہی اس لئے کہ انہی حضرات نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے حدیث لیکر دست بدست اُمت کو پہونچایا پھر اُن
کے اہل حدیث ہونے میں کیا شبہ بلکہ ممکن نہیں کہ اُن کی سی اہلیت
اہل بیت کے بعد کسی طبقہ میں پائی جائے باوجود اس کے اُس خیر القرون
میں اُن کا فتویٰ مستند نہ تھا بلکہ وہ سب کے سب اہل رائے اور
اہل فقہ کے محتاج تھے اور اس میں کسی صحابہ نے اختلاف
بھی نہیں کیا۔ اس سے بخوبی ثابت ہے کہ باجماع صحابہ فتویٰ دینے کی

اہلیت صرف اہل رائے اور اہل فقہ میں منحصر ہے اور اوائل زمانہ تابعین
میں بھی خاص خاص حضرات جو اہل رائے وفقہ سمجھے جاتے تھے۔
اور باوجودیکہ اہل حدیث اُس وقت بکثرت تھے مگر فتوی اُن کا
نہیں چلتا تھا جیسا کہ کتب رجال سے واضح ہے۔ اُسی قران کے
آخر میں جب امام صاحب اس درجہ کو پہونچے کہ آپ کی رائے اور
فقہ مسلم ہوگئی اور ایک جماعت کو آپ نے تعلیم دیکر اس قابل بنایا کہ
مسائل میں رائے دے سکیں اُسوقت شیوخ محدثین وہ متبرک
لقب جو صحابہ کرام کے زمانہ میں ایک منتخب جماعت کے ساتھ مختص
تھا اِن کی جماعت کو عطا کیا چنانچہ یہ حضرات اہل الرائے اور امام صاحب
امام اہل الرائے مشہور ہوے۔ امام شعرانی رح نے میزان میں لکھا
ہے کہ امام صاحب کے زمانہ میں جو قاضی تھے اُن کا انتقال ہوا اور
خلیفہ وقت نے حکم دیا کہ اس خدمت کے اہل تلاش کئے جائیں
تو علما نے کہا کہ ابو حنیفہ سے افقہ اور اورع کوئی نہیں،، اس سے
ظاہر ہے کہ آپ اُس زمانہ میں ممتاز اور منتخب تھے بہر حال اہل الحدیث
نے آپ کو امام اہل الرائے تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ اب تک آپکے
پیرو اسی لقب کے ساتھ ملقب ہیں۔ الحمد للہ علی ذلک۔
یہاں یہ خیال نہ کیا جاے کہ امام صاحب کی جماعت کو جو اُس زمانہ
کے محدثین نے ملقب بلقب اہل الرائے کیا تھا وہ بدنیتی سے تھا
جس طرح آخری زمانہ کے لوگ سمجھتے ہیں اس لئے کہ صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو صحابہ فتویٰ کے لئے منتخب کئے گئے تہے
اُن کی وجہ تخصیص اور باعث انتخاب یہی صفت تہی کہ وہ اہل رائے
اور اہل فقہ تھے جیسا کہ روایت مذکورۂ بالا سے ثابت ہے سو یہ صفت
علی وجہ اتم امام صاحب میں موجود تہی چنانچہ امام باقر۔ امام جعفر صادق
امام مالک۔ اسحٰق بن راہویہ۔ سفیان ثوری۔ سفیان بن عیینہ۔ ابن مبارک
یحییٰ بن آدم۔ وکیع۔ امام شافعی۔ مکی بن ابراھیم۔ ابو داؤد۔ عیسیٰ
بن یونس۔ عبد اللہ بن نمیر۔ رقبہ بن مسقلہ۔ عبد الرحمٰن مسعودی۔
مقری۔ خلف بن ایوب۔ عفان بن سیار۔ حسن بن عمارہ۔ عبد اللہ بن
اسحٰق۔ معمر۔ معروف۔ بن حیان۔ عطا بن جبیلہ۔ وغیرہ اکابر محدثین رح
کی گواہی سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں امام صاحب سے افقہ اور
زیادہ سمجھدار کوئی نہ تھا۔ اور حفص بن غیاث۔ ابن مبارک۔ مقاتل بن
حیان۔ شعبہ۔ علی بن عاصم۔ خارجہ بن مصعب۔ بکر بن خنیس۔ یزید
بن ہرون۔ امام شافعیؒ وغیرہ کی گواہی سے ثابت ہے کہ امام صاحب
سے اعقل کوئی اُس زمانہ میں نہ تھا۔ اور یہی معلوم ہوا کہ رائے
اور عقل یا ایک ہی چیز ہے یا دونوں متلازم ہیں۔ غرضکہ اکابر محدثین
اور امام صاحب کو رائے اور تفقہ میں سب سے زیادہ جانتے تہے
اور اُن کو معلوم تھا کہ یہی صفات باعث انتخاب و امتیاز افراد صحابہ
تھے جن کی وجہ سے وہ فتویٰ دینے کے قابل سمجھے گئے تھے
پھر انہی حضرات نے امام صاحب کے فتویٰ کو مستند اور قابل نفاذ

بیان کیا بلکہ بعض حضرات نے تو تصریح کر دی کہ فقہ حنفیہ پر یعنی امام صاحب کے فتووں پر اجماع ہو گیا۔ تو اب غور کیجئے کہ ان حضرات نے لقب اہل الرائے تجویز کرنے کے وقت اُس منتخب جماعت صحابہ کو پیش نظر رکھا تھا جو اہل رائے اور اہل فقہ سمجھی گئی تھی۔ یا اُس بے دینوں کی جماعت کو جو ابلہانہ قیاس کیا کرتی تھی اگر اتنی کھلی شہادتوں اور واضح قرائن کے بعد بھی خیال کیا جائے کہ لقب اہل الرائے سے توہین مقصود ہے تو سوائے انا للہ پڑھنے کے اور کوئی چارہ نہیں تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ احمد بن شعبہ جو امام اور شیخ وقت سمجھے جاتے تھے اور یحییٰ بن معین کے رفیق تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ جو شخص علم فطن کا طالب ہو اُس کو چاہئے کہ آثار کو طلب کرے اور جو شخص علم خبر یعنی حدیث کا طالب ہو اُس کو رائے کی ضرورت ہے انتہیٰ۔ دیکھئے علم حدیث کے لئے انہوں نے رائے یعنی فقہ کو ضروری قرار دیا۔ اس لئے کہ احادیث کا سمجھنا اور اُن میں تطبیق دینی ہر کسی کا کام نہیں۔ اسی وجہ سے عبداللہ ابن مبارک رحمہ نے فرمایا کہ احادیث و آثار کے لئے ابو حنیفہ کی ضرورت ہے اور ابن معین رحمہ نے فرمایا الرائی رائی ابی حنیفۃ علیہ ادرکت الناس جامع بیان العلم و فضلہ میں ابن عبدالبر رحمہ نے لکھا ہے اوزاعی رحمہ کہا کرتے تھے کہ سلف کے اقوال کو مت چھوڑو۔ اگرچہ تم کو لوگ ترک کر دیں اور لوگوں کی رایوں سے

نہ سچتے رہو۔ اگرچہ وہ اپنے اقوال کو آراستہ کرد کھائیں انتہیٰ۔
دیکھئے رائے سے اُن کو کس قدر احتراز تھا اور سلف کی پیروی کس درجہ ملحوظ تھی۔ باوجود اس کے آپ نے دیکھ لیا کہ امام صاحب کی کیسی تعریفیں اُنہوں نے کیں اور صاف کہدیا کہ ہم عطار ہیں اور آپ طبیب۔ اور امام صاحب کی نسبت جو بدگمانی تھی اُس سے توبہ کی جس کا مطلب ظاہر ہے کہ امام صاحب کی رائے کو وہ محمود سمجھتے تھے اور اُسی میں لکھا ہے کہ ابن مبارک رح کہا کرتے تھے کہ اثر پر اعتماد کرو اور وہ رائے اختیار کرو جو تفسیر حدیث کرے انتہیٰ۔
دیکھئے اُنہوں نے صرف اُس رائے کے اختیار کرنے کی اجازت دی جو تفسیر حدیث ہو اور امام صاحب کی رائے کے وہ ایسے دلدادہ تھے کہ عمر بھر اُنہی کی خدمت میں رہے اور امام صاحب کے انتقال کے بعد فقہ حنفیہ کی کتابوں کو تلاش کر کے اُن کا مطالعہ کیا کرتے اور آخر صاف کہدیا کہ اُن کی رائے تفسیر حدیث ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب کی رائے اُن کے نزدیک مُستند اور محمود تھی۔
ابن عبدالبر رح نے کتاب جامع العلم وفضلہ میں ایک باب مذمت رائے میں لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے "باب ماجاء فی ذم القول فی دین اللہ بالرائ والظن بالقیاس"۔

اور اُس میں کئی حدیثیں اور اقوال صحابہ وتابعین ذکر کئے ہیں جن میں رائے
اور قیاس کی مذمت بالتصریح ہے۔ اس باب کے دیکھنے سے صاف
ظاہر ہے کہ رائے اور قیاس کے وہ سخت دشمن تھے اور امام صاحبؒ
محدثین نے جو طعن وتشنیع کی وہ بھی اُس میں ذکر کیا ہے مگر آخر باب میں
لکھدیا کہ جن محدثین نے امام صاحب سے روایت اور اُن کی توثیق و
توصیف کی ہے وہ بہ نسبت اُن محدثین کے جنہوں نے اُن میں کلام
کیا ہے زیادہ ہیں۔ اور اُسی میں لکھا ہے کہ علمائے امت سے کوئی
شخص ایسا نہیں کہ کوئی حدیث شریف اُس کے نزدیک ثابت ہو اور
وہ اُس کو رد کردے البتہ یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی سند میں
کلام ہوتا ہے یا وہ حدیث دوسری حدیث یا اجماع کی وجہ سے
منسوخ سمجھی جاتی ہے یا کوئی اصل ایسا ہوتا ہے۔ جس کے انقیاد کی ضرورت
ہوتی ہے ان وجوہ سے اُس حدیث پر عمل نہیں کیا جاتا۔ اگر بغیر اُن اسباب
کے کوئی عالم کسی حدیث کو اپنی رائے سے رد کردے تو اُس کی
عدالت باقی نہیں رہ سکتی چہ جائیکہ وہ امام سمجھا جائے اور ابو حنیفہؒ پر
سوائے رائے کے یہ الزام بھی لگایا گیا کہ وہ مرجی تھے اور اس کے
سوا حسد کی وجہ سے ایسی ایسی باتیں اُن کی نسبت تراشی گئیں کہ اُن کے
لایق نہیں۔ حالانکہ ایک جماعت علما نے اُن کی ثنا وصفت کی اور اُن کی
فضیلت کا اعتراف کیا ہے اگر ہمیں فرصت ہوگی تو اُن کے فضائل میں
ایک کتاب لکھیں گے۔ انتہیٰ ملخصًا۔ اب دیکھئے ایسے متشدد اور رائے کے

دشمن شخص امام صاحب کے خاص فضائل میں ایک کتاب لکھنے کو مستعد ہیں تو اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ امام صاحب کی رائے اُن کے نزدیک محمود تھی یا مذموم الحاصل اکابر محدثین کی تصریحات سے ثابت ہے کہ امام صاحب اُن اہل الرائے میں سمجھے جاتے تھے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ارکین دین اور مفتیان شرع متین سے تھے جس سے آپ کی کمال فضیلت اور عظمت ثابت ہے جو دوسرے محدثین کو نصیب نہیں۔ مگر مخالفین کو وہ کب گوارا تھا وہ تو ہمیشہ مدح کو ذم بنانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں ابھی معلوم ہوا کہ حدیث انت منی بمنزلۃ ھارون میں ہاروں کو قارون بنا ہی دیا۔ اور اس پر قرینہ جما دیا۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کیسے ظاہر و باہر تھے جن سے جوق جوق اہل انصاف اسلام لاتے جاتے تھے۔ ایسے معجزوں کو حاسدوں نے سحر قرار دیکر اس بات کی شہرت دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساحر ہیں نعوذ باللہ من ذلک اسی طرح قرآن کو اساطیر الاولین یعنی کہانیاں کہتے تھے اس قرینہ سے کہ اُس میں امم سابقہ کے واقعات بھی مذکور ہیں حالانکہ اُن عبرت انگیز واقعات میں کس قدر فوائد و منافع ملحوظ ہیں چونکہ اُس زمانہ میں اہل مذاہب باطلہ رائے لگا لگا کر احادیث کو رد کردیا کرتے تھے جیسا کہ ابن عبد البر رحمہ نے جامع مذکور میں لکھا ہے کہ جہم وغیرہ اپنی رائے سے حدیثوں کو رد کرد تے

چنانچہ اُن کا قول ہے کہ قیامت میں بھی رویت الٰہی نہ ہوگی کیونکہ رویت ہو تو جہت وغیرہ لازم آتی ہے۔ اور اسی بنا پر حدیث انکم ترون ربکم یوم القیمۃ کو رد کر دیا اور قولہ تعالیٰ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرہ میں ایسی تاویلیں کیں کہ نہ اہل لسان جانتے ہیں نہ اہل اثر۔ اور عذاب قبر کے باب میں حالانکہ احادیث بکثرت وارد ہیں اور حد تواتر کو پہونچ گئے ہیں مگر سب کو رد کر دیا۔ اور نیز احادیث شفاعت کو یہ کہکر رد کر دیا کہ دوزخ میں جو گیا پھر وہ اس سے نہیں نکل سکتا۔ انتہی۔ حاسدوں کو لفظ اہل الرائے سے موقع ملگیا کہ امام صاحب کو محدثین نے جو اہل الرائے کہا ہے اُسکا مطلب یہی ہے کہ اُن کی رائے مذموم ہے اور وہ اہل مذہب باطلہ میں شامل ہیں۔ اور اُس پر چند مسائل بھی پیش کر دئے جو بظاہر بعض احادیث کے مخالف ہیں حالانکہ دراصل وہ مخالفت ایسی ہے جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ زکوٰۃ میں حدیث صحیح کی مخالفت کی تھی۔ غرض کہ یہ افسوں ناواقف لوگوں پر بہت جلد اثر کر گیا اور طلبہ میں عام شہرت ہوگئی کہ امام صاحب اہل الرائے میں ہیں یعنی مخالف احادیث اپنی رائے قائم کیا کرتے ہیں۔ اس طوفان بے تمیزی نے یہاں تک اثر کیا کہ اکابر محدثین ہر چند اُن کو سمجھاتے تھے کہ امام صاحب محدثین وفقہا میں فرد لاثانی اور تقویٰ و ورع میں بینظیر تھے اور خوف خدا انہیں اس درجہ تھا کہ کوئی بات دین میں اُنھوں نے

نہیں بڑھائی" مگروہ کم فہم کج بحثی سے یہی کہے جاتے کہ محدثین نے اُن کو اہل الرائے کہدیا ہے اس لئے ہم نہ اُن کی حدیث لیں گے نہ اُن کے اقوال آخر اُن حضرات کو یہ کہنا پڑا کہ وہ اہل الرائے میں تھے ہی نہیں چنانچہ کردری رح نے عبدالعزیز ابن رواد اور یٰسین زیات کا قول نقل کیا ہے کہ اصحاب الرائی اعداء السنة و ھم الحرریة واھل الھوا واما ابوحنیفة واصحابه فھم قاسوعلی السنة یعنی اصحاب الرائے سنت کے دشمن ہیں اور وہ فرقہ حروریہ اور اہل ہوا ہیں۔ لیکن ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب سو اُنہوں نے سنت پر قیاس کیا ہے۔ یعنی اپنی رائے سے کوئی بات نہیں کہی جیسے حروریہ یعنی خوارج وغیرہ فرق باطلہ کہا کرتے ہیں۔ ملل ونحل میں شہرستانی اور ابن حزم رح نے لکھا ہے کہ خوارج کے بعض فرقوں نے صبح کی نماز ایک رکعت اور شام کی نماز ایک مقرر کی تھی اور سورۂ یوسف کو کلام الٰہی نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ اُس میں عشق کا قصہ مذکور ہے جس کا بیان عقلاً شان کلام الٰہی سے بعید ہے" اس سے ظاہر ہے کہ اہل ہوا اپنی رائے کے مقابلہ میں نہ کلام الٰہی کو کوئی چیز سمجھتے ہیں نہ احادیث نبویہ کو بخلاف امام صاحب کے کہ وہ اپنی رائے سے قرآن و حدیث کو ثابت اور واضح کرتے ہیں جیسا کہ ابن مبارک رح نے فرمایا ہے کہ لاتقولوا رائی ابی حنیفه ولکن قولوا تفسیر الحدیث ذکرہ الکردری رح یعنی ابوحنیفہ کی رائے مت کہو بلکہ اُسکو تفسیر حدیث کہو"

ابن مبارک رحنے جب دیکھا کہ سفہانے فقہ کو امام صاحب کی رائے قرار دی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ رائے صائب کس درجہ کی چیز ہے اور رائے کو انہوں نے صرف مذموم سمجھ رکھا ہے اس لئے انہوں نے کہا کہ فقہ رائے ہے ہی نہیں وہ تو تفسیر حدیث ہے۔
یہ قول بھی ابن مبارک رح کا اوپر مذکور ہوا کہ اگر رائے سے کہنے کی کسی کو اجازت ہوتی تو ابو حنیفہ اس کے زیادہ تر مستحق تھے،، اس میں انہوں نے امام صاحب کی رائے کی تعریف کی اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم کرادیا کہ باوجود اس اصابت رائے کے ان کو بھی اجازت نہ تھی کہ اپنی رائے سے کوئی بات دین میں زیادہ کریں اس لئے انہوں نے اپنی رائے سے کوئی بات نہیں کہی بلکہ جو کچھ کہا وہ سب تفسیر حدیث ہے۔ الحاصل جس معنی کے لحاظ سے طلبۂ تقلید مخالفین امام صاحب کو اہل الرائے کہا کرتے تھے اکابر محدثین نے اس کو رد کردیا اور ان کو اصحاب الرائے میں آپ کو سمجھتے تھے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ایک خاص جماعت اس نام اور صفت کے مصداق تھی۔
اگر کہا جائے کہ امام احمد بن حنبل رح نے بھی امام صاحب کی رائے پر اعتراض کیا ہے جیسا کہ الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ امام احمد ابن حنبل رح سے کسی نے پوچھا کہ کونسی چیز ابو حنیفہ کی ناپسندیدگی کا باعث ہوئی کہا رائے۔ سائل نے کہا رائے تو امام مالک بھی

مسائل میں لگایا کرتے تھے کہا ابوحنیفہ اس باب میں اُن سے زیادہ تھے کہا جب مالک بھی اس بات میں شریک تھے تو بقدر حصّہ ان میں بھی کلام کیا جاتا ابوحنیفہ کی تخصیص کی کیا وجہ۔ امام احمد رح سے اس کا جواب نہو سکا اور ساکت ہو گئے انتہیٰ۔

قبل جواب یہ بات معلوم کی جاے کہ امام احمد رح کے اکثر اساتذہ امام صاحب کے مداح اور معتقد رہے چنانچہ اسی ایک سلسلہ کو دیکھ لیجئے کہ امام احمد رح وکیع اور یحییٰ ابن القطان کے شاگرد ہیں اور وکیع سفیان ثوری رح کے شاگرد ہیں۔ اور ثوری شعبہ رح کے اور شعبہ اوزاعی رح کے شاگرد ہیں اور اوزاعی عطار ابن ابی رباح کے شاگرد ہیں۔ اب دیکھئے کہ اس تمام سلسلہ کے حضرات امام صاحب کے مداح ہیں اور اُن کو وقعت کی نظروں سے دیکھا کئے۔ چنانچہ امام موفق رح نے مناقب میں لکھا ہے کہ حارث ابن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ عطار ابن ابی رباح کی مجلس میں طلبہ کی وہ کثرت ہوا کرتی تھی کہ آگے پیچھے جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے مگر جب ابو حنیفہ رح آتے تو عطار لوگوں کو ہٹا کر اپنے پاس اُن کو جگہ دیتے"

اب عطار کے حلقۂ درس کا حال بھی سن لیجئے کہ اُس میں ایوب اور حسین معلم اور ابن جریج اور اسحٰق اور اوزاعی رحمہم اللہ جیسے سرآمد روزگار رہا کرتے جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے۔ اب غور کیجئے کہ جب ایسے جلیل القدر استاد کے حلقہ درس میں اور ایسے سنفرزہ

ہم درسوں کی جماعت میں امام صاحب کی یہ عزت طالب علمی کے زمانہ
میں ہتی تو کس درجہ اُن کو معزز سمجھنا چاہئے۔ سالیکہ نخوست از بہارش
پیداست۔ غرض کہ عطا رح نے امام صاحب کی توقیر کر کے تمام علما کی نظروں
میں اُنہیں باوقعت ثابت کر دیا۔ اُن کے بعد اوزاعی رح امام صاحب
سے گفتگو کر کے اُن کے فضل وکمال کو تسلیم کر لیا۔ پھر شعبہ نے
امام صاحب کی تعریفیں کیں۔ پھر سفیان ثوری رح نے تعظیم وتکریم اور
اُن کی کتابوں کی قدر دانی کی۔ پھر وکیع اور یحییٰ رحمہما اللہ نے
تو اُن کو اپنا مقتدا ہی بنا لیا۔ جیسا کہ یہ تمام امور سابقا مکرر مذکور ہو چکے ہیں
جب امام احمد رح کے پانچ درجوں کے استادوں نے امام صاحب کو
معظم اور قابل قدر تسلیم کر لیا۔ اور بعضوں نے اپنا مقتدا دین میں
بنا لیا تو امام احمد رح کا قول ان حضرات کے مشاہدات کے مقابلہ میں
کیونکر قابل وثوق ہو سکتا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس
سلسلہ کے اساتذہ جس کو سلسلۃ الذہب کہنا چاہئے ایسے بے تدین
لوگ تھے کہ بغیر تحقیق کے ایک غیر متدین مطعون شخص کی تعریفیں
بالاتفاق کر کے مسلمانوں کو دھوکا دیا۔ معاذ اللہ ہرگز نہیں۔ پھر صرف
اسی ایک سلسلہ کے اساتذہ نے امام صاحب کی توثیق نہیں کی۔
بلکہ بیس پچیس استادوں کی توثیق تو اسی کتاب میں مذکور ہو چکی۔ یہ
حضرات اس جلالت شان کے تھے کہ جس پر اُنہوں نے جرح کی
قیامت تک اُس کا اندمال نہ ہو سکا۔ غور کیا جائے تو امام احمد رح کی

نسبت یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ اپنے مستند اساتذہ سے امام صاحب کی تعریفیں سننے
کے بعد وہ بھی اُن سے بدگمان رہے ہوں بلکہ ظن غالب ہے
کہ اُنہوں نے بعض محدثین کا خیال امام صاحب کی نسبت بیان کردیا
اور اُسپر قرینہ یہ ہے کہ وہ امام صاحب کی تعریف و توصیف کیا
کرتے تھے۔ چنانچہ الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ امام احمد حنبل رح
نے کہا کہ ابو حنیفہ اہل ورع اور زہد سے تھے اُنہوں نے آخرت
کو ایسے طریقہ سے اختیار کیا کہ دوسرے سے ہونا مشکل۔ بادشاہ وقت
کی جانب سے خدمت قضا قبول کرنے پر اصرار اور تشدد ہوا اور
کوڑے لگائے گئے مگر اُنہوں نے قبول نہ کیا خدا کی اُن پر رحمت
اور رضامندی ہو انتہی۔
اور اُن کا یہ قول بھی اوپر مذکور ہوا کہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف اور محمد
رحمہم اللہ کا جس مسئلہ میں اتفاق ہو تو کسی کی مخالفت سننے کے قابل
نہیں۔ اگر امام صاحب کی رائے کو وہ قبیح سمجھتے تو اُن کے ورع وغیرہ
کی تعریف کبھی نہ کرتے۔ اس لئے کہ جو شخص خلاف شرع عقلی بات
دین میں داخل کردے تو اُس کا تورع کجا فاسق ہونے میں اُس کے
کسی کو کلام نہیں۔ اُن کو متورع کہنے سے ثابت ہوگیا کہ امام صاحب
کی رائے کو وہ مخالف حدیث نہیں سمجھے۔ اور اگر بفرض امام احمد رح
قیاس اور تفقہ کے قایل نہ تھے تو وہ مجتہد تھے اُن کو اپنے اجتہاد
اور ظن پر عمل کرنا ضروری تہا۔ مگر اُن کے اجتہاد کا اثر امام صاحب

اور دوسرے محدثین کے اجتہاد پر پڑ نہیں سکتا۔ اور چونکہ تفقہ اور قیاس قرآن و حدیث و عمل صحابہؓ تابعین سے ثابت ہے جس کے دلائل بکثرت ہیں اور راہی بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہوا۔ اور اجتہاد میں کثرت علم اور وفور عقل کی ضرورت ہے جن کا وجود امام صاحب میں علی وجہ اتم تھا جیسا کہ اکابر دین کی شہادتوں سے ثابت ہے کہ وہ اعلم الناس اور اعقل الناس تھے اس لئے اُن کا تفقہ اور اجتہاد سب سے بڑھ گیا اسی وجہ سے محدثین نے اُن کو افقہ الناس اور سید الفقہا کہا اور امام شافعی رح جو امام احمد ابن حنبل کے استاد ہیں فرماتے ہیں الناس عیال لابی حنیفہ فی الفقہ اور امیر المومنین فی الحدیث نے اُن کو امام اعظم کا لقب دیا اور امام احمد رح ان تمام امور سے غالباً واقف رہے اس وجہ سے یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ وہ امام صاحب کی رائے کو مذموم اور فقہ کو خلاف حدیث سمجھتے تھے۔

تقریر سابق سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مخالفین کے نزدیک اہل الرائے کے معنی یہ تھے کہ اپنی رائے سے وہ احادیث کو رد کر دیا کرتے ہیں اور محققین اہل الرائے اُن اکابر محدثین کو سمجھتے تھے جن میں فتویٰ دینے کی قابلیت ہو اس سے ظاہر ہے کہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے جو انصاف میں لکھا ہے۔ المراد من اھل الرّائی قوم توجھوا بعد المسائل المجمع علیھا بین المسلمین او بین جمھورھم الی التخریج علی اصل رجل من المتقدمین وکان اکثر

امرھم حمل النظیر علی النظیر والرد الی اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والاثار والظاہری من لا یقول بالقیاس ولا باثار الصحابۃ والتابعین کداود الظاہری وابن حزم وبین ہما المحققون من اہل السنۃ کاحمد واسحق سویہ اصل اہل الرائے کی تعریف نہیں ہوسکتی منشا اس تعریف کا یہی ہوگا کہ جس طرح ابن مبارک رح نے عوام الناس کے خیال سے امام صاحب کو اہل الرائے سے علیحدہ کر دیا اسی طرح شاہ صاحب نے بھی علیحدہ کر دیا۔ جیساکہ توجہوا الی التخریج علی اصل رجل من المتقدمین اور اکثر امرہم حمل النظیر۔ اور دون تتبع الاحادیث والاثار سے ظاہر ہے اس لئے کہ امام صاحب تو احادیث کو تلاش کرکے اُن کی تفسیر کیا کرتے تھے اور اس باب میں وہ کسی کے اصل کے پابند بھی نہ تھے بلکہ مجتہد مطلق تھے شاہ صاحب نے اہل الرائے کی جو تفسیر کی ہے البتہ اُن کے زمانہ کے فقہا پر صادق تھی جیساکہ حمل النظیر علی النظیر اور التخریج علی اصل رجل من المتقدمین سے ظاہر ہے۔ رہا یہ کہ جس معنی کے لحاظ سے امام صاحب کو افتخار اہل الرائے کے امام ہونیکا حاصل ہے جس میں نہ امام احمد شریک ہوسکتے ہیں نہ اسحق وغیرہ سو اس کو عوام الناس کے خیال سے بیان نہیں کیا اور علما کی وسعت علمی پر حوالہ کر دیا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اکابر محدثین نے اُس جماعت اہل الرائے میں اُن کو شریک کیا ہے جس کی ابتدا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کے زمانہ سے ہوئی ہے جس کی رائے شریعت میں محمود سمجھی جاتی ہے۔ غرض کہ اکابر محدثین نے امام صاحب کی جماعت کو اہل الرای کے لقب سے ملقب کیا وہ بدنیتی سے نتہا بلکہ اُس سے اُن کی مدح مقصود تھی۔

اب ہم حضرات غیر مقلد کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ جب امیر المومنین فی الحدیث وغیرہ شیوخ محدثین کی گواہیوں سے ثابت ہوگیا کہ لاکھوں احادیث صحیحہ تلف ہوگئیں اور اکابر محدثین نے فقہ پر عمل کرتے آئے تو اب اہل اسلام تقلید سے کیوں روکے جاتے ہیں اور جو عذر کیا جاتا ہے کہ فقہ کے چند مسائل احادیث موجودہ کے مخالف ہیں سو وہ معقول نہیں اس لئے کہ اکابر محدثین نے فقہ کو تفسیر حدیث کہا ہے اور وہ اسی وقت صادق آئیگا کہ وہ مسائل دوسری احادیث صحیحہ کے موافق ہوں جن کا تلف ہونا امام بخاری رح کی شہادت سے ثابت ہے اگر ایسے قرائن واضحہ بھی اعتبار کے قابل نہ ہوں تو بخاری شریف بھی قابل اعتبار نہ رہے گی کیونکہ اُس میں جتنی حدیثیں ہیں سب وہ ہیں جو مفید قطع نہیں ہوسکتیں۔ پھر اُس کو معتمد علیہ بنانے والی کون چیز ہے وہی قرینہ خارجیہ ہے یعنی جلالت شان مصنف رح۔ ہاں اگر یہ بات ثابت ہوجاتی کہ کل صحیح حدیثیں بخاری شریف میں موجود ہیں اور کوئی تلف نہ ہوئی۔ یا امام بخاری نے کل واجب العمل حدیثوں کو جمع کردیا ہے اور راہی کا واجب العمل ہونا کسی صحیح حدیث سے ثابت

ہوجاتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ واقعی وہ مسائل مخالف حدیث ہیں مگر یہ دونوں
امر نہ ثابت ہوئے نہ ہو سکتے ہیں پھر صرف احتمال پر فقہ کو بے اعتبار کہنا
کیونکر صحیح ہوگا اور احتمال بھی کیسا کہ اکابر محدثین کی تصریحات اُس کو
رو کر رہی ہیں - کیونکہ اُنھوں نے صاف کہدیا کہ فقہ حنفیہ حدیثوں کی تفسیر
ہے پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ لاکھوں علما جن میں ہزارہا ماہرین حدیث
ہیں برابر تقلید مذاہب کرتے آئے اور بلاد اسلامیہ میں جس قدر
مقلدین کی کثرت ہے محتاج بیان نہیں - اہل نجد باوجودیکہ نہایت
متشدد ہیں مگر وہ بھی حنابلہ میں شمار کئے جاتے ہیں - غرض کہ تقریباً
کل اہل سنت وجماعت مقلد ہیں ان سب کو گمراہ اور مستحق دوزخ قرار دینا
کیونکر صحیح ہوگا - اس موقع میں یہ کہا جاتا ہے کہ اہل حق تھوڑے ہی
ہوا کرتے ہیں سو وہ صحیح نہیں اس لئے کہ اگر یہ کلیہ تسلیم کرلیا جاے
تو کل فرقہ باطلہ اہل سنت وجماعت کے ساتھ نسبت لگا کر اپنی قلت
کو حقانیت کی دلیل بتائیں گے - کیونکہ کسی زمانہ میں کسی فرقہ کے لوگوں کی
تعداد اہل سنت کی تعداد کو نہیں پہونچی -

ادنیٰ تامل سے ظاہر ہوسکتا ہے کہ گمراہ تو اُس کو سمجھنا چاہئے جو قرآن
وحدیث کو نہ مانے اور مقلدین کے مذہب کا مدار قرآن وحدیث پر ہے
کیونکہ فقہ حنفیہ قرآن وحدیث ہی کا خلاصہ ثابت کرتے ہیں جسپر اکابر محدثین
نے بھی گواہی دی ہے - اور یہ کبھی ثابت نہیں ہوسکتا کہ بخاری شریف
میں تمام احادیث اور قرآن جمع ہے یا وہ سب کا خلاصہ ہے باوجود

اپنے دلائل وقرائن کے اس فکر میں لگے رہنا کہ مقلدین کسی طرح گمراہ اور دوزخی بنائے جائیں کس قدر ظلم اور اصول اسلامیہ سے کس قدر دور ہے۔ حکم تو یہ ہو رہا ہے کہ کونوا عباد اللہ اخوانا اور یہاں عمل یہ ہو رہا ہے کہ اگر بس چلے تو پہلے مقلدوں کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس پر دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ پہلے گھر کو صاف اور پاک کیا جائے چنانچہ اسی بنا پر ہمیشہ مارپیٹ اور مقدمہ بازیاں ہوتی رہتی ہیں۔ جس میں طرفین کا زور و روزر بے انتہا خرچ ہوتا رہتا ہے اور اس خانہ جنگی کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ دوسرے اقوام اور اہل مذاہب باطلہ موقع پاکر اسلام پر حملہ پر حملہ کئے جاتے ہیں چنانچہ عقاید اسلامیہ میں خدشے پیدا کر کے لاکھوں مسلمانوں کو انہوں نے متزلزل کر دیا بلکہ عیسائی اور آریہ وغیرہ بناڈالا۔ اگر طرفین کے علما متفقہ کوشش سے مخالفوں کی مدافعت کرتے تو کیا ممکن تھا کہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی سر اٹھا سکتا۔ افسوس ہے کہ جس قدر طبیعت کا زور ہے اس میں صرف کیا جاتا ہے کہ چند فقہی مسائل احادیث کے مخالف ثابت ہو جائیں حالانکہ جب سے بخاری شریف بنی ہے۔ یہی مسائل معرکۃ الآرا رہے۔ اور طرفین سے سوال وجواب ہوا کئے جو کتابوں میں مذکور ہیں۔ اب ان باتوں سے کوئی فائدہ جدید نہیں ہو سکتا بلکہ نقصان یہ ہو رہا ہے کہ اس خانہ جنگی نے دونوں گروہ کو ایسا تمام مشغول کر رکھا ہے کہ خبر تک نہیں کہ مخالفوں کے حملوں سے اسلام پر

کیا گزر رہی ہے خدائے تعالیٰ کو کیا جواب دیا جائے گا جب یہ سوال ہوگا کہ تمہاری خانہ جنگیوں نے ہزار دینداروں کو بے دین اور ضعیف الایمان بنا دیا اور اسلام کو ضعیف کر دیا۔ کیا آیہ شریفہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم وغیرہ آیات واحادیث تمہیں پہونچی نہ تھی۔ بہرحال اس زمانہ میں یہ امر علما کے پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اگر کوئی مقلد یا غیر مقلد رہے تو وہ نہ دائرہ اسلام سے خارج ہوگا نہ عمل بالحدیث سے۔ بخلاف اس کے اگر کوئی مسلمان مخالفوں کے دام میں آجائے تو اسلام ہی سے خارج ہو جائے گا۔ اس لئے علمائے طرفین کو اس کی روک تھام ضروری ہے وما توفیقنا الا باللہ واخر دعوانا الحمد للہ رب العلمین

تمت

غلطنامہ حقیقۃ الفقہ حصہ دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳	۱۹	حدیث	حدیث میں	۴۰	۶	الاسساتذہ	الاساتذہ
۱۵	۱۳	ہزارون	ہارون	۴۱	۱۷	ہی	ہی
۱۸	۱۷	ہاتون ہین	ہاتون مین ہین	۴۴	۱۹	فی تہذالتحذیب	فی تہذیب التہذیب
۲۵	۱۰	زیادقی	زیادتی	۴۵	۸	اور میرے آپکے	اور میرے رب کے
۲۹	۱۱	انقیاء	انقیاد	۵۲	۱۰	اطیعوا اللہ	اطیعوا اللہ

۵۲	۱۰	الطیعوالرسول	اطیعوالرسول	۷۶	۵	یتیری	تبری
۵۲	۱۷	الطیعواللہ	اطیعواللہ	۷۹	۲	قصدالصحۃ	قصدوا الصحۃ
۵۳	۴	الطیعواللہ	اطیعواللہ	۸۴	۱۸	مانسح	مانسخ
"	"	الطیعوالرسول	اطیعوالرسول				
"	۱۱	القاسقون	الفسقون	۸۶	۳	عامین	عامئذ
۵۴	۱۹	الطیرانی	الطبرانی	۹۱	۵	بالجابتہ	بالجابۃ
"	۱۶	علی خلفاء	علی خلفائی	۹۶	۷	نقلیل	تقلیل
"	۱۹	حاذ	حاتم	۹۷	۱	عن ابوبعد	عن الواحد
۵۵	۸	لم یخیلفو	لم یختلفوا	۱۰۰	۱۹	یاتون	یاتمرون
"	۱۶	التبۃ	البتۃ	۱۰۱	۱۴	فتبینوالایۃ	فتبینوالایۃ
۵۶	۷	التبۃ	"	۱۰۵	۷	ھذااللظ	ھذااللفظ
"	۱۲	والطیعوالرسول	واطیعواالرسول	۱۰۶	۱۵	اکک	ایک
۵۷	۱۴	بھذالمذاھب	بہذاالمذاہب	۱۱۱	۱	من صذاالمقام	من ھذاالمقام
۶۰	۱۲	وَاِذَ قَرِیَ	وَاِذَا قُرِیَ	"	۲	ھذاالزمان	ھذاالزمان
۶۹	۱۱	صاف طبع نہیں ہوا	لم یکن	"	۱۵	الاالحکم	الحکم
۷۲	۱۸	جنگ	خنک	۱۱۲	۵	ووورعہ	ودرعہ
۷۴	۱۰	جزع وفزع	جزع وفزع	"	۱۵	کاالنجوم	کالنجوم
۷۵	۳	مع صلٰوۃ تھم	مع صلوٰتھم	"	۱۹	باالدین	بالدین
۷۶	۲	قایل	قائل	۱۱۳	۵	المبدین	المہدیین
"				"	۱۰	اتبعوالسواو	اتبعواالسواد

۱۲۰	۸	انہیٰ المحصًا	انتہیٰ المحصًا	۲۰۸	۱۵	دھمہ	وھمہ
״	۱۰	اداہون مین	روایتون مین	۲۱۲	۶	لاتکتبو	لاتکتبوا
۱۲۱	۷	اقیم الصلوۃ	اقم الصلوۃ	۲۱۷	۱	حدیثین	حدیثین
۱۲۵	۱۹	کاقرون	کافرون	۲۲۰	۱۱	یاولی الالباب	یااولی الالباب
۱۳۱	״	ان دودون مین فرق	ان دونون فرقون مین	״	۱۹	والقطنۃ	والفطنۃ
۱۳۵	۱۲	اتبعوالسواد	اتبعواالسواد	۲۲۳	۱۵	الشۃ	السنۃ
۱۴۹	۷	لاینبغی	لاینبغی	״	۱۸	اعداءالسنہ	اعداءالسنۃ
״	״	دلیلی	دلیلی	۲۲۶	۴	کرون	کرو
۱۶۱	۱۱	قایم	قائم	۲۲۸	۱۳	ابتداوہنین سے	ابتداوہین سے
۱۶۳	۱۵	کس میہ	کس میرس	۲۳۴	۸	ہین	ہین
۱۶۶	۱۷	مناطرہ	مناظرہ	۲۳۶	۵	الجہریۃ	الحرریۃ
۱۶۹	۱۵	ملاسلامتہا	سلامتہا	״	۱۸	ارائی	رائی
״	״	عن حد	عن حسد	۲۳۷	۱۱	نقلید	تقلید
۱۷۳	۹	خوری	جوزی	״	۱۹	سایل	سائل
۱۸۹	۱۰	تراحیم	ترجمہم	۲۳۸	۱	مسایل	مسائل
۱۹۷	۱	فہوا	فہو	۲۴۰	۱۸	قایل	قائل
״	۵	الدین	ادین				
۲۰۷	۱۰	کماورد	کماوسہد				
۲۰۸	۱۴	ماعرفواہا	ماعرفوہا				